الرّفيقُ الفصِيح
لمشكوٰة المَصَابِيح
جلد ١٢
افادات
حضرت علّامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہٗ
ڈیزائننگ و کمپوزنگ:
مجیب الرحمٰن قاسمی 7895786325

S.R.Waraq-12

الرفیق الفصیح
لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۱۲

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

تفصیلات

نام کتاب......الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج:۱۲
افادات..........حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
مرتب..........محمد فاروق غفرلہٗ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ
کمپوزنگ......مجیب الرحمن قاسمی لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا
سن اشاعت..........سنہ ۱۴۳۵ھ مطابق سنہ ۲۰۱۴ء
صفحات..........۵۲۸
قیمت

ناشر
مکتبہ محمودیہ
جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

S.R.Waraq-12

فہرست

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد: دوازدہم

S.R.Waraq-12

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح

جلد دوازدہم

تم

الجزء الثانی عشر بحمد اللہ تعالیٰ واحسانہ

وتوفیقہ تعالیٰ وبمنہ وکرمہ ویلیہ الجزء الثالث عشر

اولہ کتاب الدعوات ان شاء اللہ تعالیٰ

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔ وتب علینا انک انت

التواب الرحیم بحرمۃ حبیبک سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین ۔ الی یوم الدین

محمد فاروق غفر لہ

تفصیلی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ۱۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۲	عذر کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا اور فدیہ	۵۹
۱۳	قضا روزوں کا علی الفور اور لگاتار رکھنا ضروری نہیں	۶۰
۱۴	فدیہ	۶۲
۱۵	فدیہ اور کفارہ میں 'اباحت' بھی کافی ہے	۶۳
۱۶	نفل روزہ کا لزوم	〃
۱۷	جو بچے روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں انکو بھی رمضان کے روزے رکھنے چاہئیں ...	۶۴
	﴿الفصل الاول﴾	
۱۸	حدیث نمبر﴿۱۹۰۲﴾ روزہ میں معاصی سے اجتناب	۶۵
۱۹	کیفیت کے اعتبار سے روزہ کی اقسام	۶۶
۲۰	حدیث نمبر﴿۱۹۰۳﴾ روزہ میں بوس و کنار	〃
۲۱	مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ	۶۷
۲۲	مطلب	۶۸
۲۳	حدیث نمبر﴿۱۹۰۴﴾ روزہ دار کا جنابت کی حالت میں صبح کرنا	۶۹
۲۴	حدیث نمبر﴿۱۹۰۵﴾ روزہ کی حالت میں پچھنہ لگانا	۷۱
۲۵	حدیث نمبر﴿۱۹۰۶﴾ روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لینا	۷۲
۲۶	حدیث نمبر﴿۱۹۰۷﴾ کفارہ	۷۳
۲۷	مضمون حدیث	۷۵
۲۸	مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ	۷۶
۲۹	افساد صوم بالاکل والشرب میں اختلاف ائمہ	〃

Jild-12

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	﴿الفصل الثانی﴾	
۶۲	حدیث نمبر﴿۱۹۲۷﴾ حاملہ کے لئے روزہ رکھنا	۱۱۳
۶۳	حدیث نمبر﴿۱۹۲۸﴾ سفر میں سہولت ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے	۱۱۴
	﴿الفصل الثالث﴾	
۶۴	حدیث نمبر﴿۱۹۲۹﴾ مسافر کا روزہ توڑنا	۱۱۵
۶۵	حدیث نمبر﴿۱۹۳۰﴾ سفر میں ہلاکت کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھے	۱۱۷
۶۶	حدیث نمبر﴿۱۹۳۱﴾ سفر میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے	۱۱۸
	باب القضاء	
	(قضاء کا بیان)	۱۲۱
	﴿الفصل الاول﴾	
۶۷	حدیث نمبر﴿۱۹۳۲﴾ قضا روزہ حسب سہولت رکھے	۱۲۲
۶۸	رمضان ثانی تک اگر تاخیر کی؟	۱۲۳
۶۹	حدیث نمبر﴿۱۹۳۳﴾ شوہر کی اجازت سے نفلی روزہ	؍؍
۷۰	حدیث نمبر﴿۱۹۳۴﴾ حائضہ پر روزہ کی قضا	۱۲۴
۷۱	حدیث نمبر﴿۱۹۳۵﴾ میت کی طرف سے روزہ	۱۲۶
۷۲	نیابت صوم اور اختلاف فقہاء	۱۲۷
۷۳	کیا ولی پر میت کی طرف سے فدیہ ادا کرنا واجب ہے؟	۱۳۱
	﴿الفصل الثانی﴾	
۷۴	حدیث نمبر﴿۱۹۳۶﴾ میت کی طرف سے فدیہ ادا کرنا	۱۳۲

Jild-12

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۰۳	حسد کی تعریف مع اقسام	۲۹۵
۲۰۴	حدیث نمبر ﴿۲۰۱۲﴾ قرآن پڑھنے والے کی مثال	//
۲۰۵	حدیث نمبر ﴿۲۰۱۳﴾ قرآن پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے میں فرق......	۲۹۸
۲۰۶	حدیث نمبر ﴿۲۰۱۴﴾ قرآن سننے کے لئے فرشتوں کا اژدحام	۲۹۹
۲۰۷	حدیث نمبر ﴿۲۰۱۵﴾ تلاوت قرآن نزول رحمت کا سبب ہے	۳۰۳
۲۰۸	حدیث نمبر ﴿۲۰۱۶﴾ سورۂ فاتحہ کی فضیلت	۳۰۵
۲۰۹	اجابۃ النبیؐ فی الصلوٰۃ کا حکم	۳۰۷
۲۱۰	سبع مثانی کی وجہ تسمیہ	۳۰۹
۲۱۱	سورۂ فاتحہ کے اسماء	//
۲۱۲	حدیث نمبر ﴿۲۰۱۷﴾ سورۂ بقرہ کی فضیلت	۳۱۰
۲۱۳	حدیث نمبر ﴿۲۰۱۸﴾ قیامت کے دن قرآن کریم کا شفیع ہونا	۳۱۱
۲۱۴	حدیث نمبر ﴿۲۰۱۹﴾ قرآن پرعمل کرنے کی فضیلت	۳۱۳
۲۱۵	حدیث نمبر ﴿۲۰۲۰﴾ آیت الکرسی سب سے عظیم آیت	۳۱۴
۲۱۶	فائدہ..................	۳۱۶
۲۱۷	حدیث نمبر ﴿۲۰۲۱﴾ آیت الکرسی کی برکت	//
۲۱۸	اشکال مع جواب	۳۱۹
۲۱۹	حدیث نمبر ﴿۲۰۲۲﴾ سورۂ فاتحہ اور بقرہ کی آخری آیت کی فضیلت	۳۲۰
۲۲۰	حدیث نمبر ﴿۲۰۲۳﴾ سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت	۳۲۱
۲۲۱	حدیث نمبر ﴿۲۰۲۴﴾ سورہ کہف کی پہلی دس آیتوں کی فضیلت	۳۲۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۳۵۶	حدیث نمبر﴿۲۰۳۸﴾دس دوزخیوں کے لئے حافظ قرآن کی سفارش........	۲۴۰
۳۵۷	حدیث نمبر﴿۲۰۳۹﴾سورۂ فاتحہ بے مثال سورت ہے........................	۲۴۱
۳۵۸	حدیث نمبر﴿۲۰۴۰﴾قرآن سیکھنے اور اس پر عمل کا فائدہ	۲۴۲
۳۵۹	حدیث نمبر﴿۲۰۴۱﴾آیۃ الکرسی اور سورہ مومن کی ابتدائی آیت کی برکت	۲۴۳
۳۶۰	حدیث نمبر﴿۲۰۴۲﴾لوح محفوظ میں قرآن کب لکھا گیا....................	۲۴۴
۳۶۱	حدیث نمبر﴿۲۰۴۳﴾سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیتوں کی برکت...........	۲۴۵
۳۶۲	حدیث نمبر﴿۲۰۴۴﴾قرآن کا دل	۲۴۶
۳۶۳	حدیث نمبر﴿۲۰۴۵﴾سورۂ طٰہٰ اور یٰسٓ کی فضیلت	۲۴۷
۳۶۴	حدیث نمبر﴿۲۰۴۶﴾حٰمٓ الدخان کی فضیلت............................	۲۴۸
۳۶۵	حدیث نمبر﴿۲۰۴۷﴾حٰمٓ الدخان کی برکت	۲۴۹
۳۶۶	حدیث نمبر﴿۲۰۴۸﴾مسبحات کی فضیلت	۲۵۰
۳۶۶	فائدہ...	۲۵۱
۳۶۷	حدیث نمبر﴿۲۰۴۹﴾سورۂ ملک کی فضیلت	۲۵۲
۳۶۸	حدیث نمبر﴿۲۰۵۰﴾سورۂ ملک کی برکت	۲۵۳
۳۶۹	فائدہ...	۲۵۴
۳۷۰	حدیث نمبر﴿۲۰۵۱﴾سونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وظیفہ	۲۵۵
۳۷۱	حدیث نمبر﴿۲۰۵۲﴾سورۂ زلزال، اخلاص اور کافرون کی فضیلت	۲۵۶
۳۷۳	حدیث نمبر﴿۲۰۵۳﴾سورۂ حشر کی آخری تین آیتوں کی فضیلت	۲۵۷
۳۷۴	حدیث نمبر﴿۲۰۵۴﴾دوسو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے کی فضیلت	۲۵۸

Jild-12

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	بَابٌ	
	﴿الفصل الاوّل﴾	
۲۹۶	حدیث نمبر﴿۲۰۸۳﴾قرآن کریم کی خبر گیری	۴۲۷
۲۹۷	حدیث نمبر﴿۲۰۸۴﴾قرآن کریم کے بارے میں ایک ادب	۴۲۸
۲۹۸	حدیث نمبر﴿۲۰۸۵﴾صاحب قرآن کی مثال	۴۳۰
۲۹۹	حدیث نمبر﴿۲۰۸۶﴾دل لگنے تک قرآن پڑھے	〃
۳۰۰	حدیث نمبر﴿۲۰۸۷﴾آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت	۴۳۱
۳۰۱	حدیث نمبر﴿۲۰۸۸﴾اللہ کے نزدیک پسندیدہ آواز	۴۳۲
۳۰۲	حدیث نمبر﴿۲۰۸۹﴾قرآن کریم کو حسن صوت سے پڑھنا چاہئے	۴۳۳
۳۰۳	حدیث نمبر﴿۲۰۹۰﴾قرآن کریم اور خوش الحانی	۴۳۴
۳۰۴	حدیث نمبر﴿۲۰۹۱﴾قرآن کریم کا سننا	۴۳۶
۳۰۵	فوائد	۴۳۸
۳۰۶	حدیث نمبر﴿۲۰۹۲﴾حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی سعادت	۴۳۹
۳۰۷	حدیث نمبر﴿۲۰۹۳﴾دارالحرب قرآن نہ لے جائے	۴۴۰
	﴿الفصل الثانی﴾	
۳۰۸	حدیث نمبر﴿۲۰۹۴﴾غرباء مہاجرین کو بشارت	۴۴۲
۳۰۹	فائدہ	۴۴۵
۳۱۰	حدیث نمبر﴿۲۰۹۵﴾حسن صوت سے قرآن پڑھنے کا حکم	۴۴۵
۳۱۱	اشکال مع جواب	۴۴۶

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

باب تنزیہ الصوم

(روزے کو پاک صاف رکھنے کا بیان)

رقم الحدیث: ۱۹۰۲/تا ۱۹۲۱/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

باب تنزیہ الصوم

(روزے کو پاک صاف رکھنے کا بیان)

تَنۡزِیہ کے معنی ہیں: دور رکھنا، پرہیز کرنا، اپنے آپ کو گناہوں سے پاک صاف رکھنا۔ اور "تنزیہ الصوم" کا مطلب ہے روزہ دار کا ان باتوں سے دور رہنا اور ان چیزوں سے پرہیز کرنا جس سے روزے پر کسی طرح کا منفی اثر پڑتا ہو، روزے میں کوئی نقص اور خرابی آتی ہو، پس اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کن چیزوں سے روزہ جاتا رہتا ہے؟ (ٹوٹ جاتا ہے۔) کن چیزوں سے روزہ کا ثواب باطل (ضائع) ہو جاتا ہے؟ اور کن چیزوں سے روزہ کا ثواب کم ہو جاتا ہے؟

اس باب میں نقل ہونے والی احادیث کے تحت اگرچہ روزے کے بعض مفسدات وغیرہ کا ذکر متفرق طور پر آئے گا، تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہم مسائل (حنفی مسلک کے مطابق) تفصیل کے ساتھ یہاں یکجا بیان کر دیئے جائیں۔ یہ مسائل امداد الفتاح شرح نور الایضاح سے ماخوذ ہیں، جو عرب و عجم کے علمائے احناف کے نزدیک معتبر ہے۔ اور بعض مسائل درِ مختار وغیرہ سے بھی لئے گئے ہیں۔

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(۱)......روزہ دار نے اگر بھول سے کھا لیا یا پی لیا یا جماع کر لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس مسئلہ میں جماع

کے متعلق تفصیل یہ ہے:

کہ روزہ دار نے بھول سے جماع شروع کر دیا پھر اس کو روزہ یاد آ گیا، اور یاد آتے ہی اس نے اگر فی الفور عضو تناسل باہر نکال لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر نہ نکالا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس روزے کی صرف قضا لازم آئے گی، کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اور بعض فقہا کہتے ہیں کہ یہ (صرف قضا کا لازم آنا اور کفارہ کا لازم نہ ہونا) اس صورت میں ہے جب اس نے یاد آنے کے بعد اپنے بدن کو ایسی حرکت نہ دی ہو جس سے کہ انزال ہو جائے، اگر یاد آنے کے بعد اپنے بدن کو ایسی حرکت دے گا تو کفارہ بھی لازم ہو جائیگا، جیسا کہ یاد آتے ہی عضو تناسل باہر نکالنے کے بعد اگر پھر داخل کرے گا (اور خواہ اپنے بدن کو حرکت دے یا حرکت نہ دے) تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں جب کسی نے صبح صادق سے پہلے قصداً جماع شروع کر دیا ہو اور اسی دوران صبح صادق طلوع ہو گئی ہو تو اسی وقت (فی الفور) عضو تناسل کو باہر نکال لینا لازم ہوگا۔ اگر اس نے صبح صادق طلوع ہوتے ہی فوراً باہر نکال لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اگرچہ باہر نکالنے کے بعد اس کو انزال بھی ہو گیا ہو، اور اگر فوراً باہر نہیں نکالے گا صرف ٹھہرا رہے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور قضا لازم آئے گی، کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

لیکن نہ نکالنے کے ساتھ اس نے بدن کو حرکت بھی دی جس سے کہ انزال ہو گیا تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا۔ اور کھانے کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ کسی نے بھول سے کھانا شروع کر دیا، پھر خود اس کو یاد آ گیا یا کسی نے یاد دلا دیا اور اس نے اسی لمحہ (فوراً) لقمہ اپنے منہ سے پھینک دیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور یاد دلانے کا مسئلہ یہ ہے کہ بھول کر کھانے پینے والا اگر قوی ہو یعنی کسی دکھ اور تکلیف کے بغیر غروب آفتاب تک روزہ پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو دیکھنے والے کو چاہئے کہ اس کو روزہ یاد دلا دے،

اور یاد نہ دلانا مکروہ ہے۔ اور دیکھنے والا اگر بھول کر کھانے یا پینے والے کو اس کا روزہ یاد دلائے، مگر اس کو اپنا روزہ یاد نہ آئے اور پھر (یاد دلانے کے باوجود) اس نے کھایا یا پیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا لازم آئے گی (کفارہ واجب نہیں ہوگا) اور بھول کر کھانے یا پینے والا اگر قوی نہ ہو تو دیکھنے والے کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ اس کو یاد نہ دلائے۔

(۲)......عورت کی شرمگاہ پر نظر پڑنے سے انزال ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ چوپایہ (جانور کے ساتھ برا فعل کرنے سے انزال ہو جانے پر روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلافی اقوال ہیں، بعض فقہا کہتے ہیں کہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور بعض فقہا کہتے ہیں کہ نہیں ٹوٹتا۔ تاہم انزال نہ ہو تو بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح کسی عورت کا دھیان کرنے سے اگر انزال ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ جلق لگانے (ہتھرس کرنے) سے اگر انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور صرف قضا لازم آتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ اور جاننا چاہئے کہ یہ فعل (ہتھرس کر کے منی نکالنا) رمضان اور روزے کی حالت کے علاوہ بھی حلال نہیں ہے، جب کہ قضائے شہوت کے قصد سے ہو، ہاں تسکین شہوت کے ارادے سے ہو تو امید ہے کہ اس پر مواخذہ نہ ہو۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ جو شخص محض لذت اٹھانے اور مزہ لینے کے لئے یہ فعل کرے تو قطعاً حلال نہیں، اور اگر کوئی شخص غلبۂ شہوت سے اس درجہ بے قرار ہو کہ اس طرح منی نہ نکالنے میں زنا کا خوف رکھتا ہو تو وہ اگر اس فعل کا ارتکاب کرلے تو امید ہے کہ گنہگار نہ ہوگا لیکن اس پر مداومت کرے گا تو بیشک گنہگار ہوگا۔

(۳)......دو عورتیں اگر جان بوجھ کر آپس میں بدفعلی کریں (فرج سے فرج لڑائیں جس کو چپٹی کھیلنا کہتے ہیں) اور منی نہ نکلے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر منی خارج ہو جائے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۴)......سر یا بدن پر تیل لگانے ملنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ مسامات کے راستہ سے جو چیز داخل

ہوتی ہے وہ روزے کے منافی نہیں، جیسے نہاتے وقت پانی کی ٹھنڈک بدن کے اندر تک پہنچتی ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۵)......سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ اس کا مزہ حلق میں، یا اس کا رنگ تھوک یا رینٹ (بلغم) میں پایا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رمضان میں روزے کی حالت میں سرمہ لگایا، اسی طرح کوئی روزہ دار دودھ یا دوا تیل کے ساتھ اگر آنکھ میں ڈالے، پھر اس کا مزہ یا تلخی حلق میں پائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۶)......ڈورے میں بندھی ہوئی کوئی چیز جیسے روٹی کا ٹکڑا وغیرہ اگر کوئی نگل گیا اور وہ ڈورا اس کے ہاتھ میں ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ وہ چیز ڈورے سے کھل کر پیٹ میں نہ گر پڑے، جب ڈورے سے کھل کر پیٹ میں گر پڑے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی طرح کسی نے کوئی لکڑی یا اس جیسی کوئی چیز اپنے حلق میں داخل کرلی اور اس (لکڑی وغیرہ) کا ایک سرا اس کے ہاتھ میں ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۷)......کسی مرد نے اپنی انگلی اپنی مقعد کے اندر داخل کرلی یا عورت نے اپنی انگلی اپنی شرمگاہ میں داخل کرلی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ انگلی خشک ہو، انگلی اگر تیل یا پانی سے تر ہوگی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۸)......سینگی سے روزہ نہیں ٹوٹتا، نہ غیبت سے ٹوٹتا ہے، البتہ ثواب جاتا رہتا ہے، اس کی کچھ اور وضاحت آگے آئے گی۔

(۹)......کسی نے روزہ توڑ دینے کا ارادہ کیا مگر توڑا نہیں تو صرف اس ارادے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱۰)......دھواں کسی کے حلق میں اگر اس کے فعل کے بغیر داخل ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں، اگر کوئی منہ بند بھی کرلے گا تو دھواں ناک کے راستہ

سے اندر جائے گا، یہ ایسا ہے جیسا کہ کلی کے بعد پانی کی اس تری کا جو منہ میں باقی رہ جاتی ہے (اس تری کے حلق میں جانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا) اور اس مسئلہ میں اس کے فعل کے بغیر کی قید اس وجہ سے ہے کہ جو کوئی دھویں کو حلق میں قصداً داخل کرے گا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، دھواں خواہ عنبر وعود کا ہو یا کسی اور چیز کا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کوئی روزہ دار اگر خوشبوئی (عود وغیرہ) آگ میں ڈال کر اس کا دھواں اپنی طرف لے گا اور اس دھویں کو سونگھے گا جب کہ اس کو اپنا روزہ یاد بھی ہو تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے۔ اس مسئلہ سے اکثر لوگ غافل ہیں، اس کا علم میں رہنا ضروری ہے۔ اور کسی کو اس وہم میں نہ رہنا چاہئے کہ یہ (دھونی لینا اور اس کو سونگھنا) ایسا ہے جیسے گلاب وغیرہ کے پھول یا مشک وغیرہ کے عطر کا سونگھنا، کیونکہ محض خوشبو میں اور دھویں کے جوہر میں جو آدمی کے اندر اس کے فعل سے پہنچے بڑا فرق ہے، اور وہ ظاہر ہے۔ اسی طرح حقہ اور سگریٹ بیڑی وغیرہ کے دھویں سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ ایک تو دھواں قصداً کھینچا جاتا ہے، اور دوسرے اس سے تسکین حاصل کی جاتی ہے، اور بطور دوا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ (واضح رہے کہ تمباکو نوشی (حقہ اور سگریٹ بیڑی وغیرہ پینا) ان مفسدات صوم میں سے ہے جن کے ذریعہ روزہ توڑنے والے پر قضاء کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔)

(۱۱)...... پسینے یا آنسو کے قطرے اگر آدمی کے حلق میں چلے جائیں اور بہت تھوڑے ہوں تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اگر اس قدر چلے گئے کہ ان کی نمکینی حلق میں معلوم ہو تو روزہ جاتا رہے گا۔

(۱۲)......غبار یا چکی پیستے ہوئے آٹے کے اجزاء یا مکھی، یا دوا کوٹتے ہوئے یا پڑیا باندھتے ہوئے دواؤں میں سے کچھ اُڑ کر حلق میں چلا جائے تو روزہ نہیں جاتا، کیونکہ ان چیزوں سے احتراز ممکن نہیں۔

(۱۳)......خوشبو سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا۔

(۱۴)......روزہ دار اگر جنابت (صحبت کرنے یا احتلام کی ناپاکی) کی حالت میں صبح کو اٹھا تو اس کا روزہ نہیں جائے گا، اگر چہ تمام دن یا کئی دن تک وہ اسی حالت میں رہے، لیکن نجس (ناپاک) رہنے اور نماز وغیرہ نہ پڑھنے کی وجہ سے روزے کے ثواب سے وہ محروم رہے گا۔ اور سخت گنہگار ہوگا۔

(۱۵)......کسی مرد نے اپنے ذکر (عضو مخصوص) کے سوراخ میں دوا، یا پانی، یا تیل ڈالا اگر چہ وہ مثانے میں پہنچ گیا تو اس سے روزہ نہیں جاتا، کیونکہ مثانے میں سے گذر کر آگے پیٹ کے اندر تک اس (پانی یا تیل وغیرہ) کے جانے کا راستہ نہیں ہے۔ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ (اور یہی زیادہ صحیح ہے) جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ جاتا رہے گا۔ پھر وہ پانی یا دوا یا تیل (مثانے میں نہ پہنچے بلکہ) ذکر کی ڈنڈی میں رہے تو تینوں کے نزدیک روزہ نہیں جاتا۔ اور جیسا کہ درمختار میں ہے، پانی یا دوا یا تیل عورت کی اندام نہانی میں ڈالنے سے اس عورت کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، عورت کے حق میں یہ مسئلہ حقنے کے مسئلہ کی طرح ہے۔

(۱۶)......کوئی روزہ دار پانی میں بیٹھا، (یا غوطہ لگایا) اور پانی اس کے کان میں چلا جائے، یا کسی روزہ دار نے تنکے سے کان کھجایا، اور اس پر میل نکلا، پھر اس نے اسی تنکے کو کان میں ڈالا، تو اگر چہ وہ کئی بار ایسا کرے اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱۷)......کسی کی رینٹ دماغ سے گر کر ناک میں آجائے پھر وہ اس کو اوپر دماغ میں چڑھائے یا اس کو (حلق کے نیچے) نگل جائے تو اس سے روزہ نہیں جاتا۔

(۱۸)......کسی کے منہ سے تھوک (لعاب) نکلا اور وہ منقطع نہیں ہوا بلکہ تار کی طرح لٹک کر ذقن (تھوڑی) تک آ گیا، اور وہ اس لعاب کو پھر اوپر کھینچ کر نگل گیا تو روزہ نہیں جائے گا لیکن وہ لعاب اگر منقطع ہوگیا اور پھر اسکو منہ میں ڈال لیا تو روزہ جاتا رہیگا۔

(۱۹)......منہ بھر بلغم نگل جانے سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کہتے ہیں کہ منہ میں آنے والے بلغم وغیرہ کو تھوک کر باہر پھینک دینا چاہئے تاکہ روزہ نہ ٹوٹے، ان کا فرمانا ہے کہ بلغم وغیرہ جب اپنی جگہ (دماغ یا سینے) سے نکل کر منہ میں آ پہنچا تو اس کا منہ سے تھوک کر باہر پھینکنا ہی بہتر ہے۔ اب روزہ دار اس کو منہ سے نکال پھینکنے پر قادر ہونے کے باوجود اس کو نہ نکال پھینکے بلکہ نگل جائے تو اس کا روزہ جاتا رہے گا۔

(۲۰)......قے اگر خود بخود آئی اور منہ سے باہر نکل گئی حلق میں واپس نہیں گئی اور وہ قے خواہ منہ بھر کر آئی یا کم، تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا جب قے منہ میں آئی اور (اس آدمی کے عمل دخل کے بغیر) از خود لوٹ کر حلق کے نیچے چلی گئی، گو منہ بھر کر ہی کیوں نہ ہو، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس دوسری صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اس صورت میں کہ قے خود بخود آئی اور کسی نے اپنے اختیار و فعل سے اس کو اندر لوٹا لیا، (حلق کے نیچے نگل لیا) اور وہ قے منہ بھر کر ہو تو سب کے نزدیک اس کا روزہ جاتا رہے گا لیکن کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ (صرف قضا واجب ہوگی) اور وہ قے اگر منہ بھر کر نہ ہوگی تو قول مختار یہ ہے کہ اس کے نگلنے سے روزہ نہیں جائے گا۔ یہ مسئلہ تو اس قے کا ہوا جو خود بخود آئے، اور اگر کسی روزہ دار نے قصداً قے کی تو قے کے منہ بھر ہونے کی صورت میں سب کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر قے منہ بھر نہیں کی اس سے کم کی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اور صحیح یہی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منہ بھر سے کم قے قصداً کرنے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، اور یہ ظاہر الروایۃ ہے، پھر منہ بھر سے کم کی جانے والی قے اگر خود بخود لوٹ کر حلق کے نیچے اتر جائے تو روزہ نہیں جاتا، اور اگر اس کو قصداً نگل لیا جائے تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی روزہ نہیں جاتا۔

(۲۱)......رات کے کھانے میں سے کوئی چیز (گوشت وغیرہ) اگر دانتوں میں الجھ کر رہ گئی تھی اور روزہ دار

نے دن میں اس کو دانتوں سے چھڑا کر (منہ سے باہر نکالے بغیر) نگل لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا جب کہ وہ چیز چنے کی مقدار سے کم ہو، اگر چنے کے برابر یا اس سے زیادہ مقدار میں ہوگی (یا چنے سے کم مقدار کی صورت میں بھی اس کو دانتوں سے چھڑا کر اگر منہ سے باہر نکالا ہوگا پھر نگلا ہوگا) تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

(۲۲)......کسی روزہ دار کے دانتوں (مسوڑھوں) سے خون نکلا اور وہ اس کے حلق میں چلا گیا، مگر اس کے پیٹ میں نہیں پہنچا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر وہ خون تھوک کے ساتھ مل کر پیٹ میں بھی پہنچ گیا اور خون تھوک پر غالب تھا یا خون اور تھوک دونوں برابر تھے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر تھوک کے ساتھ ملا ہوا خون تھوک سے کم ہوگا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، جب کہ خون کا مزہ حلق میں نہ پایا جائے، اور اگر خون کا مزہ پایا گیا تو خون کی مقدار تھوک کی مقدار سے کم ہونے کی صورت میں بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۲۳)......کسی روزہ دار نے تل کے برابر بھی کھانے کی کوئی چیز باہر سے منہ میں ڈال کر چبائی، مگر اس کو اس طرح چبایا کہ اس کے سارے اجزاء منہ کے حصوں میں پھیل اور چمٹ کر رہ گئے، اور اس کا مزہ بھی حلق میں محسوس نہیں ہوا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر اس چیز کے سارے اجزاء منہ کے حصوں میں پھیلے اور چمٹے نہیں، اور اس کا مزہ حلق میں محسوس ہوا، یا اس چیز کو چبائے بغیر ثابت نگل لیا اگرچہ اس کا مزہ حلق میں محسوس نہ ہوا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، بلکہ وہ چیز اگر ان چیزوں میں سے ہوگی جس کو کھانے یا نگل لینے سے کفارہ واجب ہوتا ہے تو کفارہ بھی واجب ہوگا۔

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وہ دو طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ جن سے روزہ ٹوٹ جانے پر صرف قضا لازم آتی ہے۔ اور دوسری وہ جن سے روزہ ٹوٹ جانے پر قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔ جن چیزوں سے صرف قضا لازم آتی ہے ان کا ذکر آگے آئے گا، یہاں ان چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن

سے قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔ مگر ان چیزوں کو جاننے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ کفارہ کا لازم آنا کن شرائط کے ساتھ مقید ہے:

(۱)......مکلف یعنی عاقل و بالغ ہونا۔

(۲)......روزہ رمضان کا ہو اور رمضان ہی میں ادا کی نیت سے رکھا گیا ہو۔ قضا میں کفارہ نہیں ہے۔

(۳)......نیت کا صبح صادق سے پہلے کئے ہوئے ہونا، جس روزے کی نیت صبح صادق نمودار ہونے کے بعد کی گئی ہوگی اس کے توڑنے پر کفارہ لازم نہیں آئے گا۔

(۴)......روزہ توڑنے کے بعد کسی ایسی بات کا پیش نہ آنا جس کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے، جیسے بیماری یا حیض ونفاس۔ اگر روزہ توڑنے کے بعد ان میں سے کوئی بات پیش آ جائے گی تو کفارہ لازم نہیں آئے گا۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(۵)......روزہ توڑنے سے پہلے کسی ایسی بات کا پیش نہ آنا جو کفارہ کو ساقط کرنے والی ہو، مثلاً سفر، کہ اگر سفر میں روزہ توڑا جائے گا تو کفارہ نہیں آئے گا، اور اگر روزہ توڑنے کے بعد سفر کرے گا تو کفارہ ساقط نہیں ہوگا۔

(۶)......روزہ توڑنے والا کام کرنے میں کسی جبر اور دباؤ کا نہ ہونا، جبر اور دباؤ کی حالت میں کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

(۷)......روزہ توڑنے والے کام کا قصداً (جان بوجھ کر) کرنا۔ بھول چوک کر اس کام کے کر لینے کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

(۸)......مضطر نہ ہونا۔ مضطر پر کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

پس جب اتنی شرائط پائی جائیں گی اور روزہ کو توڑنے اور کفارہ کو واجب کرنے والی چیزوں میں سے کوئی چیز بالقصد واقع ہوگی تب کفارہ واجب ہوگا۔ اس کے بعد جاننا چاہئے کہ وہ چیزیں کون سی ہیں جن میں سے کسی بھی ایک چیز کے ذریعہ روزہ توڑنے والے پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے۔ تو وہ چیزیں یہ ہیں:

(١)......جماع کرنا یا کرانا۔(لواطت بھی اسی حکم میں ہے)اور قضا کے ساتھ کفارہ بھی فاعل ومفعول دونوں پر لازم ہوتا ہے۔(امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جماع میں کفارہ مرد اور عورت دونوں پر واجب ہوتا ہے، جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف مرد پر واجب ہوتا ہے، عورت پر نہیں۔(اوجز)

(٢)......کھانا پینا، اور کھانے پینے والی چیز خواہ "غذا" کی ہو یا دوا کی۔

آگے اس میں علما کے اختلافی اقوال ہیں کہ اس مسئلہ میں غذا کی چیز کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز غذا کی چیز ہے کہ طبیعت اس کی خواہش کرے یا اس کے ذریعے پیٹ کی خواہش پوری ہو، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز غذا کی چیز ہے جس کے کھانے پینے سے بدن کی اصلاح (درستی) ہو۔ اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہر وہ چیز غذا کی چیز ہے جو عادتاً کھانے پینے میں استعمال ہوتی ہے۔

بہر حال کھانے پینے کی جو بھی چیز تھوڑی یا بہت (یہاں تک کہ تل کے برابر بھی) اگر جان بوجھ کر منہ کے ذریعہ سے حلق کے نیچے (جوف یعنی پیٹ میں) پہنچائی جائے گی تو روزہ جاتا رہے گا، اور قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا۔

اس سے یہ بات نکلی کہ اگر کوئی روزہ دار بارش کا پانی یا اولہ یا برف جان بوجھ کر (قصداً) اپنے منہ میں لے کر نگل گیا یا کچا گوشت کھالیا اگرچہ مردار کا ہو، یا چربی کھالی یا خشک کیا ہوا گوشت کھالیا، یا گیہوں کے دانے کھالئے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور کفارہ بھی لازم ہوگا۔ ہاں گیہوں کا اگر ایک آدھ دانا چبالیا اور وہ منہ کے حصوں میں پھیل جائے تو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کسی روزہ دار نے اگر اپنی بیوی یا اپنے محبوب کا لعاب (تھوک) اپنے منہ میں لے کر نگل لیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور کفارہ بھی لازم ہوگا کیونکہ اس میں خواہش طبع کا دخل پایا جاتا ہے۔ البتہ (بیوی یا محبوب کے علاوہ) کسی دوسرے کا لعاب اپنے منہ میں لے کر نگلنے کی صورت میں کفارہ لازم نہیں ہوتا۔ روزہ ضرور ٹوٹ جاتا ہے، اور صرف قضا لازم ہوتی ہے۔ اور نمک تھوڑا سا کھانے کی صورت میں تو کفارہ لازم ہوتا ہے، زیادہ مقدار میں کھانے سے کفارہ

لازم نہیں ہوتا (کیونکہ نمک عادتاً تھوڑا سا ہی کھایا جاتا ہے، زیادہ مقدار میں نہیں کھایا جاتا) یہ تو قول مختار ہے،لیکن بعض فقہی کتابوں میں قول مختار اس کو لکھا ہے کہ مطلق نمک کھانے سے کفارہ لازم ہوتا ہے،خواہ تھوڑا سا ہو یا زیادہ۔ جو کوئی بغیر بھنے ہوئے جَو کھالے گا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ عادتاً کچے جو نہیں کھائے جاتے، اور یہ حکم خشک جو کا ہے، اگر تازی بالی میں سے نکال کر کوئی کھائے گا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ گِل اَرمنی (ایک قسم کی سرخ مائل بہ سیاہی مٹی جس کا استعمال اطباء بعض امراض میں کراتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ملک آرمینیا میں طاعون جیسے وبائی اور متعدی مرض سے بچنے کیلئے لوگ اس مٹی کو کھالیا کرتے تھے) کھانے سے کفارہ لازم ہوتا ہے۔خواہ اس کے کھانے کی عادت ہو یا نہ ہو، کیونکہ اس کا استعمال دوا کے طور پر ہوتا ہے،لہٰذا جو روزہ دار گل ارمنی کھالے گا اس کا روزہ بالکل ٹوٹ جائے گا اور اس پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہو جائے گا۔گل ارمنی کے علاوہ اور مٹی جیسے ملتانی مٹی وغیرہ کھانے سے کفارہ اسی صورت میں لازم ہوتا ہے جب اس کے کھانے کی عادت ہو۔

(۳)......کوئی ایسا فعل کرنے کے بعد کہ جس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا مگر اپنے خیال میں یہ سمجھ کر کہ روزہ فاسد ہوگیا،قصداً کھا پی کر روزہ توڑ ڈالنے سے کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔مثلاً روزہ دار نے کسی کی غیبت (پیٹھ پیچھے برائی) کی،اور اگرچہ غیبت سے روزہ نہیں ٹوٹتا (جیسا کہ پیچھے گذرا) مگر اس نے اس گمان پر کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے قصداً کھا پی لیا اور اپنا روزہ توڑ ڈالا تو قضا کے ساتھ اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا،خواہ اس نے متعلقہ حدیث سنی پڑھی ہو یا نہ سنی پڑھی ہو،خواہ اس نے اس حدیث کی تاویل جانی ہو یا نہ جانی ہو،اور خواہ کسی عالم و مفتی نے غیبت کا مفسدِ صوم ہونا اس کو بتایا ہو یا نہ بتایا ہو،اور یہ حکم اس بنا پر ہے کہ غیبت کا مفسدِ صوم ہونا قیاس کے خلاف ہے۔رہی بات اس متعلقہ حدیث کی کہ "الغیبۃ تفطر الصیام" [غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔] تو اس حدیث کی تاویل کی گئی ہے،علما کا اس پر اجماع ہے کہ اس کے ظاہری معنی (روزہ کا واقعۃً ٹوٹ جانا) مراد نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ غیبت سے روزہ کا ثواب جاتا رہتا ہے، یا کم ہوجاتا ہے۔ (غیبت سے روزہ ٹوٹ جانے کی جو بھی حدیثیں نقل ہوئی ہیں ان میں کوئی صحیح نہیں ہے جیسا

کہ فتح القدیر میں لکھا ہے۔) غیبت کرنے کے بعد (یہ سمجھ کرکہ روزہ جاتارہا) قصداً کھاپی کر روزہ توڑ ڈالنے کامذکورہ مسئلہ اکثرفقہاء نے اسی طرح لکھاہے،لیکن ملتقیٰ اوربحرالرائق میں اس مسئلہ کوسینگی کے مسئلہ کی طرح بیان کیا گیاہے،اورسینگی (پچھنالگانے یالگوانے) کامسئلہ یہ ہے کہ سینگی سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔(پیچھے اس کوبھی بتایاجاچکاہے)لیکن ایک حدیث میں آیاہے کہ ”اَفطَرَ الْحَاجِمُ وَ الْمَحْجُوْمُ“[پچھنالگانے والے اورجس کولگایاگیا،دونوں کاروزہ ٹوٹ جاتا ہے۔]اس حدیث شریف کی بھی تاویل کی گئی ہے۔(اورجمہورعلمابشمول حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ اس کے ظاہری معنی مرادنہیں ہیں،بلکہ مرادیہ ہے کہ پچھنالگوانے سے روزہ دارکوکمزوری لاحق ہوجائے گی،جوروزہ کوپورا کرنے سے معذورکردے گی،اوراس کومجبوراروزہ افطارکرنا پڑے گا،اوراگراس نے کمزوری کے عذرکے باوجودروزہ افطارنہ کیاتب بھی روزہ مکروہ ہوجاتا ہے،جس کانتیجہ یہ ہوتاہے کہ روزہ کاثواب اس کونہیں ملتا،اورجب ثواب نہ ملاتوروزہ کارکھنااورنہ رکھنابرابرہے،توگویااس نے روزہ افطارکرلیا،یعنی فاسدکرڈالا۔(علم الفقہ)اورپچھنالگانے والے کے بارے میں احتمال ہوتاہے کہ خون کاکوئی قطرہ اس کے حلق کے نیچے اترگیاہو،اس بناپر اس کاروزہ بھی مکروہ ہوجاتاہے۔یعنی روزہ کاثواب اس کونہیں ملتا،اورجب روزہ کاثواب ہی نہیں ملاتوگویااس نے روزہ افطارکرلیا۔اس تاویل کے مدنظرفقہاء کہتے ہیں کہ سینگی سے روزہ نہیں جاتا،ہاں روزے کاثواب جاتارہتاہے۔پس کسی روزہ دارنے سینگی کے بعدیہ سمجھ کرکہ روزہ فاسدہوگیا،اگرقصداً کھاپی کرروزہ توڑڈالا توقضاکے ساتھ کفارہ بھی اس پرلازم ہوگا،جب کہ کسی معتمدعالم ومفتی نے اس کویہ فتویٰ دیاہو(کہ سینگی سے روزہ فاسدہوجاتاہے)اگرچہ وہ فتویٰ مبنی بر خطاہوگا،یاخوداس(روزہ دار)نے مذکورہ حدیث سنی یاپڑھی ہو،اوراس کی تاویل کوبھی وہ جانتا ہو،اوراگروہ اس تاویل کونہ جانتاہوتوپھرکفارہ لازم نہیں ہوگا،صرف قضالازم ہوگی،سینگی کایہ مسئلہ غیبت کے مسئلہ سے قدرے مختلف اس بناپرہے کہ غیبت سے متعلق حدیث کی تاویل پراجماع ہے،اورسینگی سے متعلق حدیث کی تاویل پراجماع نہیں ہے،بلکہ بعضوں نے اس کواس کے

ظاہری معنی ہی پر رکھا ہے۔(اس کی تحقیق آگے ایک حدیث شریف کے تحت آئے گی۔)اسی طرح کسی روزہ دار نے اگر شہوت کے ساتھ بوسہ لے لیا، یا شہوت کے ساتھ عورت کو چھوا ہاتھ لگایا، یا اس کے ساتھ ہم آغوش یا ہم خواب ہوا، یا مباشرت فاحشہ کی مگر نہ تو دخول کیا نہ انزال ہوا، یا سرمہ لگایا، یا چوپایہ (جانور) سے بدفعلی کی بغیر انزال کے، یا اپنی دبر (مقعد) میں خشک انگلی داخل کی، اور ان میں سے کوئی بھی کام کرنے کے بعد اس کو روزہ ٹوٹ جانے کا گمان ہوگیا اور اس گمان کے تحت اس نے کچھ کھا پی کر روزہ توڑ دیا تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی اس پر لازم ہوگا، جب کہ کسی معتمد عالم و مفتی نے اس کو فتویٰ دیا ہو کہ اس چیز سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کا فتویٰ مبنی برخطا ہے۔

اور اگر روزہ دار نے سر پر تیل ملا پھر اس گمان پر کہ اس سے روزہ فاسد ہوگیا، اس نے قصداً کھا پی لیا تو اس کا حکم وہی ہے جو غیبت کے بعد قصداً کھا پی لینے کا اوپر بیان ہوا۔

مسئلہ: ایک عورت نے روزہ کی حالت میں ایسے روزہ دار مرد سے بخوشی صحبت کرائی جس پر صحبت کرنے کے لئے کسی کا جبر اور دباؤ تھا تو کفارہ اسی عورت پر لازم ہوگا، مرد پر لازم نہیں ہوگا۔

مسئلہ: ایک عورت نے صبح صادق کا طلوع ہونا جان لیا مگر اپنے خاوند سے اس کو چھپایا، یہاں تک کہ خاوند نے صحبت کر لی اور اس کو صبح صادق کا طلوع ہونا معلوم نہیں تھا تو کفارہ عورت پر لازم ہوگا مرد پر نہیں۔

وہ چیزیں جن سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔

(۱)......ایک عورت نے جان بوجھ کر (قصداً) کھا پی لیا یا برضا و رغبت صحبت کرا لی اور روزہ توڑ ڈالا پھر اسی دن اس کو حیض یا نفاس آ گیا تو کفارہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

(۲)......ایک روزہ دار نے (مثلاً جان بوجھ کر کچھ کھا پی لینے کی صورت میں) اپنا روزہ توڑ ڈالا، پھر وہ اسی دن بیمار ہوگیا، تو کفارہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، بشرطیکہ اس کا بیمار ہونا اس نوعیت

کا ہو جس کی وجہ سے روزہ توڑ دینا جائز ہو جاتا ہے، اور یہ کہ وہ بیماری طبعی وقدرتی ہو یعنی اس کے عمل دخل کے بغیر خود بخود لاحق ہوئی ہو، اور یہ بیماری کے خود بخود لاحق ہونے کی شرط اس بنا پر ہے کہ فرض کیجئے ایک روزہ دار نے قصداً کھا پی کر روزہ توڑ دینے کے بعد اپنے کو زخمی کرلیا اور اس کی وجہ سے ایسا مجروح و بیمار ہوگیا کہ روزہ نہیں رکھ سکتا، یا اپنے آپ کو چھت سے یا کسی بھی بلند جگہ (مثلاً پہاڑی) سے نیچے گرالیا تو اس بارے میں مشائخ فقہاء کے اختلافی اقوال ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی کفارہ ساقط ہو جاتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ساقط نہیں ہوتا۔ کمالؒ نے اسی کو قولِ مختار کہا ہے۔

مسئلہ: جمع العلوم میں لکھا ہے کہ کسی روزہ دار نے بہت زیادہ چلنے، یا کوئی محنت کا کام کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو مشقت وتکلیف میں ڈالا یہاں تک کہ اس کو سخت پیاس لگی اور اس نے پانی پی کر روزہ توڑ ڈالا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا، اور بعضوں نے کہا ہے کہ کفارہ لازم نہیں ہوگا، صرف قضا لازم ہوگی، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے، بقالیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

کفارہ کا مطلب

'کفارہ' کے لغوی معنی 'چھپانے' کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں اس کا مطلب ہوتا ہے: وہ چیز یا وہ عمل جو کسی گناہ کو ڈھانکنے اور مٹانے کے لئے صدقہ کی جائے یا جس کو انجام دیا جائے۔ ادائے رمضان کا روزہ بلا عذر شرعی توڑ دینا ایسا گناہ ہے جس سے رمضان کی حرمت پر حرف آتا ہے، اس گناہ کو ڈھانکنے اور مٹانے کے لئے شریعت نے جو صورت متعین کی ہے اس کو کفارۂ صوم یعنی روزہ کا کفارہ کہا جاتا ہے۔

کفارۂ صوم کی صورتیں

رمضان کے روزے کو قصداً توڑ دینے کا کفارہ ادا کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک غلام آزاد

کرے، اگرچہ وہ (غلام) مسلمان نہ ہو۔ اگر غلام آزاد کرنا ممکن نہ ہو تو دو مہینے کے اس طرح لگاتار روزے رکھے کہ درمیان میں نہ تو دونوں عیدوں کے دن پڑیں اور نہ ایام تشریق (کہ جن میں روزہ رکھنا حرام ہے) پھر اگر بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے لگاتار دو مہینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔

غلام آزاد کرنے کی صورت اب متصور نہیں ہے۔ اس کے ذکر کو چھوڑتے ہوئے باقی دونوں صورتوں سے متعلق جو بنیادی مسائل ہیں ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱)...... دو مہینے کے روزوں کا شروع کرنے کے بعد لگاتار (مسلسل) ہونا اس درجہ ضروری ہے کہ کوئی دن ناغہ نہ ہونے پائے، اگر کوئی دن ناغہ ہو گیا (ایک دن بھی روزہ چھوٹ گیا) اور خواہ کسی عذر شرعی کی وجہ سے چھوٹا ہو یا بلا عذر تو پھر نئے سرے سے شروع کرنا ضروری ہوگا، اور ناغہ سے پہلے جتنے روزے رکھے جا چکے ہوں گے ان کا شمار نہ ہوگا، ہاں اگر کسی عورت کو روزے شروع کرنے کے بعد حیض آ جائے اور اس کی وجہ سے درمیان کے کچھ روزے ناغہ ہو جائیں تو اس کا وہ ناغہ معاف ہوگا، اور حیض کی مدت ختم ہونے کے بعد اس کو آگے اتنے ہی روزے رکھنے ہوں گے جتنے باقی رہ گئے ہیں، البتہ نفاس کی وجہ سے جو ناغہ ہوگا وہ معاف نہیں ہوگا، بلکہ نفاس ختم ہونے کے بعد اس کو نئے سرے سے شروع کرنا ضروری ہوگا۔ (نفاس کا حکم حیض کے حکم سے مختلف اس بنا پر ہے کہ حیض ایسا قدرتی عذر ہے جو دائمی ہے، ہر مہینے پیش آتا ہے، اور نفاس کا عذر ہر مہینے پیش نہیں آتا۔)

(۲)...... ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ضروری ہے، خواہ ان کو ایک ہی دن صبح کو اور شام کو کھلائے، یا دو دن صرف صبح کے وقت کھلائے، یا دو دن صرف شام کے وقت کھلائے، اسی طرح اگر چاہے تو عشاء کے وقت اور سحر کے وقت کھلا دے، لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے وقت جن ساٹھ مسکینوں کو کھلائے دوسرے وقت بھی انہی کو کھلائے، چنانچہ کسی نے پہلے وقت ساٹھ مسکینوں کی ایک جماعت کو کھلایا پھر دوسرے وقت ان کے علاوہ دوسرے ساٹھ مسکینوں کی جماعت کو کھلایا

تو کفایت نہیں کرے گا، بلکہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت کو پھر کھلانا ضروری ہوگا کسی نے اگر ایک ہی فقیر کو دونوں وقت ساٹھ روز تک کھلایا، یا ہر روز نئے فقیر کو ساٹھ روز تک دونوں وقت کھلائے تو کفایت کرے گا۔

(۳)......اگر کسی نے ایک روز ساٹھ فقیروں کا یاان سے کم کا غلہ ایک فقیر کو دیدیا تو وہ سب کے لئے ادا نہیں مانا جائے گا بلکہ ایک ہی کے لئے ادا مانا جائے گا۔

(۴)......کھانا کھلانے میں اگر صرف روٹی کھلائی جائے تو گیہوں کی روٹی کے ساتھ اگر سالن نہ ہو تب بھی کافی ہے، مگر جو کی روٹی کے ساتھ سالن کا ہونا ضروری ہے کیونکہ عام طور پر آدمی جو کی روٹی سخت ہونے کی وجہ سے بغیر سالن کے پیٹ بھر نہیں کھاسکتا، جو کے برعکس گیہوں کی روٹی بغیر سالن کے بھی پیٹ بھر کھائی جاسکتی ہے، ایک مقولہ ہے کہ گیہوں کی روٹی اپنا سالن اپنے اندر رکھتی ہے، اگر کسی نے (اپنے کو بھوکا ظاہر کیا اور اس کو گیہوں کی روٹی دی گئی اور اس نے) اس روٹی کے ساتھ سالن کا مطالبہ کیا تو سمجھو وہ بھوکا نہیں ہے۔

(۵)......کھانا کھلانے میں یہ بھی شرط ہے کہ انہی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے جن میں کوئی بھی پیٹ بھرا نہ ہو، اگر ان میں کوئی پیٹ بھرا ہوگا تو گو وہ (طمع خوری کے طور پر) بھوکے ہی کی طرح کھانا کھائے، مگر اس کے عوض کسی دوسرے کو کھلانا ضروری ہوگا۔

(۶)......اگر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو تو مندرجہ بالا باتوں کا دھیان رکھنا ضروی ہے، ورنہ بہتر یہ ہے کہ ساٹھ میں کے ہر مسکین (فقیر) کو نصف صاع گیہوں یا اس کا آٹا یا اس کا ستو دے، اگر جو یا انگور (کشمش) یا کھجور دینا ہو تو ایک صاع دے، یا گیہوں یا جو وغیرہ کی مذکورہ مقدار کی بازاری قیمت کے بقدر نقد پیسے دے، خواہ ایک ہی وقت میں سب کو دے یا الگ الگ اوقات میں۔

مسئلہ: اگر کسی نے قصداً کھا پی کر یا قصداً جماع کر کے کئی روزے توڑے ہوں گے تو ان سب روزوں کی طرف سے ایک ہی کفارہ کافی ہوگا، بشرطیکہ ان کے درمیان کفارہ نہ دیا ہو۔ مثلا دس روزے

توڑے اور ان کے درمیان کفارہ نہیں دیا ہے تو ان دسوں کیلئے ایک کفارہ کافی ہے، اور اگر ان کے درمیان کفارہ دیا ہے تو باقی کیلئے دوسرا کفارہ دینا ہوگا، اور توڑے ہوئے کئی روزے خواہ ایک ہی رمضان کے ہوں خواہ دو رمضان کے، صحیح قول یہی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے، لیکن کچھ فقہاء کا قول یہ ہے کہ (توڑے گئے کئی روزوں کیلئے ایک ہی کفارہ کا) یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ روزے ایک ہی رمضان کے ہوں، اور اگر کئی رمضان کے ہوں گے تو ہر رمضان کے لئے الگ الگ کفارہ دینا ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیری میں اسی قول کو نقل کیا ہے۔

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا لازم ہوتی ہے کفارہ نہیں

اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ جس میں غذائیت نہ ہو، یا غذائیت ہو اور کوئی عذر شرعی لاحق ہو جائے تو اس چیز کا پیٹ میں یا دماغ میں پہنچنا روزے کو توڑ دیتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو چیز ایسی ہو کہ اس سے شرمگاہ کی شہوت پوری طرح دور نہ ہوتی ہو جیسے جلق لگانا (ہتھرس کرنا) تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

آگے مسائل اس طرح ہیں:

(۱)...... ادائے رمضان میں کسی روزہ دار نے اگر کچے چاول کھالئے یا گوندھا ہوا یا خشک آٹا کھالیا تو اس کا روزہ جاتا رہے گا، اور قضا واجب ہوگی۔ البتہ آٹا اگر اس طور پر گوندھا ہوا یا پانی میں گھولا ہوا ہو کہ اس کے اندر شکر ملی ہوئی ہے تو اس کے کھالینے سے قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔

(۲)...... کسی روزہ دار نے اگر یکبارگی بہت سا نمک کھالیا، یا گل ارمنی کے علاوہ کوئی ایسی مٹی کھائی جو عادتاً کھائی نہیں جاتی، یا گٹھلی یا روئی نگل لی، یا اپنا تھوک نگل لیا جو ریشم وغیرہ کے سبز و زرد وغیرہ رنگ کی آمیزش سے متغیر ہو گیا ہو (مثلاً رنگین دھاگے کو بٹنے کی غرض سے منہ میں لیا، یا کوئی

رنگین کپڑا منہ میں لیا اور اس کا رنگ اتر کر تھوک میں مخلوط ہوگیا اور تھوک کا رنگ بدل گیا) اور اس کو اپنا روزہ یاد بھی ہو، یا کاغذ یا اس طرح کی کوئی اور چیز کھالی جو عام طور پر کھانے کے استعمال میں نہیں آتی، یا کچی ہی یا اس طرح کا کوئی بھی ایسا پھل کھایا جو پختہ ہونے سے پہلے نہیں کھایا جاتا اور اس کو پکا کر یا نمک ملا کر نہ کھایا ہو، یا تازہ اخروٹ کھایا کہ جس میں گودا نہ ہو، یا کنکر یا لوہے یا تانبے یا سونے یا چاندی یا پتھر (جو اگرچہ زمرد وغیرہ ہو) کا کوئی ٹکڑا نگل لیا، تو ان میں سے کسی بھی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔

(۳)......کسی روزہ دار نے اگر حقنہ لیا (یعنی بتی یا پچکاری پائخانہ کے مقام میں ڈال کر اس کے ذریعے کوئی دوا پیٹ تک پہنچائی) یا ناک میں دوا ڈالی یا منہ میں کوئی دوا رکھی اور کچھ حصہ دماغ تک پہنچ گیا یا حلق میں اتر گیا، یا کان میں تیل ڈالا، تو ان میں سے کسی بھی صورت میں اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔ کان میں قصداً پانی داخل کرنے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ہدایہ، ملتقیٰ، درمختار، اور شرح وقایہ وغیرہ اکثر متون میں تو لکھا ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹتا، جب کہ فتاویٰ قاضیخان اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ روزہ جاتا رہتا ہے، اور صرف قضا واجب ہوتی ہے۔

(۴)......روزہ دار نے پیٹ کے اوپر زخم میں دوا ڈالی اور زخم اتنا گہرا ہو کہ دوا اس سے گزرتی ہوئی نیچے پیٹ تک پہنچ جائے، یا سر کے اوپر زخم میں دوا ڈالی اور زخم اتنا گہرا ہو کہ دوا اس سے گذرتی ہوئی اندر دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور صرف قضا واجب ہوتی ہے۔

(۵)......روزہ دار کے حلق میں بارش کا پانی یا برف چلا گیا اور اس نے اس کو قصداً نہیں نگلا بلکہ از خود حلق کے نیچے اتر گیا، یا بے احتیاطی اور چوک کے سبب روزہ ٹوٹ گیا، مثلاً کلی کرنے میں پانی حلق کے نیچے اتر گیا، یا ناک میں پانی دیتے وقت پانی دماغ کو چڑھ گیا، تو ان صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی۔

(۶)......زبردستی کسی نے روزہ تو ڑوا ڈالا خواہ جماع ہی کے ذریعے، یعنی خاوند نے زبردستی بیوی سے

جماع کیا، یا بیوی نے زبردستی خاوند سے جماع کرایا تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔لیکن جماع کی صورت میں جس نے زبردستی کی ہوگی اس پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا، اور جس کے ساتھ زبردستی کی گئی ہوگی اس پر صرف قضا واجب ہوگی۔

(۷)......روزہ دار سویا ہوا ہے اور کسی نے اس کے حلق میں پانی ڈال دیا، یا خود اس (روزہ دار) نے سونے کی حالت میں پانی پی لیا تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا، اور اس پر قضا واجب ہوگی، اس کو بھول کر کھا پی لینے والے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔(جس کا روزہ نہیں ٹوٹتا) کیونکہ دونوں کی نوعیت جدا جدا ہے۔اس مسئلہ کو اس طرح دیکھنا چاہئے کہ جو شخص سویا ہوا ہے یا جس شخص کی عقل جاتی رہی ہے اس حالت میں اگر وہ کوئی جانور ذبح کرے تو اس کے ذبح کئے ہوئے کو کھانا درست نہیں، جبکہ جو شخص ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے اس کے ذبح کئے ہوئے کو کھانا درست ہے۔

(۸)......کسی روزہ دار نے بھول کر کھالیا پھر قصداً[۱] کھایا، یا بھول کر جماع کرلیا پھر قصداً جماع کیا، یا اس نے روزہ کی نیت صبح صادق کے بعد کی پھر قصداً کچھ کھایا پیا یا قصدا جماع کیا، یا اس نے روزہ کی نیت صبح صادق سے پہلے (رات سے) کی تھی مگر صبح کو سفر کیا پھر مقیم ہونے کی نیت کی اور قصداً کھایا پیا حالانکہ افطار اس کے لئے درست نہیں تھا، یا اس نے روزے کی نیت رات سے کی اور صبح کو مقیم

---

[۱] درمختار میں لکھا ہے: یا کسی نے بھول کر کھالیا، یا بھول کر جماع کرلیا، یا اس کو احتلام ہوگیا، یا کسی طرف دیکھنے سے اس کو انزال ہوگیا، یا اس کو ازخود قے آئی، اور (ان صورتوں میں سے کسی صورت کے پیش آنے پر) اس نے گمان کیا کہ میرا روزہ جاتا رہا، پھر اس نے شبہ کی وجہ سے قصداً کھایا تو صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔اور اگر اس کو معلوم تھا کہ اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا اور پھر اس نے قصداً کھایا پیا تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی اس پر لازم ہوگا، لیکن پہلی صورت یعنی بھول کر کھالینے کے بعد پھر قصداً کھانے کی صورت میں بموجب مسلک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کفارہ واجب نہیں ہوگا، خواہ اس کو (بھول کر کھا پی لینے سے) روزہ کے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ معلوم تھا، یا معلوم نہیں تھا، صاحبینؒ کا اس سے اختلاف ہے۔ان کے نزدیک یہ ہے کہ کسی نے اگر بھول کر کھالیا پھر اس گمان پر کہ روزہ ٹوٹ گیا اس نے قصداً کھایا پیا تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، اور اگر روزے کے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ اس کو معلوم تھا، اور پھر اس نے قصداً کھایا پیا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔

تھا، پھر سفر میں نکلا (مسافر ہوگیا) اور سفر کی حالت میں اس نے قصداً کھایا پیایا جماع کیا، حالانکہ افطار اس کے لئے حلال نہیں تھا، تو ان سب صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اور مذکورہ صورت میں سفر کی حالت میں کھانے کی قید اس لئے ہے کہ سفر شروع ہوجانے کے بعد کسی خاص ضرورت سے، مثلاً بھولی ہوئی چیز لینے کے لئے لوٹ کر اپنی آبادی (وطن) میں آئے گا اور اپنے گھر میں، یا اپنی آبادی (اپنے شہر وقریہ) سے جدا ہونے سے پہلے قصداً کھائے یا پیئے گا تو اس صورت میں قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا۔

(۹)......کسی نے (صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک) تمام دن نہ کچھ کھایا پیا اور نہ روزہ کے منافی کوئی اور کام کیا مگر اس نے نہ تو روزہ کی نیت کی اور نہ افطار کی، یا کسی نے اس شک[۱] کی بنا پر کہ ابھی رات باقی ہے سحری کھائی یا جماع کیا حالانکہ اس وقت صبح صادق طلوع ہوچکی تھی، یا کسی نے اس گمان غالب کی بنا پر کہ سورج غروب ہوگیا ہے افطار کرلیا حالانکہ سورج کی روشنی اس وقت باقی تھی، تو ان سب صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ نہیں، اور اگر کسی نے غروب آفتاب کے (گمان غالب کی بنا پر نہیں بلکہ) شک کی بنا پر افطار کیا ہو تو اس صورت میں کفارہ واجب ہوگا یا نہیں۔ اس میں دو روایتیں ہیں: فقیہ ابوجعفرؒ (احمد بن ابی عمران قاضی دیار مصریہ جو امام ابوجعفر الطحاویؒ کے استاذ ہیں) کا قولِ مختار یہ ہے کہ شک کی بنا پر افطار کرنے کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا، اور اس صورت میں بھی کفارہ لازم ہوگا جب اس کا گمان غالب یہ ہو کہ آفتاب غروب نہیں ہوا ہے، اور اس کے باوجود اس نے افطار کرلیا ہو۔

(۱۰)......کسی روزہ دار کو اگر اس سبب سے انزال ہوا کہ اس نے کسی چوپایہ کے ساتھ یا کسی میت (مردہ عورت) کے ساتھ فعل بد کیا، یا کسی کی ران یا ناف میں یا ہاتھ میں اس نے منی گرائی، یا کسی کا بوسہ

[۱] 'شک' اور 'گمان' میں فرق یہ ہے کہ حالت شک میں دونوں جانب نفی اور اثبات کے برابر ہوتے ہیں، اور گمان میں ایک جانب غالب ہوتا ہے، اور اسی جانب کو گمان غالب (یا غلبۂ ظن) کہتے ہیں۔ (علم الفقہ)

لینے یا کسی کو چھونے کی وجہ سے اس کو انزال ہوگیا، یا قصداً کھا پی کر ایسا روزہ توڑا جو ادائے رمضان کا نہ ہو، تو ان سب صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی، اسی طرح سوئی ہوئی روزہ دار عورت سے کسی نے جماع کیا تو اس عورت کا روزہ جاتا رہے گا اور اس پر صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ نہیں۔ اور اسی طرح جس عورت نے روزہ کی نیت رات سے کی ہو اور پھر دن میں وہ دیوانی ہوگئی اور اس حالت میں کسی نے اس سے جماع کیا تو اس عورت پر بھی قضا واجب ہوگی۔

(۱۱)......کسی روزہ دار عورت نے پانی یا دوا اپنی شرمگاہ میں ٹپکائی، یا کسی مرد نے تیل یا پانی کی بھیگی ہوئی انگلی اپنی مقعد (دبر) میں داخل کی، یا کسی نے آب دست کرتے ہوئے پانی مقعد میں حقنے کی جگہ تک پہنچا دیا اگرچہ ایسا کم ہوتا ہے۔ (اور حقنے کی جگہ سے وہ جگہ مراد ہے جہاں حقنے کے ذریعے دوا پیٹ میں گرتی ہے) یا کسی عورت نے آب دست کرتے ہوئے اس درجہ مبالغہ کیا کہ پانی فرج داخل تک پہنچ گیا، تو ان سب صورتوں میں قضا واجب ہوگی۔

(۱۲)......اگر بواسیر والے کے مسے روزے کی حالت میں باہر نکل آئیں اور وہ ان کو دھوئے پھر اس نے ان مسوں کو اگر اٹھنے سے پہلے خشک کرلیا اور اس کے بعد وہ اوپر چڑھ گئے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ پانی بدن کے ظاہری حصہ ہی پر پہنچا اور پھر اندر تک پہنچنے سے پہلے زائل ہوگیا، ہاں وہ مسے اگر اٹھنے اور اوپر چڑھنے سے پہلے خشک نہ ہوں گے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ (صرف حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ اگر بواسیر کے مسے بوقت طہارت مرطوب ہوں اور خشک ہونے سے پہلے اٹھنے سے اوپر چڑھ جائیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔) (فتاویٰ رشیدیہ)

(۱۳)......کوئی روزہ دار عورت پانی یا تیل کی تر کی ہوئی انگلی اپنی فرج داخل میں داخل کرے گی، یا کوئی روزہ دار روئی یا کپڑا یا لکڑی یا پتھر اپنی مقعد میں داخل کرے گا یا کوئی عورت ان میں سے کوئی بھی چیز اپنی فرج داخل میں ڈالے گی اور دبر یا فرج داخل میں وہ چیز پوری کی پوری اندر غائب

ہو جائے گی تو روزہ جاتا رہے گا، اور قضا واجب ہوگی، اور اگر لکڑی وغیرہ کا دوسرا سرا باہر ہاتھ میں، یا عورت کی فرج خارج میں رہا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱۴)......کسی روزہ دار نے اگر ڈورا نگل لیا،لیکن اس ڈورے کا دوسرا سرا اس کے ہاتھ میں ہو اور اس نے اس ڈورے کو کھینچ کر باہر نکال لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، ہاں اگر ڈورا پورا کا پورا نگل جائے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور قضا واجب ہوگی۔

(۱۵)......کسی روزہ دار نے اگر دھواں اپنے فعل سے پیٹ یا دماغ میں قصداً داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہوگی، لیکن یہ حکم اس دھویں کا ہے جو عنبر اور عود کے علاوہ کسی اور چیز کا ہو، عود اور عنبر کے دھویں کو اپنے فعل سے قصداً دماغ میں یا پیٹ میں داخل کرنے کی صورت میں قضا کے ساتھ کفارہ کا بھی واجب ہونا بعید نہیں، کیونکہ ان چیزوں کے دھویں سے فائدہ بھی حاصل کیا جاتا ہے، اور بطور معالجہ بھی ان کا استعمال ہوتا ہے، اسی طرح حقے (اور بیڑی سگریٹ وغیرہ) کے دھویں کو بھی داخل کرنے سے قضا کے ساتھ کفارہ کا واجب ہونا بعید نہیں۔

(۱۶)......کسی روزہ دار نے قے اگر قصداً کی تو چاہے منہ بھر کر نہ ہو تب بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی۔ظاہر روایت یہی ہے۔لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قے کا منہ بھر کر ہونا شرط ہے، اگر منہ بھر سے کم ہوئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور صحیح یہی ہے، اور قے اگر منہ بھر کر (یا کم) خود بخود آئی اور روزہ دار نے اس کو قصداً لوٹا لیا (نگل لیا) تو قضا واجب ہوگی، اسی طرح دانتوں کی اٹکی ہوئی چیز کو نگل لینے سے قضا واجب ہوتی ہے جب کہ وہ چیز چنے کے برابر یا اس سے زیادہ ہو۔

(۱۷)......کسی نے رات سے نیت نہیں کی، پھر صبح ہونے پر بھی (دن میں) اس نے نیت نہیں کی تھی کہ بھول کر کھا، یا پی لیا اور اس بھول کر کھا، یا پی لینے کے بعد اس نے نیت کی تو اس کا روزہ درست نہیں ہوگا اور قضا واجب ہوگی۔

(۱۸)......کسی نے نیت نہیں کی تھی کہ بیہوش ہوگیا اور اس کی بیہوشی جاری رہی اگرچہ پورا رمضان گذرنے تک وہ بیہوش ہی رہا تو اس پر قضا واجب ہوگی، البتہ اس دن کے روزہ کی قضا لازم نہیں ہوگی جس دن میں یا جس دن کی رات میں اس کی بیہوشی شروع ہوئی ہو، کیونکہ دیندار مسلمان کے معاملہ کو صلاح (بھلائی) پر محمول کیا جائے گا کہ شاید اس دن کے روزے کی نیت اس نے رات سے کرلی ہو، لہٰذا اس دن کا روزہ تو ادا مانا جائے گا، اس دن کے بعد جتنے دنوں بیہوشی طاری رہی ہوگی ان کی قضا واجب ہوگی، کیونکہ جو امساک (یعنی کھانے پینے وغیرہ سے رکے رہنا) روزہ کی نیت کے بغیر ہو اس کا اعتبار نہیں۔ اور اگر یقین ہوگا کہ اس (بیہوشی شروع ہونے والے) دن کی نیت اس نے رات سے نہیں کی تھی تو پھر اس دن کے روزہ کی قضا بھی واجب ہوگی۔

(۱۹)......رمضان کا سارا مہینہ دیوانہ پاگل رہنے والے پر قضا واجب نہیں ہوتی، ہاں اگر سارا مہینہ دیوانہ رہا تو جتنے دن پاگل پن میں گذرے ہیں ان دنوں کے روزوں کی قضا کرنا واجب ہوگا، اور اگر کوئی سارا مہینہ اس طرح دیوانہ رہا کہ رات میں آرام (افاقہ) ہوجاتا ہو یا دن میں بھی نیت کا وقت گذرجانے کے بعد آرام ہوتا ہو تو بھی قضا واجب نہیں ہوگی، کیونکہ یہ صورت بھی سارا مہینہ دیوانہ رہنے ہی کے حکم میں ہے۔

(۲۰)......کسی نے رمضان میں روزے کی نیت نہیں کی اور دن میں قصداً کھایا پیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ واجب نہیں ہوگا، جب کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہ (امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا۔ کذا فی مالا بدمنہ۔[۱]

---

[۱] ہدایہ میں اس طرح لکھا ہے کہ جس نے اس حال میں صبح کی کہ وہ روزہ کی نیت نہیں رکھتا تھا، پھر اس نے کھایا پیا تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کفارہ واجب ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک رمضان کا روزہ بغیر نیت کے بھی ادا ہوجاتا ہے، اور صاحبین کہتے ہیں کہ اس نے اگر زوال سے پہلے کھایا پیا تو کفارہ واجب ہوگا۔ (اور اگر زوال کے بعد کھایا پیا تو کفارہ واجب نہیں ہوگا۔)

وہ صورتیں جن میں روزہ نہ ہونے کے باوجود کھانے پینے وغیرہ سے رکے رہنا واجب ہے

جس شخص کا روزہ چھوٹ یا ٹوٹ گیا ہو، خواہ کسی عذر شرعی کی وجہ سے چھوٹا اور ٹوٹا ہو، پھر وہ عذر جاتا بھی رہا ہو، تو اس پر واجب ہے کہ دن کا جو حصہ باقی ہے اس میں کھانے پینے وغیرہ سے رکا رہے، اور اپنے کو روزہ دار کے مشابہ بنائے۔ مثلاً وہ عورت جو حیض یا نفاس سے صبح صادق کے بعد (دن کے کسی حصہ میں) پاک ہوگئی تو وہ دن کے بقیہ حصہ میں کھانے پینے وغیرہ سے اجتناب کرنا اس پر واجب ہے، اسی طرح دن کے کسی حصہ میں وہ مسافر جو مقیم ہوگیا، یا وہ بیمار جو اچھا ہوگیا، یا وہ دیوانہ جو ہوشیار ہوگیا، یا وہ نابالغ جو بالغ ہوگیا، یا وہ غیر مسلم جو مسلمان ہوگیا، تو اس پر واجب ہے کہ وہ دن کے بقیہ حصہ میں کھانے پینے وغیرہ سے اجتناب کرے، اور مذکورہ سب صورتوں میں اس دن کے روزہ کی قضا واجب ہوگی، سوائے مؤخر الذکر دونوں صورتوں کے۔

اور جو عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو یا جو بیماری کی حالت میں ہو، یا جو سفر کی حالت میں ہو، اس کے لئے رمضان کے دن میں کھانے پینے وغیرہ سے رکے رہنا ضروری نہیں ہے، اس کو کھانے پینے وغیرہ کی پوری اجازت ہے، مگر رمضان کا ظاہری احترام اس کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے، کھائے پیئے تو پوشیدہ طور پر نہ کہ کھلے طور پر۔

وہ چیزیں جو روزہ دار کیلئے مکروہ ہیں، یا مکروہ نہیں ہیں۔

جن چیزوں سے روزہ جاتا رہتا ہے اور قضا لازم آتی ہے یا قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں، ان کا بیان پیچھے گذرا، یہاں ان چیزوں کا بیان کیا جاتا ہے جن سے روزہ ٹوٹتا تو نہیں، مگر مکروہ ہو جاتا ہے، اور ثواب جاتا رہتا ہے، یا کم ہو جاتا ہے۔ ان کی کچھ تفصیل اس طرح ہے:

(۱)......روزہ دار کے لئے کھانے کی کسی چیز کا چکھنا (یعنی کوئی چیز چکھنے کے لئے منہ میں ڈال کر پھر

تھوک دینا) مکروہ ہے۔اور ذخیرہ میں یوں لکھا ہے کہ کسی چیز کا چکھنا اس صورت میں مکروہ ہے جب چکھنے کی مجبوری نہ ہو،اور اگر مجبوری ہو مثلاً کوئی چیز خریدتے وقت یہ اندیشہ ہو کہ چکھ کر نہ دیکھا تو دھوکا اٹھاؤں گا یا میری مرضی کے موافق نہیں ہوگی تو چکھنا مکروہ نہیں ہوگا۔اسی طرح فتاویٰ نسفی میں لکھا ہے کہ کسی عورت کا خاوند اگر بدخلق (چڑچڑا اور بدمزاج) ہو اور کھانے میں نمک کے کم یا زیادہ ہوجانے پر سخت گیری کرتا ہو تو (زبان کی نوک سے) کھانے کا نمک چکھ لینا اس عورت کے لئے درست ہے تاکہ خاوند کی داروگیر سے مامون رہے،اور اگر خاوند نیک خلق (اچھی طبیعت ومزاج کا) ہو تو درست نہیں۔یہی حکم اس ملازمہ یا خادم کا ہے جو کھانے پکانے پر مقرر ہو۔

(۲)...... بلا عذر کھانے کی کسی چیز کا چبانا مکروہ ہے۔مثلاً کوئی روزہ دار عورت چاہتی ہے کہ روٹی کا ٹکڑا یا کھانے کی کوئی اور چیز چبا کر بچے کے منہ میں دے،تو وہ یہ کرے کہ اگر کوئی ہوشیار نابالغ لڑکی یا کوئی حائضہ اس کے پاس ہو تو اس سے چبوا کر بچے کے منہ میں دے،اگر وہ خود چبا کر دے گی تو روزہ مکروہ ہوجائے گا۔ہاں اگر کوئی غیر روزہ دار دستیاب نہ ہو تو خود چبا کر دیدے،اس صورت میں روزہ مکروہ نہیں ہوگا۔

(۳)...... مصطگی (یا کسی بھی جمے ہوئے گوند) کا چبانا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے،خواہ وہ مرد ہو یا عورت، کیونکہ اس کے چبانے سے بے روزہ ہونے کی تہمت لگتی ہے،اور مردوں کے لئے تو غیر روزے میں بھی مصطگی کا چبانا مکروہ ہے،ہاں کسی مجبوری کی وجہ سے تنہائی میں چبانا جائز ہے۔اور بعضوں نے کہا ہے کہ غیر روزے میں مصطگی کا چبانا مردوں کے لئے مباح ہے،بخلاف عورتوں کے کہ ان کے لئے اس کا چبانا مستحب ہے کیونکہ یہ ان کے لئے مسواک کے قائم مقام ہے۔

(۴)...... بیوی کا بوسہ لینا اور اس کے ساتھ مباشرت کرنا،یعنی بغل گیر ہونا اور لپٹنا چمٹنا مکروہ ہے جب کہ جماع یا انزال کا خدشہ ہو،اگر یہ خدشہ نہ ہو تو مکروہ نہیں،مگر پھر بھی اس عمل سے بچنا زیادہ بہتر ہے، بالخصوص جوان آدمی کو۔

(۵)......منھ میں بہت سا تھوک قصداً جمع کرنا اور پھر نگل جانا مکروہ ہے۔

(۶)......روزہ دار کے لئے کوئی ایسا کام کرنا مکروہ ہے جس سے ناطاقتی (کمزوری) لاحق ہوتی ہو جیسے فصد کھلوانا یا پچھنے لگوانا، فصد اور پچھنے کا عمل اگر اس طرح کا ہو کہ اس سے کمزوری لاحق نہ ہوتی ہو تو مکروہ نہیں۔

(۷)......روزے کی حالت میں سرمہ لگانا، مونچھوں کو تیل لگانا، اور مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے، اگرچہ مسواک زوال کے بعد کی جائے، اور مسواک خواہ تازی ہو یا پانی میں بھگوئی ہوئی ہو۔

(۸)......روزے کی حالت میں وضو کے علاوہ بھی کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا مکروہ نہیں ہے۔

(۹)......روزے کی حالت میں ٹھنڈک حاصل کرنے کی غرض سے غسل کرنا اور بھیگے ہوئے کپڑے کا بدن پر لپیٹنا مکروہ نہیں ہے۔ مفتی بہ قول یہی ہے کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے۔

وہ چیزیں جو روزہ دار کے لئے مستحب ہیں

روزہ دار کے لئے تین چیزیں مستحب ہیں:

(۱)......سحری کھانا۔

(۲)......سحری کھانے میں تاخیر کرنا یعنی صبح صادق طلوع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے کھانا۔

(۳)......افطار میں جلدی کرنا یعنی وقت آجانے پر فوراً روزہ کھول لینا، اس میں تاخیر نہ کرنا جب کہ ابر (بادل) نہ ہو، اور جس دن ابر ہو تو اس دن روزہ کھولنے میں احتیاطاً دو تین منٹ کی تاخیر کرنا ضروری ہے۔

وہ عوارض جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

جس عاقل و بالغ مسلمان مرد اور عورت پر رمضان کا روزہ رکھنا فرض ہے اس کے لئے شریعت نے جن عوارض (عذروں) کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے یا روزہ توڑنے کی اجازت دی ہے وہ دس ہیں:

(ا)......مرض: جو شخص ایسا بیمار ہو کہ اگر روزہ رکھے تو اس کی بیماری کے بڑھ جانے، یا اس کے اچھا ہونے میں دیر لگنے کا خوف ہو تو روزہ چھوڑنا اس کے لئے جائز ہے۔ کیونکہ مرض میں اضافہ اور بیماری کا طول پکڑ لینا آدمی کی ہلاکت کا سبب بھی بن جاتا ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا واجب ہے۔

واضح رہے کہ مرض یا بیماری دراصل کسی عضو کی ساخت یا اس کے افعال میں فرق پڑ جانے کا نام ہے، جو اس عضو کی طبعی خاصیت کو درستی سے بگاڑ کی طرف موڑ دیتا ہے۔ یہ بگاڑ پہلے جسم کے اندر شروع ہوتا ہے، پھر اس کا اثر جسم کے اوپر ظاہر ہوتا ہے، پس آنکھ دکھنے، یا زخم یا دردِ سر بھی ان امراض میں سے ہیں جن میں دوا کا استعمال نہ کرنے سے ان کے بڑھ جانے یا دیر سے اچھا ہونے کا خدشہ ہو تو روزہ چھوڑنا جائز ہے۔ فقہاء ایسی کمزوری کو بھی مرض میں شمار کرتے ہیں جس میں روزہ رکھنے سے بیمار پڑ جانے یا ناکارہ ہو جانے کا اندیشہ ہو، اس ضمن میں علما نے لکھا ہے کہ جس غازی کو میدانِ جنگ میں جانا ہو اور وہ یقینی طور پر جانتا ہو کہ رمضان کے مہینے میں دشمن کے مقابلے پر اللہ کی راہ میں مجھ کو لڑنا ہے، اور اس کو روزہ رکھنے سے کمزوری کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے لڑائی سے پہلے افطار کرنا (روزہ نہ رکھنا) جائز ہے، خواہ مسافر ہو یا مقیم۔ اور اسی پر قیاس کر کے علما نے یہ لکھا ہے کہ جس شخص کو باری کا بخار آتا ہو اور باری کے دن بخار چڑھنے سے پہلے ہی اس نے دن کے ابتدائی حصہ میں اس گمان غالب کی بنا پر افطار کیا (روزہ چھوڑ دیا) کہ آج بخار چڑھے گا اور وہ کمزور کر دے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر اس دن بخار نہ بھی آیا تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ دراصل یہ مسئلہ اس صورت سے تعلق رکھتا ہے جب عذر کے گمان غالب کی وجہ سے روزہ توڑ دیا اور وہ عذر پایا نہیں گیا، اس صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے یا نہیں اس میں فقہاء کے اختلافی اقوال ہیں، اس صورت کی ایک مثال تو یہی ہے جو باری کے بخار کے مریض کے حوالہ سے بیان ہوئی، دوسری مثال اس عورت کی ہے جس نے حیض آنے کے گمان غالب کی بنا پر اپنا روزہ توڑ دیا، مگر اس دن حیض نہیں آیا، اس عورت کے متعلق

بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، اگرچہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ دونوں مثالوں کی صورت میں کفارہ واجب ہوگا، اور ایک تیسری مثال یہ ہے کہ رمضان کی ۲۹ر کو ہلالِ عید کی رویت ثابت نہیں ہوئی اور ۳۰ر تاریخ کو لوگوں نے روزہ رکھا، پھر اس دن عام لوگوں نے نقارے (یا گولے) کی آواز سنی اور انہوں نے گمان غالب کی بنا پر اس آواز کو عید کا دن ہونے کا اعلان سمجھ کر روزہ افطار کرلیا، اس کے بعد معلوم ہوا کہ نقارہ کسی اور وجہ سے بجایا گیا تھا، (یا گولا کسی اور وجہ سے چھوڑا گیا تھا) تو اس صورت میں بھی ان افطار کرنے والوں پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

(۲)......سفر: جو شخص سفرِ شرعی (کم ازکم ۴۸ر میل = تقریباً ۷۸ر کلو میٹر یا اس سے زیادہ کا سفر) کر رہا ہو، (اور سفر خواہ پیدال کا ہو خواہ کسی بھی سواری کا، اگرچہ موٹر یا ریل یا ہوائی جہاز کا ہو) تو اس کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، لیکن سفر میں اگر زیادہ مشقت اور تعب نہ ہو تو روزہ رکھنا مستحب ہے، اور یہ مستحب بھی اس صورت میں ہے جب سفر کے اس کے تمام ساتھی بے روزہ نہ ہوں، اور سب کا خرچ مشترکہ نہ ہو، اگر تمام ساتھی بے روزہ ہوں اور خرچ بھی سب کا مشترکہ ہو تو جماعت (ساتھیوں) کی موافقت کے پیش نظر روزہ چھوڑنا ہی افضل ہوگا۔

آگے مسئلہ یہ ہے کہ روزہ چھوڑنا اس مسافر کو جائز ہے جس کا سفر صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے شروع ہوگیا ہو، اور جس نے روزے کی حالت میں صبح صادق کے بعد سفر شروع کیا ہو تو روزہ کا توڑنا اس کے لئے مباح نہیں، البتہ اس کے بعد اگر وہ بیمار ہوجائے تو روزہ توڑنا اس کے لئے جائز ہوگا، اور واضح رہے کہ سفر کی حالت میں روزہ توڑنے پر بہرصورت صرف قضا واجب ہوتی ہے کفارہ واجب نہیں ہوتا خواہ بیمار پڑ جانے کی وجہ سے توڑا ہو خواہ بغیر بیمار پڑے۔

(۳)......اکراہ: جس شخص کو روزہ توڑنے یا روزہ نہ رکھنے پر (زور زبردستی کے ذریعے) مجبور کیا جائے تو روزہ توڑنے یا روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس کو شریعت نے دی ہے۔ مثلاً کوئی ظالم کسی روزہ دار کو بزور طاقت پچھاڑ کر اس کے منہ میں زبردستی کھانے کی کوئی چیز ڈال دے اور اس کے کھانے

پر مجبور کرے، یا کوئی ظالم کسی کو دھمکی دے کہ اگر تو نے روزہ رکھا تو تیرے ساتھ بہت سخت برتاؤ کروں گا، اور ان دونوں صورتوں میں انکار یا مزاحمت کرنے پر جان جانے کا یا بہت مار پڑنے کا خوف (گمان غالب) ہو تو روزہ توڑنا یا روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

(۴)......حمل: جو عورت حاملہ ہو اس کو روزہ چھوڑنا جائز ہے، بشرطیکہ روزہ رکھنے کی صورت میں اس کو غشی کا یا ہلاکت کا خواہ اپنی خواہ (پیٹ کے) بچے کی، یا کسی بیماری کا خواہ اپنی خواہ (پیٹ کے) بچے کی، خوف کا (گمان غالب) ہو۔

(۵)......دودھ پلانا: اپنا دودھ پلانے والی عورت (مرضعہ) کو بھی روزہ چھوڑنا جائز ہے، اسی شرط کے ساتھ جو حاملہ کے تعلق سے بیان ہوئی اور وہ دودھ پلانے والی عورت خواہ بچے کی ماں ہو یا دایہ۔

واضح رہے کہ جو ایک قول یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دودھ پلانے والی سے مراد صرف دایہ ہے تو جمہور فقہا نے اس قول کو رد کر دیا ہے کیونکہ حدیث میں دودھ پلانے والی کا ذکر بطریق عموم آیا ہے، اور اس کا اطلاق دایہ پر بھی ہوتا ہے اور بچے کی ماں پر بھی۔ حدیث یہ ہے: "اِنَّ اللہَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَشَطْرَ الصَّلٰوۃِ وَعَنِ الْحُبْلٰی وَالْمُرْضِعِ الصَّوْمَ" [بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر کیلئے روزہ اور آدھی نماز کو، نیز حاملہ اور اپنا دودھ پلانے والی کیلئے روزہ کو موقوف کیا ہے۔] علاوہ ازیں اپنا دودھ پلانیوالی اصل تو بچے کی ماں ہی ہوتی ہے، اسی وجہ سے بچہ کو دودھ پلانا دیانۃً ماں پر واجب ہے، خصوصاً اس صورت میں جب باپ مفلس ہو اور اجرت پر دایہ سے دودھ پلوانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اور ایک مسئلہ یہ ہے کہ اپنا دودھ پلانیوالی کوئی عورت اگر روزے سے ہو اور اس کے بچہ کو کوئی بیماری لاحق ہو جائے پھر معتبر طبیب یہ تجویز کرے کہ دودھ پلانے والی اگر یہ دوا کھالے یا پی لے تو بچے کو فائدہ ہوگا تو اس دوا کا کھانا یا پینا (اور روزہ چھوڑ دینا) اس دودھ پلانے والی کیلئے جائز ہے۔

(۶)......بھوک: اور

(۷)...... پیاس: کسی روزہ دار کو دن کے کسی حصہ میں ایسی ناقابل برداشت پیاس یا ایسی ناقابل

برداشت بھوک لگی کہ اگراس نے روزہ نہ توڑا تو جان کی ہلاکت کا یا بیہوشی طاری ہوجانے کا، یا مجنون الحواس ہوجانے کا خوف (گمان غالب) ہے تو روزہ توڑ دینا اس کے لئے جائز ہوگا، بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو کسی سخت جسمانی مشقت میں ڈال کر اس (شدید پیاس یا سخت بھوک) کا باعث خود نہ بنا ہو۔ مثلاً وہ (روزہ دار) اتنا دوڑا کہ ناقابل برداشت حد تک پیاسا ہوگیا، اور پھر اس نے روزہ توڑ دیا تو اس صورت میں کفارہ واجب ہوجائے گا، اگرچہ بعض فقہا کہتے ہیں کہ کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

یہاں ایک مسئلہ خاص طور پر اہل حرفہ (کاریگروں اور محنت کشوں) کے تعلق سے ہے، ان کے متعلق جب فقیہ علی بن احمدؒ سے پوچھا گیا کہ جب کوئی کاریگر یا محنت کش جانتا ہو کہ اگر میں روزہ رکھ کر اپنے پیشہ ورانہ کام میں مشغول ہوا تو ایسا مرض لاحق ہوجائے گا جس میں روزہ توڑ دینا مباح ہے، اور حال اس کا یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی روزی حاصل کرنے کے لئے اس کام کے کرنے پر مجبور ہے، تو کیا اس کے لئے مباح ہے کہ وہ اس کام کی وجہ سے مرض لاحق ہونے سے پہلے کھا پی لے اور روزہ چھوڑ دے؟ تو فقیہ موصوفؒ نے سختی سے منع کیا یعنی کہا کہ نہیں، یہ مباح نہیں ہے۔

اور درمختار میں اس طرح لکھا ہے: روزہ دار کے لئے ایسی محنت ومشقت کا کام کرنا جائز نہیں ہے جس سے کمزوری پیدا ہوجائے (اور وہ کمزوری روزہ کے لئے مانع بن جائے) پس محنت ومشقت کا کام کرنے والے (کاریگر اور مزدور) کو چاہئے کہ آدھے دن تک اپنا پیشہ ورانہ کام (کسب) کرے اور آدھے دن میں استراحت کرے تاکہ وجہ معاش (گذارے کا ذریعہ) بھی حاصل رہے اور روزہ بھی ہاتھ سے نہ جائے۔

(۸)......حیض: اور

(۹)......نفاس: جو عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو اس کے لئے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، اور واضح رہے کہ حیض ونفاس کی حالت میں چھوٹی ہوئی نماز تو معاف ہے، مگر چھوٹا ہوا روزہ معاف نہیں

ہے،اس کی قضا کرنی ضروری ہے۔

(۱۰)......بہت بڑھاپا: جو مرد بہت بوڑھا ہو یا جو عورت بہت بوڑھی ہو اس کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے،،بہت بوڑھے کو فقہا 'شیخ فانی' سے تعبیر کرتے ہیں،یعنی ایسا شخص (خواہ مرد ہو یا عورت) جو اس قدر سن رسیدہ ہو کہ فی الحال روزہ رکھنے سے عاجز ہو اور اس کا عجز روز بروز اور بڑھتا رہے، یہاں تک کہ بڑھتے ہوئے عجز اور بڑھاپے کی وجہ سے باقی زندگی میں بھی کبھی روزہ رکھ سکنے کی امید اس کو نہ ہو۔

'خوف' کا مطلب؟

روزہ نہ رکھنے یا روزہ توڑنے کے جو عذر بیان ہوئے اور ان کے تعلق سے جو بار بار 'خوف' کا ذکر آیا تو اس کے بارے میں جاننا چاہئے کہ یہاں وہ 'خوف' معتبر ہے جو یا تو کسی علامت کی وجہ سے یا پہلے تجربہ کی بنیاد پر گمانِ غالب کے ذریعے پایا جائے ،یا پھر غیر ظاہر الفسق مسلمان حاذق وطبیب (حکیم وڈاکٹر) یہ کہے کہ روزہ رکھنا مضرت رساں ہوگا۔

عذر کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا اور فدیہ

عذر کی مذکورہ تمام صورتوں میں جب عذر دور ہوجائے تو چھوٹے ہوئے ہر روزہ کی قضا کرنی واجب ہے۔فدیہ صرف بہت بڑھاپے کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں ہی کی صورت میں واجب ہوتا ہے،عذر کی اور صورتوں میں واجب نہیں ہوتا۔

آگے کچھ مسائل اس طرح ہیں:

(۱)......جیسا کہ اوپر بیان ہوا،عذر کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا ہی کرنی اس شخص پر واجب ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہے،اور جو قضا نہ کرسکے اس کو ان دنوں کے چھوٹے ہوئے روزوں کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے، جن دنوں میں وہ مرض سے صحت یاب رہا یا جن

دنوں میں سفر کے بعد مقیم رہا یا جن دنوں میں کوئی بھی وہ عذر جس کی وجہ سے روزہ چھوڑا گیا باقی نہیں رہا تھا۔

(٢)......ان روزوں کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب نہیں جو عذر کی وجہ سے چھوٹے ہوں اور عذر زائل ہونے سے پہلے (زمانۂ عذر میں) انتقال ہوجائے۔عذر خواہ بیماری کا ہو یا سفر کا اور خواہ مذکورہ عذروں میں سے کوئی اور عذر ہو۔

(٣)......بہت بوڑھے مرد یا بہت بوڑھی عورت پر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا واجب نہیں، اس کو ہر چھوٹے ہوئے روزے کے بدلے فدیہ ادا کرنا ضروری ہے۔ باقی کسی عذر کی صورت میں روزہ چھوڑنے پر فدیہ دینا واجب نہیں ہوتا، اس کی قضا کرنی ضروری ہوتی ہے، البتہ اس شخص پر بھی فدیہ دینا واجب ہوتا ہے جس نے صوم دہر یعنی ہمیشہ نفلی روزہ رکھنے کی نذر مانی ہو، پھر وہ حصول معاش کی ذمہ داریوں میں مشغول ہوجانے کے سبب اس (صوم دہر) کی نذر پوری کرنے سے عاجز ہوگیا ہو، اس کے لئے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے اور ہر دن کے روزے کے بدلے فدیہ دیا کرے۔

قضا روزوں کا علی الفور اور لگا تار رکھنا ضروری نہیں

قضا روزوں کا نہ تو لگا تار (پے درپے) رکھنا ضروری ہے، اور نہ رمضان کے فوراً بعد۔ البتہ اگر طاقت ہے تو رمضان کے فوراً بعد رکھنا اور لگا تار رکھنا مستحب ضرور ہے، تاکہ واجب سے جلد از جلد بری الذمہ ہوجائے۔ واضح رہے کہ شرع میں جو روزے آئے ہیں وہ تیرہ قسم کے ہیں، ان میں سے سات قسم کے روزے وہ ہیں جو لگا تار (پے درپے) رکھے جاتے ہیں۔ یعنی:

(١)......رمضان کے مہینہ بھر کے روزے۔

(٢)......کفارۂ ظہار کے روزے۔

(٣)......کفارۂ قتل کے روزے۔

(۴)......کفارۂ یمین کے روزے۔

(۵)......رمضان میں قصداً جو روزہ توڑا اس کے کفارہ کے روزے۔

(٦)......نذر متعین کے روزے۔

(٧)......واجب اعتکاف کے روزے۔

اور باقی چھ قسم کے روزوں میں اختیار ہے، چاہے لگاتار رکھے جائیں چاہے ناغہ کے ساتھ الگ الگ دنوں میں۔وہ چھ قسم کے روزے یہ ہیں:

(١)......نفلی روزے۔

(٢)......رمضان کے قضا شدہ روزے۔

(٣)......متعۂ حج کے روزے یعنی حج میں متمتع اور قارن پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اور وہ متمتع یا قارن کسی مجبوری کی وجہ سے قربانی نہ کرسکے تو اس (قربانی) کے عوض اس کو دس روزے رکھنے ہوتے ہیں، تین روزے تو وہیں ایام حج میں اور سات روزے حج سے وطن واپس آنے کے بعد، انہی روزوں کو "متعۂ حج" کے روزے کہا جاتا ہے۔

(۴)......حلق (بال منڈاوانے) کے فدیہ کے روزے۔یعنی حالت احرام میں کسی بیماری وغیرہ کے سبب اگر سر یا بدن کے کسی اور حصے کے بال منڈانے کی مجبوری ہو جائے تو ایسی صورت میں بال منڈانا بقدر ضرورت جائز ہے، مگر اس کے بدلے (فدیہ) میں تین روزے رکھنا، یا چھ مسکینوں کو (فی مسکین نصف صاع یعنی پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت کے حساب سے) صدقہ دینا یا ایک جانور ذبح کرنا (قربانی) ضروی ہے۔انہی تین روزوں کو فدیۂ حلق کے روزے کہا جاتا ہے۔

(۵)......جزائے صید کے روزے یعنی احرام کی حالت میں خشکی کے جانوروں (صید) کا شکار کرنا اور انہیں ذبح کرنا حل اور حرم دونوں جگہ حرام ہے، سوائے ان جانوروں کے جن کی تفصیل فقہی کتابوں میں مذکور ہے، اگر کسی احرام والے نے خواہ قصداً خواہ خطاء ونسیان سے کسی جانور کا شکار کیا تو اس کی

جزاء (بدلے) میں اس احرام والے پر واجب ہے کہ یا تو اس شکار کی قیمت کے برابر کوئی جانور حسب شرائط قربانی خریدے، پھر اس جانور کو حدودِ حرم کے اندر ذبح کر کے مسکینوں (فقرائ) کو بانٹ دے، یا اس جانور کی قیمت کے برابر غلہ حسب شرائط صدقۂ فطر کے فی مسکین نصف صاع گیہوں کے حساب سے، جتنے مسکینوں کو دیا جاسکتا ہے ان کو دے، یا فی مسکین نصف صاع کے حساب سے وہ پورا غلہ جتنے مسکینوں کو دیا جاسکتا ہے ان کے شمار کے برابر اتنے ہی دنوں کے) روزے رکھے۔ انہی روزوں کو جزائے صید کے روزے کہا جاتا ہے۔

(۶)......نذرِ مطلق کے روزے۔

فدیہ

جیسا کہ پہلے گذرا شیخ فانی (بہت بوڑھا مرد یا بہت بوڑھی عورت) اگر رمضان کے فرض روزے رکھنے سے عاجز ہو یا جس شخص نے صومِ دہر (ہمیشہ روزہ رکھنے) کی نذر مانی ہو، پھر وہ اپنی نذر کو پوری کرنے سے عاجز ہو گیا ہو، تو اس کو اجازت ہے کہ روزے نہ رکھے اور ہر روز فدیہ ادا کرے، اور 'فدیہ ادا کرنے' کا مطلب یہ ہے کہ ہر دن کے روزے کے بدلے نصف صاع یعنی پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت کے برابر نقد پیسے کسی مستحق صدقہ (نادار ومحتاج) کو دے بشرطیکہ عجز کی صورت موت تک باقی رہنے والی ہو۔

مسئلہ: کوئی شیخ فانی اگر رمضان میں شرعی مسافر ہونے کی حالت میں مر جائے تو اس کی طرف سے ان دنوں کے روزوں کا فدیہ دینا ضروری نہیں ہوگا جن دنوں میں وہ مسافرت میں تھا، کیونکہ جس طرح اوروں کے بارے میں حکم ہے کہ اگر کوئی مسافرت میں مر جائے تو سفر کی وجہ سے اس کے جتنے روزے چھوٹے ہوں گے آخرت میں ان کا مواخذہ نہ ہوگا، اسی طرح شیخ فانی سے بھی مسافرت میں چھوٹے ہوئے روزوں کے فدیے کا مواخذہ آخرت میں نہیں ہوگا۔

مسئلہ: جن معذورین پر فدیہ واجب ہے (جیسے شیخ فانی، یا ایسا بیمار جس کو اب صحت کی

امید نہ رہ گئی ہو) ان میں سے کسی کو اگر فدیہ ادا کرنے کی بھی وسعت نہ ہو تو وہ فقط استغفار کرے۔(اور دل میں نیت رکھے کہ جب ہو سکے گا ادا کروں گا۔

فدیہ اور کفارہ میں ’اباحت‘ بھی کافی ہے

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ فدیہ اور کفارہ میں کیا تملیک ضروری ہے، یا اباحت طعام بھی کافی ہے؟ مشہور قول یہ ہے کہ اباحت طعام جائز ہے، تملیک ضروری نہیں ہے، مطلب یہ کہ جس پر فدیہ یا کفارہ واجب ہے وہ (بحسب فدیہ یا کفارہ) اگر کسی مسکین (بھوکے) کو ہر دن دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلا دے تو کافی ہوگا، تملیک (یعنی ایک دن کے فدیہ یا کفارہ کے طور پر نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت کے برابر نقد پیسے کسی مسکین کے مالکانہ قبضہ میں دینا) ضروری نہیں ہے، فدیہ یا کفارہ کے برعکس صدقۂ فطر میں تملیک ہی ضروری ہے جیسا کہ زکوۃ میں۔

اس بارے میں اصولی بات یہ ہے کہ جس صدقہ کی مشروعیت ”طعام“ یا ”اطعام“ (کھانے اور کھلانے) کے لفظ کے ساتھ ہوئی ہے اس میں تملیک اور اباحت دونوں جائز ہیں، اور جس صدقہ کی مشروعیت ”ایتائی“ یا ”ادائی“ (دینے) کے لفظ کے ساتھ ہوئی ہے اس میں تملیک ہی ضروری ہے۔

نفل روزہ کا لزوم

نفل روزہ رکھنے والے کو بلا عذر اس روزہ کا توڑ ڈالنا درست نہیں ہے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ شروع کر دینے کے بعد نفل روزہ یا نفل نماز توڑنا مکروہ ہے، اور نفل روزہ تو شروع ہی سے واجب ہو جاتا ہے، اور اس کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے، لہٰذا جس نے نفل روزہ قصداً شروع کیا وہ اس روزے کو جس حالت میں بھی توڑے گا (خواہ عذر کی وجہ سے خواہ بلا عذر) اس کی قضا اس پر واجب ہوگی، ہاں وہ پانچ دن جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے یعنی دونوں عیدوں کے دن اور ایام تشریق ان میں اگر کسی نے نفل روزہ شروع کیا پھر توڑ دیا تو قضا واجب نہیں ہوگی، کیونکہ ان دنوں میں روزے رکھنے ممنوع ہیں، تو وہ شروع

سے واجب ہی نہیں ہوئے، اور اگر کسی نے ان پانچوں دن کے روزے کی نذر مانی، یا پورے ایک سال کے روزے کی نذر مانی، تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ ان پانچ دنوں میں روزے نہ رکھے اور دوسرے دنوں میں ان کی قضا کرے۔

جو بچے روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں ان کو بھی رمضان کے روزے رکھنے چاہئیں

جس طرح نماز کے بارے میں حکم ہے اسی طرح رمضان کے روزوں کے بارے میں بھی حکم ہے کہ جس بچے میں طاقت آ جائے (یعنی سات سال کا ہو جائے) تو اس کو رمضان میں روزہ رکھنے کی ہدایت کرنی چاہیئے، اور دس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد وہ اگر روزہ چھوڑے تو (روزہ رکھنے کے لئے) اس پر سختی کرنی چاہیئے۔

یہ ساری تفصیل مظاہر حق: ۱۷۷/ ۲، سے ماخوذ ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

روزہ میں معاصی سے اجتناب

{۱۹۰۲} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۵۵، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور الخ، حدیث نمبر:۱۸۵۶۔

حل لغات: لم یدع: وَدَعَ (ف) وَدْعًا چھوڑنا، الزور: جھوٹ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے جھوٹی بات اور برا کام کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

تشریح: جب آدمی روزہ رکھے تو خاص طور پر بری باتیں اور برے کاموں سے بچے۔

زور کے معنی بعض نے باطل کے لکھے ہیں، اور بعض نے اس کی تفسیر کذب اور بہتان کے ساتھ کی ہے، جو شخص ترک نہ کرے قول زور اور اس پر عمل یعنی ناجائز اور حرام کام کا ارتکاب، قولاً یا عملاً تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے کھانا پینا چھوڑنے کی حاجت نہیں، مراد عدم التفات اور عدم مبالات ہے، جو کنایہ ہے عدم قبول سے۔ نیز اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ جو شخص قول باطل اور عمل حرام سے روزہ کی حالت میں نہ بچے اس کا روزہ اس قابل نہیں کہ اس کو روزہ سے تعبیر کیا جائے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بجائے ”فلیس للہ حاجۃ فی صومہ“ کے ترک طعام وشراب کا لفظ فرمایا، جیسا کہ ایک دوسری حدیث شریف میں وارد ہے: ”رب صائم لیس لہ من صیامہ الا الجوع ورب قائم لیس لہ من قیامہ الا السھر“ رواہ النسائی وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بہت سے

روزہ دار ہیں کہ ان کو ان کے روزہ سے بھوک کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں۔ اور بہت سے رات کو قیام کرنے والے ہیں کہ ان کو ان کے قیام سے جاگنے کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۵۱۵، طیبی: ۴/۱۸۸، الدر المنضود: ۴/۲۰۵)

کیفیت کے اعتبار سے روزہ کی اقسام

مشائخ نے لکھا ہے کہ کیفیت واحوال کے اعتبار سے روزہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱)......عوام کا روزہ: یعنی کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا۔

(۲)......خواص کا روزہ: یہ وہ روزہ ہے جس میں بدن کے تمام اعضاء اور حواس کو حرام اور مکروہ خواہشات ولذات سے باز رکھا جاتا ہے، بلکہ ان مباح چیزوں میں بھی منہمک ہونے سے گریز کرنا جو نفس کو مارنے اور اس کی خواہشات کی جڑ اکھاڑنے کے منافی ہیں۔

(۳)......اخص الخواص کا روزہ: یہ وہ روزہ ہے جس میں اخلاص واستغراق اس غایت درجے ہوتا ہے کہ ذات باری خالق ومالک تعالیٰ شانہ کے ماسوا ہر چیز سے اپنے آپ کو باز رکھا جاتا ہے اور غیر اللہ کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کیا جاتا۔ (مظاہر حق: ۲/۷۳۳)

روزہ میں بوس وکنار

{۱۹۰۳} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَآئِمٌ وَكَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاَرْبِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۵۸، کتاب الصوم، باب المباشرت للصائم، حدیث نمبر: ۱۸۸۷۔ مسلم شریف: ۱/۳۵۳، باب بیان ان القبلۃ فی الصوم الخ، حدیث شریف: ۱۱۰۶۔

حل لغات: یقبل: قَبَّلَ (تفعیل) بوسہ لینا، یباشر: بَاشَرَ (مفاعلت) ملنا، لِاَرَبِہٖ: اَرَب

حاجت،ضرورت،جمع:آراب۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لیا کرتے تھے اور مباشرت فرماتے تھے،اور وہ اپنی ضرورت پر تم لوگوں سے زیادہ اختیار اور قدرت رکھتے تھے۔

تشریح: یقبل و یباشر و هو صائم: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ وکنار اس لئے کرلیا کرتے تھے کہ آپ کو اپنی خواہش اور جنسی ضروریات پر کنٹرول تھا لیکن عام آدمی کو اپنے نفس پر مکمل بھروسہ نہیں ہے،اس لئے عام آدمی کو روزے کی حالت میں بوسہ وکنار کی اجازت نہیں ہے اور یہ بوس وکنار والی روایتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات پر محمول ہیں۔(بدائع الصنائع:۲/۲۷۰)

مباشرت،تقبیل سے عام ہے،اس لئے کہ اس کے معنی ہیں التقاء البشرتین،یعنی جسم سے جسم ملانا،لہٰذا یہ من قبیل ذکر العام بعد الخاص ہے۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ

اس حدیث شریف سے حالت صوم میں تقبیل مرأۃ ومباشرت کا جواز معلوم ہورہا ہے،اس میں مشہور مذہب یہ ہے کہ حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک شیخ(بوڑھے)کے حق میں اباحت اور شاب(جوان)کے حق میں کراہت۔

اور امام مالک کے نزدیک مطلقاً کراہت۔

تیسرا مذہب اس میں اباحت علی الاطلاق ہے۔قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اسی کو اختیار کیا ہے صحابہ وتابعین کی ایک جماعت نے۔"والیہ ذهب احمد واسحاق وداؤد من الفقهاء ومنهم من کرهها علی الاطلاق وهو مشهور قول مالك ومنهم من کرهها للشاب واباحها للشیخ وهو المروی عن ابن عباس، وهو مذهب ابی حنیفة والشافعی والثوری والاوزاعی ومنهم من اباحها فی النفل ومنعها فی الفرض وهی روایة ابن وهب عن

مالك۔" (اوجز)

حافظؒ فرماتے ہیں "واباحها قوم مطلقاً بل بالغ بعض اهل الظاهر فاستحبها۔"
قاضی عیاض نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا جو مسلک مطلقاً اباحت لکھا ہے اس پر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ (اوجز: ۲۲/۴ میں) لکھتے ہیں کہ ہوسکتا ہے یہ ان کی کوئی روایت ہو ورنہ "الروض المربع" (جو فقہ حنبلی کی کتاب ہے) میں لکھا ہے: "تکره القبلة ودواعي الوطي لمن تحرك شهوته لانه عليه الصلوٰة والسلام نهى عنها شاباً ورخص لشيخ۔" (رواہ ابوداؤد)

کان املككم لارﺑﻪ: "ارب" کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے۔ 'اَرَب' بفتحتين بمعنی حاجت۔ اور "اِرْب" بكسر الهمزة وسكون الراء اس کے معنی حاجت اور عضو مخصوص دونوں لکھے ہیں۔ (مرقاۃ: ۵۱۶/۲)

مطلب

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت صوم میں تقبیل اور مباشرت فرماتے تھے لیکن وہ اپنی حاجت اور خواہش پر بہت زیادہ قابو یافتہ تھے، گویا اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہ کریں۔ دوسروں کے لئے اس کی اجازت نہیں۔

اور دوسرے معنی اس جملہ کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اپنے نفس پر قابو یافتہ ہونے کے مباشرت فرماتے تھے تو دوسروں کیلئے اس میں گنجائش بطریق اولیٰ ہوگی۔ چونکہ دوسروں کو اپنے نفس پر اتنا قابو نہیں۔ اول معنی مسلک جمہور کے مناسب ہیں۔ اور دوسرے معنی ان لوگوں کے موافق ہیں جو مطلقاً اباحت کے قائل ہیں۔ (الدر المنضود: ۲۱۵/۴)

فائدہ: (۱)...... شریعت مطہرہ کی جامعیت کا علم ہوا کہ لوگوں کے جذبات تک کی کتنی رعایت رکھی گئی ہے۔

(۲)...... بوڑھے، جوان کے احکام میں فرق ہوتا ہے، یہ بھی جامعیت کی دلیل ہے۔

روزہ دار کا جنابت کی حالت میں صبح کرنا

{۱۹۰۴} وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِيْ رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ مِّنْ غَيْرِ حُلْمٍ فَيَغْتَسِلُ وَيَصُوْمُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۵۸، کتاب الصوم، باب اغتسال الصائم، حدیث نمبر: ۱۸۹۰۔ مسلم شریف: ۱/۳۵۴، کتاب الصیام، باب صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر الخ، حدیث نمبر: ۱۱۰۹۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بغیر احتلام کے جنبی ہونے کی حالت میں ہوتے اور فجر کا وقت آجاتا پھر آپ غسل کرتے اور روزہ رکھتے۔

تشریح: رمضان میں احتلام ہو جائے یا ہم بستری کرلے اور غسل نہ کر سکے تو فوراً گھبرائے نہیں بلکہ اس حالت میں سحری کر کے بعد میں نہا کر فجر کی نماز پڑھے۔

یہ حدیث یہاں پر مختصر ہے، بخاری شریف میں مطولاً ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شروع میں اس بات کے قائل تھے کہ جس شخص کا ارادہ روزہ کا ہو اور رات میں اس کو جنابت لاحق ہوئی ہو تو اس کے لئے طلوع فجر سے پہلے غسل کرنا واجب ہے، ان کی یہ رائے حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پہنچ گئی، ان دونوں نے اس پر رد کرتے ہوئے وہ فرمایا جو یہاں حدیث الباب میں ہے، یعنی بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان کی رات میں جنبی ہوتے اور صبح صادق کے بعد غسل فرماتے۔

یہ مسئلہ اتفاقی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس حدیث کے بعد اپنی رائے سے رجوع فرمالیا تھا، البتہ ابن حزم یہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا شخص جس نے بحالت جنابت روزہ رکھا ہے غسل میں اتنی تاخیر کردے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جائے اور اس کی صبح کی نماز قضا ہو جائے تو ایسے شخص کا روزہ

فاسد ہوجائے گا۔ مسئلۃ الباب پر امام نووی نے علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ "استقر علیہ الاجماع"

اور ابن دقیق العید فرماتے ہیں: انہ صار ذلك اجماعا او كالاجماع۔

امام بخاریؒ نے بھی یہ ترجمہ قائم کیا ہے: "باب الصائم یصبح جنبا"

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ "الابواب والتراجم" میں لکھتے ہیں: "قال الحافظ ای هل یصح صومه ام لا وهل یفرق بین العامد والناسی او بین الفرض والتطوع وفی كل ذلك خلاف للسلف والجمهور علی الجواز مطلقاً فصارت المسئلة كالاجماعية بعدما كانت كثيرة الاختلاف وذكر العلامة العینی فیها سبعة اقوال كما ذكر فی هامش اللامع۔"

اس حدیث شریف کے آخر میں ہے: "من غیر حلم" شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احتلام کی نفی کی گئی ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو احتلام نہ ہوتا تھا، کیونکہ وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے معصوم ہیں، اور بعض شراح نے اس کے برخلاف یہ بات کہی ہے کہ "من غیر حلم" سے تو اشارہ ہو رہا ہے جواز احتلام کی طرف، ورنہ استثناء کی کیا ضرورت تھی، اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ احتلام کا اطلاق کبھی نفس انزال پر بھی ہوتا ہے، بغیر خواب میں کسی چیز کے دیکھے، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے (اوجز: ۲۱ / ۳ میں) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سے نقل کیا ہے کہ قول محقق اور معتمد یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اس قسم کے احتلام سے محفوظ ہوتے ہیں، جو جماع وغیرہ خواب میں دیکھ کر ہو جیسا کہ عامۃً ہوتا ہے، ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ ان کو انزال بغیر رویۃ شئ کے ہوجائے۔ امتلاء ادعیہ منی وغیرہ کی وجہ سے۔ (مرقاۃ: ۵۱۷ / ۲، الدر المنضود)

وعنها: یعنی یہ روایت بھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

فی رمضان: یعنی ماہ رمضان کے بعض دنوں میں۔

وهو جنب من غیر حلم: یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ جنابت احتلام کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ جنابت ہم بستری کی بنیاد پر ہوتی تھی۔

فیغتسل و یصوم: یعنی صبح آپ نہاتے اور روزہ پورا فرماتے تھے، اس لئے عام علماء کا رجحان ہے کہ رمضان کی رات میں کوئی ناپاک ہوجائے اور غسل نہ کر سکے تو وہ صبح صادق کے بعد غسل کر کے روزہ پورا کرلے اس میں کوئی حرج نہیں۔ (التعلیق:٣٨٦/٢)

روزہ کی حالت میں پچھنہ لگانا

{١٩٠٥} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ٢٦٠/١، کتاب الصوم، باب الحجامة الخ، حدیث نمبر: ١٨٩٧۔ مسلم شریف: ٣٨٣/١، کتاب الحج، باب جواز الحجامة للمحرم، حدیث نمبر: ١٢٠٢۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنہ لگوایا حالانکہ آپ محرم تھے اور پچھنہ لگوایا حالانکہ آپ روزے دار تھے۔

تشریح: احرام اور روزے کی حالت میں پچھنہ لگوانا درست ہے۔ البتہ اس سے ضعف اور کمزوری لاحق ہوتی ہے، اس لئے مکروہ ہے۔

احتجم وھو محرم و احتجم وھو صائم: یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت میں پچھنہ لگوایا کہ آپ محرم بھی تھے اور روزہ دار بھی تھے، یعنی احرام اور روزہ دونوں جمع تھے، اس روایت کی بنیاد پر حضرات احناف، موالک اور شوافع کا کہنا ہے کہ روزے کی حالت میں پچھنہ لگوانا درست ہے لیکن حضرات حنابلہ کا کہنا ہے کہ روزے کی حالت میں پچھنہ لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (التعلیق:٣٨٧/٢)

ان حضرات کی دلیل شداد بن اوس کی وہ روایت ہے جو آگے آرہی ہے، جس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حاجم اور محجوم دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

"وعن شداد بن اوس ان رسول لله صلی اللہ علیہ وسلم اتیٰ رجلا بالبقیع وهو یحتجم وهو آخذ بیدی لثمانی عشرة خلت من رمضان فقال افطر الحاجم والمحجوم." رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ۔ (مرقات: ۲/ ۲۶۹) حضرت ائمہ ثلاثہ کی دلیل حدیث باب ہے۔

جواب: حضرات حنابلہ کی مستدل روایت کا جواب یہ ہے کہ وہ روایت منسوخ ہے اس لئے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت پہلے کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت اس کے بعد کی یعنی حجة الوداع کے موقع کی ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ بعد کی روایتیں پہلے کی روایتوں کے لئے ناسخ ہوا کرتی ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں۔ مرقاۃ: ۵۲۳ / ۲ تحت حدیث شداد بن اوس، طیبی: ۱۹۱ / ۴)

روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لینا

{۱۹۰۶} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِیَ وَهُوَ صَائِمٌ فَاَکَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْیُتِمَّ صَوْمَہٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَہُ اللّٰہُ وَسَقَاہُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۵۹، کتاب الصوم، باب الصائم اذا اکل الخ، حدیث نمبر: ۱۸۹۲۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۶۴، کتاب الصیام، باب اکل الناس الخ، حدیث نمبر: ۱۱۵۵۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لیا تو وہ اپنا روزہ پورا کرلے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کھلایا پلایا۔

تشریح: روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

حنفیہ اور شوافع کے یہاں اکل وشرب اور جماع ناسیاً مفسد صوم نہیں۔ خواہ صوم رمضان ہو یا غیر رمضان۔

حضرت ربیعہؒ اور مالکیہؒ کے یہاں ان میں سے ہر ایک مفسد صوم ہے اور اس پر قضاء واجب ہے، کفارہ نہیں۔

حضرت عطاءؒ، لیث بن سعدؒ اور امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جماع ناسیاً میں قضا واجب ہے، اکل اور شرب میں نہیں۔

اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جماع ناسیاً میں قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں، اور اکل وشرب میں کچھ بھی واجب نہیں۔

روایتِ مذکورہ احناف اور شوافع کی دلیل ہے، اگرچہ اس میں اکل وشرب کا ذکر ہے، مگر ترک جماع اسی طرح رکن صوم ہے، جس طرح ترک اکل وشرب رکن صوم ہے، اس لئے اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔ نیز ہمارا ایک استدلال دارقطنی:۱۷۸/۲ رکی روایت سے بھی ہے: "عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من افطر فی شھر رمضان ناسیا فلا قضاء علیہ ولا کفارۃ" اس میں مطلقاً افطار کا ذکر ہے۔ (المجموع شرح المھذب:۳۲۴/۶، مرقاۃ:۵۱۷/۲) نفحات التنقیح:۱۷۹/۳۔

کفارہ

{۱۹۰۷} **وَعَنْهُ** قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْجَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْتُ قَالَ مَالَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَاَتِيْ وَاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَاقَالَ هَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْناً قَالَ لَاقَالَ اِجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ قَالَ اَيْنَ السَّآئِلُ قَالَ اَنَا قَالَ خُذْهٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ

الرَّجُلُ اَعَلٰیٰ اَفْقَرَ مِنِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَوَاللّٰہِ مَابَیْنَ لَابَتَیْھَا یُرِیْدُ الْحَرَّتَیْنِ اَھْلَ بَیْتٍ اَفْقَرُ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ فَضَحِکَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی بَدَتْ اَنْیَابُہٗ ثُمَّ قَالَ اَطْعِمْہُ اَھْلَکَ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۵۹، کتاب الصوم، باب اذا جامع فی رمضان الخ، حدیث شریف: ۱۸۹۵۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۵۴، کتاب الصیام، باب تغلیظ تحریم الجماع الخ، حدیث نمبر: ۱۱۱۱۔

حل لغات: ھلکت: ھَلَکَ (ض، ف) ھَلَاکاً فنا ہونا، ہلاک ہونا، تجد: وَجَدَ (ض) وَجْداً پانا، رقبۃ: غلام جمع رِقَاب۔

ترجمہ: ان یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک آدمی نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو ہلاک ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہوگیا؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس غلام ہے جسے آزاد کردو، اس نے کہا کہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کیا دو ماہ لگاتار روزہ رکھ سکتے ہو؟ انہوں نے کہا: کہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کیا آپ ساٹھ مسکین کے کھانے کا نظم کرسکتے ہو؟ انہوں نے کہا: کہ نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بیٹھ جاؤ، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش رہے۔ ہم لوگ اسی حال میں تھے کہ اتنے میں ایک آدمی عرق لے کر آیا، جس میں کھجور تھی اور عرق بڑے تھیلے کو کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سائل کہاں ہے؟ انہوں نے کہا جی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس کو لے کر صدقہ کردو۔ تو اس آدمی نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ایسے شخص پر صدقہ کروں جو مجھ سے زیادہ فقیر ہے؟ خدا کی قسم مدینہ منورہ کے مشرق و مغرب کے درمیان میرے گھر والوں سے زیادہ محتاج کوئی گھر نہیں ہے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے ڈاڑھ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس کو اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔

تشریح: اس رجل کی تعیین میں شراح کا اختلاف ہورہا ہے، بعض نے اس کا مصداق سلمۃ بن صخر انصاری البیاضی رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے، جن کا قصہ باب الظہار میں گذر چکا، لیکن حافظ نے اس پر اشکال کیا ہے کہ سلمۃ بن صخر صاحب قصۂ ظہار کے جماع کا واقعہ رات کا ہے، جیسا کہ روایت میں اس کی تصریح ہے اور حدیث الباب میں جماع کا واقعہ بحالت صوم نہار کا ہے، لہٰذا دونوں واقعے مختلف ہیں۔ اور بعض نے فرمایا: کہ ان کا نام سلیمان یا سلمہ تھا، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۱۸)

مضمون حدیث

مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں تو ہلاک ہوگیا اور میرا ناس ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر اس نے عرض کیا کہ میں نے روزہ کی حالت میں جماع کرلیا، اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اشیاء کفارہ میں واجب ہوتی ہیں وہ اس سے ترتیب وار دریافت فرمائیں۔ اولاً اعتاق رقبہ، ثانیاً صوم شہرین متتابعین، ثالثاً اطعام ستین مسکینا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے ہر ایک کے بارے میں دریافت فرمایا: کیا تو اس کی طاقت رکھتا ہے کہ کفارہ میں ایسا کرے، وہ نفی میں جواب دیتا رہا، اخیر میں جب اطعام کا نمبر آیا تو اس نے اس کا بھی انکار کیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اچھا بیٹھا رہ (کہ اگر کہیں سے غلہ وغیرہ کچھ آگیا تو اس کا بندوبست کریں گے۔)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے ایک بڑی زنبیل کھجور کی آئی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ زنبیل اس کے حوالہ کرکے فرمایا: کہ جا اس کو صدقہ کردے، اس پر اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مدینہ منورہ کی پوری بستی میں ہمارے گھرانہ سے زیادہ کوئی ضرورت مند نہیں ہے، اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بڑی زور کی ہنسی آئی، آخر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اچھا یہ اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دے۔

اس حدیث شریف میں کفارہ کے بارے میں جو تین چیزیں مذکور ہیں ان میں مذکورہ بالا

ترتیب کی رعایت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں تخییر ہے۔

اطعام ستین مسکین کی مقدار میں ائمہ کا جو اختلاف ہے، یعنی "مد من کل شئ عند الشافعی، ومدان من کل شئ عند مالك وقیل مالك مع الشافعی، وعند الحنفیة مقداره مثل مقدار صدقة الفطر لكل مسكين، وعند احمد من البر مد، ومن التمر وغيره مدان"

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ

جاننا چاہئے کہ اگر کوئی شخص جماع کے ذریعہ فرض روزہ کو فاسد کردے تو اس پر ائمہ اربعہ کے نزدیک کفارہ مع القضاء واجب ہے، اس میں دو مذہب اور ہیں جو شاذ ہیں، ایک یہ کہ اس صورت میں صرف قضاء صوم واجب ہے، یعنی ایک روزہ کی قضا میں ایک روزہ اور دوسرا مذہب یہ کہ صرف کفارہ واجب ہے، دون القضاء۔

افساد صوم بالاکل والشرب میں اختلاف ائمہ

دوسرا ایک مشہور اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو حکم افساد صوم بالجماع کا ہے، وہی حکم افساد صوم بالاکل والشرب کا ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ظاہریہ کے نزدیک یہ کفارہ صرف جماع کی صورت میں ہے، اکل وشرب کی صورت میں نہیں، اسلئے کہ کفارہ کا ذکر حدیث میں صرف جماع کے ساتھ وارد ہے، اور افساد صوم بالاکل والشرب کا کوئی قصہ کسی حدیث میں وارد ہی نہیں، اس لئے ان حضرات کے نزدیک کفارہ مختص ہے، جماع کے ساتھ، وہ کہتے ہیں کہ جماع میں کفارہ کا وجوب بالنص یہ خلاف قیاس ہے، اس لئے کہ کفارہ اسقاط اثم کے لئے ہوتا ہے اور وہ شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں تائباً ونادماً حاضر ہوا تھا، توبہ وندامت سے گناہ معاف ہو ہی جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر کفارہ واجب قرار دیا، لہٰذا یہ حکم خلاف قیاس ہوا،

اور مشہور قاعدہ ہے کہ جو حکم خلاف قیاس نص سے ثابت ہو وہ اپنے مورد پر منحصر ہوتا ہے، ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ بعض صحیح روایات میں اس طرح آتا ہے "اِنَّ رَجُلًا اَفْطَرَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَنْ یُّعْتِقَ رَقَبَۃً۔ رواہ مسلم وابوداؤد۔" اور لفظ افطر اپنے عموم کی وجہ سے جماع اور غیر جماع سب کو شامل ہے۔ "کذا قال الزیلعی فی شرح الکنز" میں کہتا ہوں یہ حدیث اسی سیاق کے ساتھ مؤطا میں بھی ہے۔ "اِنَّ رَجُلًا اَفْطَرَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُکَفِّرَ۔ الحدیث" مؤطا امام محمدؒ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کے بعد فرماتے ہیں "وبھذا ناخذ اذا افطر الرجل متعمدا فی شھر رمضان باکل او شرب او جماع فعلیہ قضاء یوم مکانہ و کفارۃ الظھار وھی ان یعتق رقبۃ الی آخرہ۔" امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال بھی عموم الفاظ کے پیش نظر ہے۔ قیاس سے نہیں۔ باقی یہ تو امر آخر ہے کہ اس روایت میں بظاہر اس رجل سے مراد وہی شخص ہے جو روایات مفصلہ میں آتا ہے، جس کا تعلق جماع سے ہے، اس کے علاوہ ایک روایت اس سلسلہ میں صریح اکل کے بارے میں بھی ملتی ہے جس کو حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے حاشیہ مؤطا میں نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا اَکَلَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُعْتِقَ رَقَبَۃً۔ الحدیث۔ اخرجہ الدار قطنی۔" گو یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، لیکن اول تو بعض صحیح روایات کے سیاق کا عموم، دوسرے احتیاط، اس مجموعہ کے پیش نظر یہ حجت درست ہے۔

دوسرا مسئلہ: حدیث میں کفارہ کی ترتیب بیان کی گئی ہے کہ پہلے عتق رقبہ ہے، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو روزہ رکھنا ہے، اگر اس کی قوت نہ ہو تو اطعام مساکین ہے، تو اگر صوم کی استطاعت ہو تو مسکین کو کھلانے سے ادا نہیں ہوگا۔ اب حدیث شریف میں مذکور ہے کہ اس شخص نے شدت شہوت کا عذر پیش کیا کہ روزہ نہیں رکھ سکتا افطار پر مجبو ہو جاؤنگا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اطعام مسکین کا حکم دیا۔ اب اس میں بحث ہوئی کہ شدت شہوت عدم استطاعت علی الصوم کی دلیل ہو سکتی ہے یا نہیں؟ کہ اس کی وجہ سے انتقال الی الاطعام کا حکم ہو تو شوافع کا صحیح مذہب یہ ہے کہ شدت شبق عذر ہے ہر ایک کے لئے لہٰذا جس کی بھی یہ حالت ہوگی اس کو روزہ کے بجائے اطعام کا حکم ہوگا۔ اور حنفیہ کے نزدیک یہ عذر نہیں ہے اور

حدیث کا حکم اسی شخص کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ خود شوافع بھی اپنا کفارہ اپنے اہل وعیال کو کھلانے کے حکم کو اس کے ساتھ خاص مانتے ہیں تو جب ایک مسئلہ میں وہ تخصیص کا دعویٰ کرتے ہیں تو دوسرے مسئلہ میں ہمیں بھی تخصیص کی گنجائش ہونی چاہئے۔

تیسرا مسئلہ: اطعمه اهلک: یہاں جو اپنے اہل وعیال کو کھلانے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ جمہور کے نزدیک اپنے اہل وعیال کو کفارہ دینے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا تو اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں:

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اطعام اہل کا حکم اس کی خصوصیت پر محمول ہے، یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطور خاص اس کو اجازت عطا فرمائی تھی کہ وہ کھجوریں بطور کفارہ اپنے اہل وعیال کو کھلائے، چونکہ یہ ایک مخصوص معاملہ تھا اسلئے کسی دوسرے کیلئے یہ جائز نہیں ہے، لیکن اس قول کو رد کیا گیا ہے کہ اصل عدم خصوصیت ہے، جب تک خصوصیت کی دلیل موجود نہ ہو۔

بعض حضرات نے کہا کہ پہلے کفارہ اپنے اہل وعیال کو دینا جائز تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، لہٰذا اب کفارہ اپنے اہل وعیال کو دینا جائز نہیں ہے، لیکن اس قول کے قائل نے ناسخ کو بیان نہیں کیا۔

بعض نے کہا: کہ یہاں پر اہل سے اہل وعیال مراد نہیں، بلکہ وہ رشتہ دار مراد ہیں جن کا نفقہ اس پر لازم نہیں تھا۔ اس قول کو بھی ضعیف کہا گیا ہے، اس لئے کہ بعض روایت میں "عیالک" کا لفظ آیا ہے۔

بعض نے کہا: کہ وہ شخص اپنے اہل کے نفقہ سے عاجز تھا، اس لئے کفارہ کو اپنے اہل پر خرچ کرنا اس کے لئے جائز تھا۔

شیخ تقی الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ اعطاء علی وجه الکفارة نہ تھا، بلکہ علی وجه التصدق تھا، جہاں تک تعلق ہے کفارہ کا تو وہ ساقط نہیں ہوگا، بلکہ زمانۂ یسر تک اس کے ذمہ باقی رہے گا اور یسر آنے پر اس کا ادا کرنا ہوگا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ: بذل: ۲۲۳/۱۱، التعلیق: ۳۸۷/۲، فتح القدیر: ۲۶۴/۲۔ (نفحات التنقیح: ۱۸۰/۳)

فائدہ: حدیث پاک سے آنحضرت ﷺ کی نرمی وشفقت اور مذہب اسلام میں احکام میں حددرجہ آسانی کا علم ہوا۔

(۲)...... **فائدۂ عجیبہ!** حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری: ۱۷۳/۴ رمیں بیان فرمایا ہے کہ بعض متاخرین نے اس حدیث شریف پر خاص توجہ فرمائی اور دو جلدوں میں اس کی شرح فرمائی اور ایک ہزار فوائد بیان فرمائے۔(اوجزالمسالک:۱۵۸/۵،کتاب الصوم)

الفصل الثانی

روزہ کی حالت میں تقبیل

{۱۹۰۸} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا کَانَ یُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَیَمُصُّ لِسَانَهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۳۲۴/۱، کتاب الصیام، باب الصائم یبلع الریق، حدیث نمبر:۲۳۸۶۔

حل لغات: یقبلها: قَبَّلَ (تفعیل) بوسہ لینا۔ یمص: مَصَّ (ن) مَصًّا چوسنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں ان کا بوسہ لیتے اور ان کی زبان چوستے تھے۔

تشریح: اس حدیث شریف کا جزءاول تو ظاہر ہے۔وہ پہلے بھی گذر چکا۔

حدیث شریف پر اشکال

البتہ یہ آخری جزء یعنی "مص لسان" یہ قابل اشکال ہے،اس لئے کہ اس میں ابتلاع ریق پایا جاتا ہے،یعنی دوسرے شخص کا لعاب نگلنا۔اپنے لعاب کا نگلنا روزہ کی حالت میں یہ تو بالاتفاق جائز ہے۔ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ ابتلاع ریق غیر مفسد صوم ہے اور اس میں روزہ کی قضاء واجب ہے۔بہرحال

اس حدیث شریف کا یہ جزء قابل اشکال ہے۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے ساتھ محمد بن دینار متفرد ہے۔ "وھو ضعیف" ایسے ہی سعد بن اوس بھی ضعیف ہے، اور اس کے علاوہ کسی اور صحیح حدیث سے "مص لسان" ثابت نہیں۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "ویمص لسانھا" مستقل جملہ ہے، یہ واؤ عاطفہ نہیں بلکہ استئنافیہ ہے، اس صورت میں اس کا تعلق وھو صائم سے باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ ایک مستقل بات ہوگی جس میں کوئی اشکال نہیں، اور اگر اس کا ما قبل پر عطف ہی مانا جائے تو پھر یہ تاویل بھی ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ریق عائشہ کو نگلتے نہ تھے، بلکہ بالقصد منھ سے باہر پھینک دیتے تھے۔ (التعلیق: ٣٨٨/٢، مرقاۃ: ٥٢٠/٢) (الدر المنضود: ٢١٦/۴)

تنبیہ: رشتۂ ازدواج میں اس قسم کے واقعہ کا پیش آنا غیر فطری امر نہیں ہے، اسلئے روزے کے حکم کے سلسلہ میں اس کا بیان بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اس کے بیان کو حیاء کے خلاف سمجھ کر حدیث پر اعتراض کرتا ہے تو وہ انصاف نہیں کرتا، چونکہ احکام کا بیان تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی دوسرے کے ذریعہ سے نہیں ہوسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے اس کو بیان کیا ہے، اگر روزہ اہم ہے تو اس کے احکام بھی اہم ہیں، اس حدیث شریف سے واضح ہوگیا کہ روزے کی حالت میں بوس وکنار جائز ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح زبان کا چوسنا بھی جائز ہے، اگر زوجہ کی زبان سے لعاب اپنے منھ میں نہ آئے، یا اگر آئے تو اس کو تھوک دیا جائے۔ (نفحات التنقیح: ١٨٢/٢)

فائدہ: امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا اس نوع کی خفیہ باتوں کا بیان فرمانا آنحضرت ﷺ کی نبوت کا مستقل معجزہ ہے۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن جانتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اور پیغمبر ہیں اور آنحضرت ﷺ کا ہر قول وفعل شریعت ہے اور امانت

ہے اور ہمارے ذمہ اس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کے علاوہ دنیا میں کوئی انسان نہیں گذرا جس کی پوشیدہ گھریلو زندگی اس کی بیویوں نے عوام الناس کے سامنے اس طرح بیان کی ہو اور اس کو اس طرح محفوظ رکھا گیا ہو۔

(۲)...... وہ حضرات جو نئے شادی شدہ ہوں اور تمام رمضان دن میں بیوی سے بالکل اجتناب ان کے لئے انتہائی دشوار ہو ان کے لئے تقبیل وغیرہ کی اجازت کتنی بڑی آسانی اور شریعت کا کتنا بڑا احسان ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

روزہ دار کے لئے مباشرت

{۱۹۰۹} وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهٗ وَاَتَاهُ آخَرُ فَسَاَلَهٗ فَنَهَاهُ فَاِذَا الَّذِيْ رَخَّصَ لَهٗ شَيْخٌ وَاِذَا الَّذِيْ نَهَاهُ شَابٌّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۳۲۴، کتاب الصیام، باب کراھیۃ للشاب، حدیث نمبر: ۲۳۸۷۔

حل لغات: المباشرۃ: باشر (مفاعلت) ملنا، فرخص: رَخَّصَ (تفعیل) ممانعت کے بعد اجازت دینا، شیخ بوڑھا جمع شُیُوخ، شَاب جوان جمع شُبَّان۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے جناب نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ روزے کی حالت میں مباشرت کرنا کیسا ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو اجازت فرمادی اور دوسرے نے آکر پوچھا تو اس کو منع فرمادیا پس دیکھا تو وہ شخص جس کو آپ نے اجازت دی تھی وہ بوڑھا تھا اور وہ شخص جس کو منع فرمایا وہ جوان تھا۔

تشریح: عن المباشرۃ للصائم: یہاں مباشرت سے وہ مباشرت مراد نہیں ہے جسے جماع کہتے ہیں بلکہ یہاں مباشرت سے بیوی کے ساتھ لیٹنا چمٹنا وغیرہ مراد ہے۔

فاذا الذی رخص لہ شیخ و اذا الذی نہاہ شاب: یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے جس شخص کو مباشرت کی اجازت دی وہ بوڑھا تھا اور جس کو مباشرت سے منع کیا وہ جوان تھا، وہ اس لئے کہ بوڑھے کو اپنے اوپر کنٹرول ہوتا ہے جوان کو جنسی خواہش کے سلسلے میں اپنے اوپر کنٹرول نہیں ہوتا ہے، جوان کو اگر مباشرت کی اجازت دی جائے وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکے گا اور جماع میں مبتلا ہو جائے گا جس کی وجہ سے میاں بیوی دونوں کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اس لئے جوان کو روزے کی حالت میں مباشرت سے منع فرمادیا۔ گویا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جواب مبنی برحکمت ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۲۰)

فائدہ: معلوم ہوا کہ ہر سائل کا حکم یکساں نہیں ہوتا۔

(۲)...... مفتی کے لئے ضروری ہے کہ سائل کی حالت کے اعتبار سے جواب دے۔

(۳)...... یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ میں جوان، بوڑھے ہر شخص کی ضرورت وغیرہ کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔

روزہ کی حالت میں قے

{۱۹۱۰} **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْئُ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَّمَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ۔ ﴿رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ﴾ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَّا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عِيْسَى ابْنِ يُوْنُسَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَّعْنِيْ الْبُخَارِيَّ لَااُرَاهُ مَحْفُوْظًا۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۵۳، ابواب الصوم، باب ماجاء فی من استقاء الخ، حدیث نمبر: ۷۲۰۔

ابوداؤد شریف: ١/٣٢٤، کتاب الصیام، باب الصائم یستقی عامدا، حدیث نمبر:٢٣٨٠۔ ابن ماجہ شریف: ١٢٠، ابواب الصیام، باب ماجاء فی الصائم یقیئ، حدیث نمبر:١٦٧٦۔ دارمی: ٢/٢٤، کتاب الصوم، باب الرخصة فی القیئ، حدیث نمبر:١٧٢٩۔

حل لغات: ذرعہ: ذَرَعَ (ف) ذَرْعًا القی خود بخود آنا، القیئ: الٹی، قاء (ض) قَیئاً قے کرنا، الٹی ہونا اِسْتِقَاءَ قے کرنا، فلیقض، قضی (ض) قضاء: قضا کرنا، بعد میں ادا کرنا۔

ترجمہ: ان سے یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس شخص کو روزہ کی حالت میں قے ہوجائے اس پر قضا نہیں اور جو شخص جان بوجھ کر قے کرے اس کو چاہئے کہ قضا کرے، اس کو ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو عیسی بن یونس کے علاوہ سے نہیں جانتے ہیں اور محمد یعنی بخاری نے کہا کہ میں اس کو محفوظ نہیں سمجھتا ہوں۔

قے کا حکم

تشریح: اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ اگر خود بغیر قصد کے قے آئے تو یہ مفسد صوم نہیں ہے، اور اگر قصداً قے کی جائے تو روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ البتہ حنفیہ کے یہاں اس میں قدرے تفصیل ہے، کل بارہ صورتیں بن جاتی ہیں، وہ اس طرح کہ قے یا تو خود بخود آئی ہوگی یا اسے قصداً لایا گیا ہوگا، پھر ان دوصورتوں میں سے ہر ایک یا تو منہ بھر کے ہوگی یا منہ بھر کے نہیں ہوگی، پھر ان چارصورتوں میں سے ہر ایک یا تو خارج ہوئی ہوگی یا خودبخود واپس ہوئی ہوگی، یا اسے واپس کردیا گیا ہوگا۔

قے کی بارہ صورتوں کی تفصیل

(١)...... قے خود آئے منہ بھر کر ہو اور خارج ہوجائے اس صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ''لقوله علیه السلام من ذرعه القیء وهو صائم فلیس علیه قضاء

لان الصوم لم یفسد"

(۲)...... قے خود آئے منہ بھر کو ہو اور واپس ہو جائے اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا۔ "لانہ خارج شرعا حتی انقضت بہ الطھارۃ وقد دخل" اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ "لانہ لم توجد صورۃ الافطار وھو الابتلاع ولا معناہ اذ لا یتغذی بہ"

(۳)...... قے خود آئے منہ بھر کر ہو اور واپس کر دی جائے، اس صورت میں بالاتفاق روزہ فاسد ہو جائے گا۔ "فاما عند ابی یوسف رحمہ اللہ فللدخول بعد تحقق الخروج شرعا۔ واما عند محمد فللصنع"

(۴)...... قے خود آئے منہ بھر سے کم ہو اور خارج ہو جائے، اس صورت میں بالاتفاق روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ "لقولہ علیہ السلام من ذرعہ القیٔ وھو صائم فلیس علیہ القضاء لان الصوم لم یفسد"

(۵)...... قے خود آئے منہ بھر سے کم ہو اور واپس ہو جائے، یہ صورت بھی بالاتفاق مفسد صوم نہیں ہے۔ "لحدیث السابق"

(۶)...... قے خود آئے منہ بھر سے کم ہو اور واپس کر دی جائے، تو یہ صورت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مفسد صوم نہیں۔ "لعدم الخروج شرعا" اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صورت مفسد صوم ہے۔ "لوجود الصنع"

(۷)...... قصداً قے کرے منہ بھر کر ہو اور خارج ہو جائے۔

(۸)...... قصداً قے کرے منہ بھر کر ہو اور واپس ہو جائے۔

(۹)...... قصداً قے کرے منہ بھر کر ہو اور واپس کر دی جائے۔

ان تینوں صورتوں میں بالاتفاق روزہ فاسد ہو جائے گا۔ "لقولہ علیہ السلام من استقاء عمدا فلیقض"

(۱۰)......قصداً قے کرے منہ بھر سے کم ہو اور خارج ہو جائے۔

(۱۱)......قصداً قے کرے منہ بھر سے کم ہو اور واپس ہو جائے۔

(۱۲)......قصداً قے کرے منہ بھر سے کم ہو اور واپس کر دی جائے، ان تینوں صورتوں میں بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا۔ "لاطلاق الحدیث۔"

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی دو صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ "لعدم تحقق الخروج شرعا" البتہ آخری صورت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں: ایک یہ کہ اس صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ "لعدم الخروج شرعا" اور دوسری روایت یہ ہے کہ روزہ فاسد ہو جائے گا۔ "لکثرۃ الصنع" (فتح القدیر: ۲۵۹/۳، معارف السنن: ۳۸۶/۵) (نفحات التنقیح: ۱۸۳/۳)

جان بوجھ کر قے کرنا

{۱۹۱۱} وَعَنْ مَّعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَآءِ حَدَّثَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ فَلَقِيْتُ ثَوْبَانَ فِيْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَقُلْتُ اِنَّ اَبَا الدَّرْدَآءِ حَدَّثَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ صَدَقَ وَاَنَا صَبَبْتُ لَهٗ وَضُوْءَهٗ۔ ﴿رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ﴾

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۳۲۴/۱، کتاب الصیام، باب الصائم یستقی عامدا، حدیث نمبر: ۲۳۸۱۔ ترمذی شریف: ۲۵/۱، ابواب الطھارۃ، باب الوضوء من القئ الخ، حدیث نمبر: ۸۷۔ دارمی: ۲۴/۲، باب القی للصائم، حدیث نمبر: ۱۷۲۸۔

حل لغات: قَاءَ (ض) قیئًا قے کرنا، الٹی کرنا، لقیت: لقی (ض) لِقَاءً ملنا، ملاقات کرنا، صببت: صَبَّ (ن) صَبًّا الماء پانی انڈیلنا۔

ترجمہ: حضرت معدان بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

ان سے بیان کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور روزہ افطار فرمادیا،معدان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چنانچہ میں نے دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کرکے کہا: کہ ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے بیان کیا: کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قے فرمائی اور روزہ افطار فرمادیا تھا۔ تو حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا انہوں نے سچ کہا اور میں نے ہی ان (آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لئے وضو کیلئے پانی ڈالا تھا۔

تشریح: اس حدیث شریف میں ہے: "قاء فافطر" جس سے بظاہر قے کا مفطر صوم ہونا معلوم ہورہا ہے، جو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے خلاف ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کی طرف سے اس حدیث شریف کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب قے ہوئی تو بوجہ ضعف لاحق ہونے کے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قصداً روزہ کھولدیا، اور یہ مطلب نہیں کہ قے ہونے کی وجہ سے افطار ہوگیا، بلکہ قصداً افطار فرمادیا۔

دوسرا مسئلہ اس حدیث شریف میں یہ ہے کہ اس سے بظاہر قے کا ناقض وضو ہونا ثابت ہورہا ہے، جیسا کہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے، شافعیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں وضو سے مراد وضو لغوی ہے، کلی وغیرہ کرنا، یا استحباب وضو پر محمول ہے۔(مرقاۃ:۵۲۱/۲، الدر المنضود:۲۱۴/۴)

فائدہ: حدیث پاک سے اپنے بڑوں کو وضو کرانے کا جواز اور استحباب معلوم ہوا۔ باقی تفصیل "کتاب الوضوء" میں گذر چکی۔

روزہ کی حالت میں مسواک کرنا

{۱۹۱۲} **وَعَنْ** عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَا اُحْصِيْ يَتَسَوَّكُ وَهُوَ صَائِمٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۵۴، ابواب الصوم، باب ماجاء فی السواک للصائم، حدیث

نمبر:۷۲۵۔ابو داؤد شریف: ۱/ ۳۲۲، کتاب الصیام، باب السواک للصائم،حدیث نمبر: ۲۳۶۴۔

حل لغات: یتسوک: سَاکَ (ن) سَوْ کاً رگڑنا،تسوّکَ (تفعل) مسواک کرنا۔

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان گنت مرتبہ روزے کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح: روزہ دار بلا کسی روک ٹوک کے بحالت روزہ مسواک کرسکتا ہے۔

بحالت صوم مسواک کرنے کا حکم اور اختلاف فقہاء

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ صائم کے لئے کسی بھی وقت مسواک کرنا جائز بلکہ سنت ہے، حضرات حنفیہ ومالکیہ اور جمہور کا یہی مسلک ہے۔

جب کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے زوال کے بعد مسواک کو مکروہ کہا ہے، امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ان کا استدلال "لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسك" والی حدیث سے ہے، چونکہ مسواک کرنے سے منہ کی بدبو زائل ہوجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مرغوب اور پسندیدہ ہے، اس لئے اسے مکروہ کہا جائے گا۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ مسواک سے دانتوں کی بو زائل ہوتی ہے اور حدیث "لخلوف فم الصائم" میں جس بو کا ذکر ہے اس سے مراد وہ بو ہے جو معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور یہ مسواک کرنے سے زائل نہیں ہوتی۔ (نفحات التنقیح: ۳/۱۸۴، مرقاۃ: ۲/۵۲۱، طیبی: ۴/۱۹۵)

فائدہ: حدیث پاک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسواک سے تعلق اور اس کا اہتمام معلوم ہوا۔

روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا

{۱۹۱۳} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ

اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اشْتَكَيْتُ عَيْنَيَّ اَفَاَكْتَحِلُ وَاَنَا صَآئِمٌ قَالَ نَعَمْ۔ ﴿رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ﴾ وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَاَبُوْعَاتِكَةَ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۵۴، ابواب الصوم، باب ماجاء فی الکحل للصائم، حدیث نمبر:۷۲۶۔

حل لغات: اشتکیت: اِشْتَکٰی (افتعال) آنکھوں میں درد ہونا، اِکْتَحَلَ (افتعال) سرمہ لگانا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت رسول اکرم ﷺ کے پاس آکر عرض کیا کہ میری آنکھوں میں درد ہے کیا میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ حالانکہ میں روزے سے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ہاں۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا کہ اس کی سند قوی نہیں ہے اس لئے کہ ابو عاتکہ ضعیف ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف سے یہ اصول معلوم ہوا کہ مسامات کے ذریعہ سے اگر کوئی شی جذب ہو کر بطن میں پہنچ جائے تو وہ مفسد صوم نہیں، البتہ منافذ کے ذریعہ اگر کوئی شی بطن میں پہنچ جائے تو وہ مفسد ہوگی، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے کہ حالت صوم میں سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی مکروہ ہے۔ اگرچہ سرمہ کی سیاہی تھوک میں نظر آنے لگے، یا حلق میں اس کا مزہ محسوس ہو جائے، چونکہ سرمہ کا اثر مسامات کے ذریعہ منتقل ہوتا ہے، باقی ناک، منہ یا مخرجین (قبل، دبر) کے ذریعہ اگر کوئی شی پیٹ میں جائے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

البتہ امام احمدؒ، اسحاق اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صائم کیلئے سرمہ لگانا مکروہ ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بعض لوگوں نے کراہت کا قول نقل کیا ہے اور بعض لوگوں نے عدم کراہت کا۔

جب کہ ابن شبرمہؒ اور ابن ابی لیلیٰ صائم کے لئے سرمہ لگانے کو بالکل مفسد صوم کہتے ہیں۔

ان کا استدلال ابوداؤد کی روایت سے ہے: "انه علیه السلام امر بالاثمد المروح عند النوم وقال لیتقه الصائم"

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، لہٰذا قابل استدلال نہیں ہے۔
حدیث باب بھی اگرچہ ضعیف ہے، لیکن چونکہ اس مضمون کی متعدد روایات اور بھی منقول ہیں، اس لئے یہ سب مل کر قابل استدلال ہوجاتی ہیں۔ (مرقاۃ: ۵۲۲/۲، طیبی: ۱۹۵/۴، نفحات التنقیح: ۱۸۵/۳)

روزہ دار کا سر میں پانی ڈالنا

{۱۹۱۴} وَعَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلٰى رَاسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِّنَ الْعَطَشِ اَوْ مِنَ الْحَرِّ۔ ﴿رَوَاهُ مَالِكٌ وَّاَبُوْدَاؤُدَ﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۳۲۲/۱، کتاب الصیام، باب الصائم یصب علیہ الماء الخ، حدیث نمبر: ۲۳۶۵۔ مؤطا امام مالک: ۸۹، کتاب الصیام، باب ما جاء فی الصیام فی السفر، حدیث نمبر: ۲۲۔

حل لغات: بالعرج: مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مدینے سے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

ترجمہ: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں نے مقام عرج میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں اپنے سر پر پانی بہا رہے ہیں، پیاس کی وجہ سے یا گرمی کی وجہ سے۔

تشریح: یہاں پر یہ حدیث مختصر ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں اس طرح ہے وہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ والے سال رمضان کے مہینہ میں ہم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک منزل پر پہنچ کر جب کہ آپ خود تو روزہ سے تھے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "انکم قد دنوتم من عدوکم والفطر اقوی لکم" کہ اب تم دشمن کے قریب پہنچ گئے ہو (گویا مقابلہ کا وقت آ رہا ہے) ایسی صورت میں افطار

تمہارے لئے موجب قوت ہوگا، پھر آگے حدیث الباب میں یہ ہے، صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا مقام عرج میں (یہ مکہ مدینہ کے درمیان ایک منزل کا نام ہے) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر پانی بہا رہے تھے، جبکہ آنحضرت ﷺ صائم تھے، پیاس یا گرمی کی وجہ سے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہو رہا ہے کہ روزہ دار کے لئے روزہ کی حالت میں پیاس اور گرمی کی تخفیف کے لئے غسل کرنا یا سر پر پانی بہانا یا تر کپڑا سر پر رکھنا جائز ہے، یہی جمہور کی رائے ہے، حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ "کما فی البذل عن البدائع" پس یہ حدیث ان کے خلاف ہوئی اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک کراہت اس صورت میں ہے جب کہ ایسا کرنا اظہار للضجر (روزہ سے اکتا اور گھبرا کر) ہو، اور اگر اظہار ضعف وعجز کے طور پر ہو تب نہیں۔ (مرقاۃ: ۵۲۳، الدر المنضود: ۲۰۷/۴)

روزہ کی حالت میں پچھنہ لگانا یا لگوانا

{۱۹۱۵} **وَعَنْ** شَدَّادِبْنِ اَوْسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتٰی رَجُلاً بِالْبَقِیْعِ وَهُوَ یَحْتَجِمُ وَهُوَ اٰخِذٌ بِیَدِیْ لِثَمَانِیَ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْ رَّمَضَانَ فَقَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ) قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحْیِیْ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَتَأَوَّلَهُ بَعْضُ مَنْ رَّخَّصَ فِی الْحِجَامَةِ اَیْ تَعَرَّضَا لِلْاِفْطَارِ، الْمَحْجُوْمُ لِلضُّعْفِ وَالْحَاجِمُ لِاَنَّهُ لَایَاْمَنُ مِنْ اَنْ یَصِلَ شَیْئٌ اِلٰی جَوْفِهٖ بِمَصِّ الْمُلَازِمِ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۳۲۳/۱، کتاب الصیام، باب فی الصائم یحتجم، حدیث نمبر: ۲۳۶۸۔ ابن ماجہ شریف: ۱۲۱، باب ماجاء فی الحجامۃ للصائم، حدیث نمبر: ۱۶۸۱۔ دارمی: ۲۵/۲، کتاب الصوم،

باب الحجامة تفطر الصائم، حدیث نمبر: ١٧٣٠۔

حل لغات: یحتجم: احتجم (افتعال) پچھنہ لگوانا۔

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی اٹھارہویں تاریخ کو میرا ہاتھ پکڑے ہوئے جنت البقیع میں ایک ایسے شخص کے پاس آئے جو پچھنہ لگوا رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاجم اور محجوم دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا اس کو ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے، شیخ امام محی السنہ کہتے ہیں کہ جن حضرات نے پچھنہ لگانے اور لگوانے کی اجازت دی ہے انہوں نے اس حدیث شریف کی تاویل کی ہے کہ حاجم اور محجوم کا روزہ ٹوٹ جانے کے قریب ہو جاتا ہے محجوم کمزوری کی وجہ سے اور حاجم اس لئے کہ وہ محفوظ نہیں رہتا ہے کہ سینگی کھینچنے کی وجہ سے کچھ خون اس کے پیٹ میں چلا جائے۔

بحالت صوم پچھنے لگوانے کا حکم اور اختلاف فقہاء

تشریح: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حجامت مفسد صوم نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ، اسحاقؒ اور عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حجامت (پچھنے لگانا) مفسد صوم ہے، البتہ امام احمدؒ اور اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حاجم اور محجوم دونوں پر صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں، جب کہ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ قضا کے ساتھ کفارہ کو بھی لازم کہتے ہیں۔ (مذاہب کی تفصیل کے لئے دیکھئے: المجموع شرح المهذب: ٦/٣٤٩)

ان کا استدلال اس مذکورہ روایت سے ہے، اسی طرح ان کا استدلال حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہے، جس میں اسی قسم کے الفاظ ہیں: "عن ثوبان قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول "افطر الحاجم والمحجوم" (ابن ماجہ: ١٢١)

جمہور کا استدلال حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ" (صحیح بخاری: ۱/۲۶۰)

اسی طرح حضرت ثابت بنانیؒ کی روایت ہے: "قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَكُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ قَالَ لَا اِلَّا مِنْ اَجَلِ الضَّعْفِ" (حوالہ بالا)

جمہور کا استدلال ابوداؤد شریف کی روایت سے بھی ہے: "عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُفْطِرُ مَنْ قَاءَ وَلَا مَنِ احْتَلَمَ وَلَا مَنِ احْتَجَمَ" (ابوداؤد شریف: ۱/۳۲۳)

اسی طرح دارقطنی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَخَّصَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ وَالْحِجَامَةِ." (دارقطنی: ۲/۱۸۳)

اسی طرح دارقطنی ہی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: "عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثَةٌ لَا يُفْطِرْنَ الصَّائِمَ اَلْقَيْءُ وَالْحِجَامَةُ وَالْاِحْتِلَامُ." (حوالہ بالا)

جہاں تک حدیث "اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ" کا تعلق ہے تو جمہور کی جانب سے اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱)...... پہلا جواب یہ ہے کہ "اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ" "تَعَرُّضًا لِلْاِفْطَارِ" کے معنی میں ہے، یعنی یہ عمل صائم کو افطار کے قریب کر دیتا ہے، مجوم کو اس لئے کہ خون نکلنے کی وجہ سے اس کو بہت زیادہ کمزوری لاحق ہو جاتی ہے، پھر وہ اس مشقت کی وجہ سے صوم سے عاجز ہو کر افطار پر مجبور ہو جاتا ہے، اور حاجم کو اس لئے کہ وہ خون چوستا ہے جس کی وجہ سے خون کے پیٹ میں چلے جانے کا خطرہ ہے۔ (المجموع شرح المھذب: ۶/۳۵۲)

(۲)......اس کا دوسرا جواب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے (الام للامام الشافعی: ۲/۱۰۸) کہ یہ حدیث

منسوخ ہے، جس کی دلیل حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے، جس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کیا ہے: "عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَانَ الْفَتْحِ فَرَاٰى رَجُلًا يَحْتَجِمُ لِثَمَانِيَ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِيْ "اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ" (السنن الكبرى للامام البيهقي: ٢٦٨/٤، باب مايستدل به على نسخ الحديث)

(اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا، دوسری طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فرماتے ہیں کہ "اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ" اور یہ امر یقینی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالت احرام میں صرف حجۃ الوداع کے موقع پر رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا واقعہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دو سال بعد کا ہے، لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے ناسخ ہوگی۔

ويدل على النسخ ايضا حديث انس بن مالك الذى رواه الدارقطني عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ بَعْدَ مَا قَالَ "اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ" وحديثه فى قصة جعفر عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ: اَوَّلُ مَا كُرِهَتْ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ اَنَّ جَعْفَرَ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ فَمَرَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَفْطَرَ هٰذَانِ ثُمَّ رَخَّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ. (دارقطنی: ١٨٢/٢) فى الحجامة للصائم: وكان انس يحتجم وهو صائم قال الامام الدارقطني: كلهم ثقات ولا اعلم له علة. قال الامام البيهقي وحديث ابى سعيد الخدرى بلفظ الترخيص يدل على هذا. (اى على النسخ فان الاغلب ان الترخيص يكون بعد النهي) والله اعلم۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۶۸/۴)

(۳)......تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں (یعنی حاجم اور محجوم) غیبت میں مشغول تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "افطر الحاجم والمحجوم ای ذھب اجرھما ولم یبق لھما من صومھما الا الظماء" یعنی روزہ ٹوٹنے سے مراد روزہ کے اجر وثواب کا ضائع ہو جانا ہے، اور اس کا سبب غیبت بنی، نہ کہ حجامت۔

(۴)...... چوتھا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ یہاں پر "افطر" روزہ ٹوٹنے کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں افطار کے وقت کے قریب پہنچے، وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گذر ان پر اس وقت ہوا تھا، جب کہ افطار کا وقت قریب ہو چکا تھا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "افطر ای حان فطرھما کما یقال امسی الرجل اذا دخل فی وقت المساء او قاربہ"

(۵)...... پانچواں جواب جو امام شافعیؒ نے دیا ہے یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اصح ہے، حضرت شداد رضی اللہ عنہ سے اور قیاس سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی تائید ہوتی ہے، اس لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

(۶)...... چھٹا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "افطر الحاجم والمحجوم" زجر وتوبیخ پر محمول ہے، یعنی ان کا یہ عمل اگرچہ مفسد صوم نہیں تھا، لیکن چونکہ فساد صوم کا باعث اور سبب تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تغلیظاً "افطر الحاجم والمحجوم" فرمایا۔

(المجموع شرح المہذب: ۳۵۱/۶، التعلیق: ۳۸۹/۲، نفحات التنقیح: ۱۸۶/۳)

رمضان کا ایک روزہ بھی بلا عذر چھوڑنے کا نقصان

{۱۹۱۶} **وَعَنْ** اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَۃٍ

وَّلَا مَرَضٍ لَّمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ۔ ﴿رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبُخَارِيُّ فِي تَرْجَمَةِ بَابٍ﴾ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يَقُوْلُ أَبُوْ الْمُطَوِّسِ الرَّاوِيُّ لَا أَعْرِفُ لَهٗ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيْثِ۔

حوالہ: مسند احمد: ٢/٣٨٦، ترمذی شریف: ١/١٥٣، باب ماجاء فی الافطار متعمداً، حدیث نمبر: ٧٢٣۔ ابوداؤد شریف: ١/٣٢٦، کتاب الصیام، باب التغلیظ فیمن افطر عمداً، حدیث نمبر: ٢٣٩٦۔ ابن ماجہ: ١٢٠، ابواب الصیام، باب ماجاء فی کفارۃ من افطر الخ، حدیث نمبر: ١٦٧٢۔ دارمی: ٢/١٨، باب من افطر یوما الخ، حدیث نمبر: ١٧١٧، بخاری شریف: ١/٢٧٩، کتاب الصوم، اذا جامع فی رمضان۔

حل لغات: رخصۃ: اجازت جمع رخص: رَخَّصَ (تفعیل) ممانعت کے بعد اجازت دینا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے بغیر اجازت اور مرض کے رمضان کا ایک بھی روزہ چھوڑ دیا، وہ ساری عمر روزے رکھے تو بھی اس روزے کے برابر نہیں ہوسکتا، اس کو احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور بخاری نے ایک باب کے ترجمہ میں روایت کیا ہے، ترمذی نے کہا میں نے محمد یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اسی حدیث کے راوی ابوالمطوس سے اس حدیث کے علاوہ دوسری حدیث نہیں سنی۔

تشریح: یعنی جو شخص بلا عذر اور رخصت کے رمضان کا ایک روزہ ترک کردے تو بعد میں چاہے وہ عمر بھر روزہ رکھتا رہے تو اس کی تلافی نہیں ہوسکتی، یعنی فضیلت کے لحاظ سے۔ ورنہ ایک روزہ کی قضاء ایک روزہ سے ہوجاتی ہے، لیکن ظاہر حدیث سے مطلقاً قضاء کی نفی ہورہی ہے۔ ''فھذا من باب التغلیظ والتشدید'' یہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے مسلک کے اعتبار سے ہے، ورنہ دوسرے علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ''فقد قال ربیعۃ لا یحصل القضاء الا باثنی عشر یوما وقال ابن المسیب یصوم عن کل یوم شهرا وقال النخعي لا يقضى الا بألف يوم، وقال علي وابن

مسعود رضی للہ عنہما لایقضیہ صوم الدھر. کذا فی المیزان للشعرانی من ھامش بذل،
والحدیث اخرجہ ایضاً ابن ماجہ والدارمی والبیھقی والدار قطنی واخرجہ البخاری
تعلیقاً۔" (التعلیق:۲/۳۹۰، مرقاۃ:۲/۵۲۵، الدر المنضود:۴/۲۲۱)

روزہ اور نماز میں اخلاص ضروری ہے

{۱۹۱۷} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِّنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَذُكِرَ حَدِيْثُ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ فِيْ بَابِ سُنَنِ الْوُضُوْءِ۔

حوالہ: دارمی:۲/۳۹۰، کتاب الرقائق، باب فی المحافظۃ علی الصوم، حدیث نمبر:۲۷۲۰۔

حل لغات: الظمأ: پیاس، ظَمَأَ (ف) ظَمْأً پیاسا ہونا، السھر: سَہِرَ (س) سَہَرًا ساری رات بیدار رہنا۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ انکو اپنے روزے سے پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے اور بہت سے نمازی ایسے ہیں کہ ان کو اپنے قیام سے بے داری کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔"

تشریح: رمضان کے روزے اور تراویح وغیرہ اخلاص سے ادا کئے جائیں، اگر اخلاص نہ ہو تو یہ ساری عبادتیں بے فائدہ ہیں۔

کم من صائم لیس لہ الخ: یعنی جو لوگ بغیر اخلاص سے روزہ رکھتے ہیں ان کو سوائے بھوکے پیاسے رہنے کے روزے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

و کم من قائم لیس لہ الخ: ایسے ہی جو لوگ راتوں کو جاگتے ہیں مگر ان میں اخلاص نہیں ہوتا، ان کو بھی راتوں کی عبادت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

(التعلیق:۲/۳۹۰، مرقاۃ:۵۲۵/ ۲)

مطلب یہ ہے کہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے اجر وثواب سے محروم رہتے ہیں۔پس ہر ہر عمل میں اخلاص حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہئے۔

﴿الفصل الثالث﴾

روزہ دار کو احتلام

{۱۹۱۸} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَّا یُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ اَلْحِجَامَۃُ وَالْقَیْءُ وَالْاِحْتِلَامُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَیْرُمَحْفُوْظٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَیْدِنِ الرَّاوِیُّ یُضَعَّفُ فِی الْحَدِیْثِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۵۲، ابواب الصوم، باب ماجاء فی الصائم یذرعہ القیء الخ، حدیث نمبر:۷۱۹۔

حل لغات: الاحتلام: احتلم (افتعال) بالغ ہونا، حالت نوم میں منی کا خارج ہونا، الحجامۃ، پچھنہ لگوانا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تین چیزیں ہیں جو روزہ نہیں توڑتی ہیں۔(۱) حجامت (۲) قے (۳) احتلام۔

تشریح: عن ابی سعید: ابوسعید سے مراد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ دوسرے نسخے میں ہے۔(مرقات:۵۲۵/ ۲)

الحجامۃ و القیء: جیسا کے پیچھے حجامت اور قے کی تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔

و الاحتلام: احتلام سے اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا کہ یہ غیر اختیاری چیز ہے۔اور احتلام

مفسد صوم نہیں، یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ (مرقاۃ:۲/۵۲۶)

روزہ دار کے لئے پچھنہ

{۱۹۱۹} وَعَنْ ثَابِتٍ نِ الْبُنَانِيِّ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ كُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اِلَّا مِنْ اَجْلِ الضَّعْفِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۶۰، کتاب الصوم، باب الحجامة والقیئ الخ، حدیث نمبر:۱۸۹۹۔

حل لغات: تکرھون: کَرِہَ (س) کراھۃ ناپسند کرنا۔

ترجمہ: حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرات حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں روزے دار کے لئے حجامت کو ناپسند کرتے تھے تو انھوں نے کہا کہ نہیں مگر ضعف کی وجہ سے۔

تشریح: روزہ دار کا پچھنہ لگانے یا لگوانے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

ثابت البنانی: یہ ثابت بن اسلم مشہور تابعی ہیں۔

قال لا: یعنی حضرات صحابۂ کرام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حجامت روزے دار کے لئے جائز سمجھتے تھے۔

الا من أجل الضعف: یعنی اگر مجحوم کے لئے نقاہت کا اندیشہ ہوتا تو روزے دار کے لئے یہ ناپسند کیا جاتا تھا۔

رات میں پچھنہ لگوانا

{۱۹۲۰} وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقاً قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ تَرَكَهٗ فَكَانَ يَحْتَجِمُ بِاللَّيْلِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ١/ ٢٦٠، کتاب الصوم، باب الحجامۃ والقئ الخ۔

حل لغات: ترکہ: تَرَکَ (ن) تَرْکًا چھوڑنا۔

ترجمہ: حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیقاً روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزے کی حالت میں پچھنہ لگواتے تھے، پھر چھوڑ دیا اور رات کو لگواتے تھے۔

تشریح: روزہ دار کو پچھنہ لگوانے سے ضعف کا اندیشہ ہو اور وہ پچھنہ لگوانا چاہے تو اس کو چاہئے کہ رات میں پچھنہ لگوائے۔

کان ابن عمر یحتجم وھو صائم ثم ترکہ: یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے روزے کی حالت میں پچھنہ لگواتے تھے، پھر بعد میں احتیاطاً یا ضعف کی وجہ سے روزے کی حالت میں تو پچھنہ نہیں لگواتے تھے، جب ضرورت پڑتی تو رات کو لگواتے تھے۔

روزہ کی حالت میں کلی کرنا

{١٩٢١} وَعَنْ عَطَآءٍ رحمۃ اللہ علیہ قَالَ اِنْ مَضْمَضَ ثُمَّ اَفْرَغَ مَافِیْ فِیْهِ مِنْ الْمَآءِ لَا یَضِیْرُهٗ اَنْ یَزْدَرِدَ رِیْقَهٗ وَمَا بَقِیَ فِیْهِ، وَلَا یَمْضَغُ الْعِلْکَ فَاِنِ ازْدَرَدَ رِیْقَ الْعِلْکِ لَا اَقُوْلُ اِنَّهٗ یُفْطِرُ وَلٰکِنْ یُّنْهٰی عَنْهُ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ فِیْ تَرْجَمَةِ بَابٍ۔

حوالہ: بخاری شریف: ١/ ٢٥٩، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ اذا توضأ الخ۔

حل لغات: مضمض: پانی کو منہ میں پھرانا، العلک: گوند جمع عُلُوْک۔

ترجمہ: حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی کلی کرے، پھر اس پانی کو جو اس کے منہ میں ہے، پوری طرح نکال دے تو اس کے روزے کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، اگر چہ وہ اپنا تھوک نگل لے اور جو کچھ اس کے منہ میں ہے اور گوند نہ چبائے اس لئے کہ اگر گوند کا تھوک اندر چلا گیا میں نہیں کہتا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا لیکن اس سے منع کیا جائے گا۔

تشریح: ما بقی : میں "ما" موصولہ ہے، اور اس کا عطف لفظ "ریقہ" پر ہے، مطلب یہ کہ روزہ دار کلی کرنے کے بعد اگر اپنا تھوک اور کلی کے پانی کی وہ تری جو اس کے منہ میں باقی رہ گئی نگل لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس سے بچنا غیر ممکن ہے۔

علک : ہر اس گوند کو کہتے ہیں جو چبایا جائے۔ یہاں خاص طور پر (علک الروم) مصطگی مراد ہے، جس کو بعض لوگ دانتوں کے علاج یا دانتوں کی مضبوطی کے لئے چباتے ہیں، اور دانت مانجھتے ہیں، پس حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو چبانے سے منع فرمادیا، اور فرمایا: کہ اس کو چباتے ہوئے جو تھوک منہ میں جمع ہو جائے اس کے نگلنے سے روزہ نہیں جاتا۔ کیونکہ وہ منہ کے اندر ہی سمٹ اور چمٹ کر رہ جاتی ہے، اس کا کوئی حصہ منہ سے جدا نہیں ہوتا کہ حلق میں اتر جائے اور روزہ توڑ ڈالے، لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ روزے کی حالت میں اس کو چبانے سے احتراز کیا جائے، البتہ اس کے حلق میں اترنے کا یقین ہو تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (مظاہر حق)

فائدہ: (۱)......روزے کی حالت میں کسی چیز کا چبانا خواہ مصطگی ہو یا اور کچھ مکروہ ہے۔

(۲)......اسی طرح کوئلہ چبا کر دانت مانجھنا اور منجن اور پیسٹ سے دانت صاف کرنا مکروہ ہے۔

(مرقاۃ:۲/۵۲۶)

008 Babu Saumul Musafir

باب صوم المسافر

(مسافر کے روزوں کا بیان)

رقم الحدیث: ۱۹۲۲؍تا ۱۹۳۱؍

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

باب صوم المسافر

(مسافر کے روزوں کا بیان)

اس باب میں وہ احادیث شریفہ نقل کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ مسافر کو روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ ان دونوں میں افضل کیا ہے؟

﴿الفصل الاول﴾

سفر کی حالت میں روزہ

{١٩٢٢} وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصُوْمُ فِي السَّفَرِ وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ١/٢٦٠، کتاب الصوم، باب الصوم فی السفر الخ، حدیث نمبر:١٩٠١۔ مسلم شریف: ١/٢٥٧، کتاب الصیام، باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان للمسافر، حدیث نمبر:١١٢١۔

حل لغات: السفر: مسافت طے کرنا، جمع اسفار، شئت: شَاءَ (ف) شَيْئاً چاہنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا

میں سفر میں روزہ رکھ سکتا ہوں؟ جو بہت روزے رکھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر چاہو روزہ رکھو، اگر چاہو افطار کرو۔

تشریح: اصوم فی السفر: یعنی حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالتِ سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا کہ میں سفر میں کیا کروں؟ روزہ رکھوں یا نہ رکھوں؟

فقال ان شئت فصم الخ: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جس میں سہولت ہو وہی کرو یعنی اگر روزہ رکھ سکتے ہو سہولت کے ساتھ رکھو اور اگر نہیں رکھ سکتے بلکہ حالت سفر میں روزہ رکھنا دشوار ہو تو نہ رکھو۔

حالت سفر میں روزہ رکھنے کا حکم

ائمہ اربعہؒ اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں۔

بعض اہل الظواہر کے نزدیک حالت سفر میں روزہ رکھنا فرض روزہ کیلئے کافی نہیں ہے، اگر کسی نے بحالت سفر روزہ رکھا تو بحالت حضر پھر اس روزہ کی قضا کرنا واجب ہے۔ (بدایۃ المجتہد: ۲۹۵/۱، المغنی: ۴۳/۳)

ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے: "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضاً اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ" (سورۃ بقرۃ: ۱۸۴) [مریض اور مسافر کے لئے رمضان کے علاوہ دوسری مدت روزے کے لئے مقرر کی گئی ہے۔] اگر کوئی مریض یا مسافر ہو تو دوسرے دنوں میں اس کی قضاء کرے خواہ حالت سفر و مرض میں روزہ رکھا ہو یا نہ رکھا ہو۔

اسی طرح بخاری شریف کی روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں: "عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ: "كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَرَاٰى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ

فَقَالَ مَا هٰذَا؟ فَقَالُوْا: صَائِمٌ، فَقَالَ: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ۔ " (بخاری شریف:۲۶۱/۱)

یہ حضرات کہتے ہیں کہ جب حالت سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ روزہ رکھنا گناہ ہے، لہٰذا حالت سفر میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری:۴۹/۱۱)

اسی طرح یہ حضرات مسلم شریف کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں، یہ بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ اِلٰى مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيْمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ فَرَفَعَهٗ حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ اِلَيْهِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيْلَ بَعْدَ ذٰلِكَ اِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ فَقَالَ اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ" (مسلم شریف:۳۵۶/۱)

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ان احادیث سے حالت سفر میں روزہ رکھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، اس لئے کہ جہاں تک تعلق ہے اس حدیث شریف کا "لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ" اس کا تعلق اس شخص معین سے ہے جس نے اپنے آپ کو اس مشقت شدیدہ میں مبتلا کیا تھا، مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی نیکی کا کام نہیں کہ آدمی حالت سفر میں روزہ کی وجہ سے اپنے آپ کو اتنی مشقت میں مبتلا کردے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے افطار کی رخصت بھی دی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حالت سفر میں سخت گرمی میں روزہ رکھنا ثابت ہے، اگر حالت سفر میں روزہ رکھنا باعث گناہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قطعاً سفر میں روزہ نہ رکھتے۔

اسی پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول "اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ" کو محمول کیا جائے گا، اس لئے ظاہر ہے کہ جس کو روزہ رکھنے میں اپنی جان کا خطرہ ہو تو اس کے لئے روزہ رکھنا گناہ ہے۔ (عمدۃ القاری:۴۹/۱۱)

اور جہاں تک تعلق ہے آیت: "فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ" کا تو جمہور اس میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس میں "افطر" کا لفظ مقدر ہے، تقدیر یوں ہوگی: "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَاَفْطَرَ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ" یعنی اگر سفر میں افطار کرلیا تو قضاء کا حکم ہے۔ (بدایۃ المجتہد:۲۹۵/۱)

بحالت سفر صوم افضل ہے یا افطار؟

پھر جمہور کے اندر آپس میں یہ اختلاف ہے کہ بحالت سفر صوم اور افطار میں کیا افضل ہے؟

چنانچہ اس بارے میں کل چار مذاہب ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسافر کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھے، چاہے نہ رکھے، یہ حضرات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، جس میں انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: "اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ" جیسا کہ یہ حدیث ماقبل میں گذر چکی ہے۔

دوسرا مسلک حضرت مجاہد، عمر بن عبدالعزیز اور قتادہ رحمہم اللہ کا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صوم اور افطار میں سے جو مسافر کے لئے اسہل ہو وہی اس کے لئے اولیٰ اور افضل ہے۔

ان کا استدلال آیت کریمہ سے ہے: "يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" (سورۂ بقرۃ: ١٨٥)

تیسرا مسلک ہے حضرت امام احمدؒ، اسحاقؒ، ابن المسیبؒ، شعبیؒ اور امام اوزاعیؒ کا، ان کے نزدیک افطار افضل ہے۔

ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جن سے اہل الظواہر نے استدلال کیا تھا، جیسے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد "لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ" اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ" نیز ان کا ایک استدلال صحیح مسلم میں حضرت حمزہ بن عمرو الاسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے: "اَنَّهٗ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَجِدُ بِيْ قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللهِ فَمَنْ اَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّصُوْمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ" (مسلم شریف: ١/٣٥٧)

چوتھا مسلک ہے جمہور کا، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، ثوریؒ، عبداللہ بن المبارکؒ، اور ابوثور رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ بحالت سفر اگر مشقت شدید نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔

جمہور کا استدلال ان تمام احادیث سے ہے جن میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بحالت سفر روزہ رکھنا منقول ہے۔

چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ أَسْفَارِهٖ فِيْ يَوْمٍ حَارٍ حَتّٰى يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهٗ عَلٰى رَأْسِهٖ عَنْ شِدَّةِ الْحَرِّ وَمَا فِيْنَا صَائِمٌ إِلَّا مَا كَانَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْنُ رَوَاحَةَ۔" (بخاری شریف: ۱/۲۶۱)

ایسے ہی بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "قَالَ: كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ۔" (ایضاً)

جمہور کے نزدیک وہ تمام احادیث جن سے امام احمدؒ وغیرہ نے افطار کی افضلیت پر استدلال کیا تھا مشقت شدیدہ پر محمول ہیں۔ اور بعض روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس لئے یہ تمام ارشادات ان ہی لوگوں کے لئے ہیں جو بحالت سفر مشقت صوم کے متحمل نہ ہو سکتے ہوں، خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور رفقاء سفر کے لئے بھی باعث پریشانی بنتے ہیں، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ (ترمذی شریف: ۱/۱۵۱) تفصیل کے لئے المجموع شرح المهذب: ۶/۲۶۶۔

جمہور کی طرف سے ان روایات میں اس تاویل سے تمام روایات معمول بہا رہتی ہیں، اور کسی روایت کا ترک لازم نہیں آتا نیز ان میں بہترین طریقہ سے تطبیق بھی ہوگئی۔ واللہ اعلم (التعلیق: ۲/۱۹۱، نفحات التنقیح: ۳/۱۸۹)

روزہ نہ رکھنے والے مسافر پر اعتراض نہ کیا جائے

{۱۹۲۳} وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسِتَّ عَشَرَةَ

مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَائِمِ۔ ﴿رَوَاهُ مُسْلِمٌ﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۵۶، کتاب الصیام، باب جواز الصوم والفطر فی شھر رمضان للمسافر، حدیث نمبر:۱۱۱۶۔

حل لغات: مضت: مَضٰی (ض) مَضیاً گذرنا،فلم یعب: عَابَ (ض) عَیْبًا عیب دار بنانا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ سولھویں رمضان کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے سفر کے لئے روانہ ہوئے تو ہم میں بعضوں نے روزہ رکھا اور بعضوں نے روزہ نہیں رکھا تو نہ ہی روزہ رکھنے والوں نے روزہ نہ رکھنے والوں پر اور نہ ہی روزہ نہ رکھنے والوں نے روزہ رکھنے والوں پر اعتراض کیا۔

تشریح: حالت سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے دونوں کی گنجائش ہے، اس لئے سفر میں جو لوگ روزہ رکھتے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے، اور جو لوگ روزہ نہیں رکھتے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے، اس لئے دونوں فریق میں سے کسی کو بھی برا بھلا نہ کہا جائے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جن چیزوں میں شریعت کی طرف سے کرنے نہ کرنے دونوں میں چیز کی گنجائش ہو تو ایسی چیزوں میں ایک فریق کو دوسرے فریق پر کوئی اعتراض وغیرہ نہیں کرنا چاہئے۔فقط

مشقت والے سفر میں روزہ

{۱۹۲۴} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَرَأَى زِحَاماً وَرَجُلاً قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَاهٰذَا قَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنْ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِيْ السَّفَرِ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۶۱، کتاب الصوم، باب قول النبیؐ لمن ظلل الخ، حدیث نمبر: ۱۹۰۴۔

مسلم شریف: ۱/۳۵۶، کتاب الصیام، باب وجواز الصوم والفطر فی شھر رمضان الخ، حدیث نمبر:۱۱۱۵۔

حل لغات: زحاما: بھیڑ زَحَمَ (ف) زَحْمًا بھیڑ کرنا، ظلّل: ظَلَّهُ (تفعیل) سایہ ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بھیڑ دیکھی کہ ایک آدمی پر سایہ کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جواب دیا ایک روزہ دار ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔

تشریح: فرای زحامًا: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہیں۔

ورجلاً: ان صحابی کا نام ابواسرائیل قیس تھا۔ (مرقاۃ: ۲/۵۲۸)

قد ظلل علیہ: یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے کہ ایک صحابیؓ جن کا نام قیس تھا اس شدید دھوپ اور سخت گرمی میں روزہ رکھ لیا تھا اور سفر میں تھے ان کو روزہ لگ گیا اور ایک جگہ گر پڑے، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سایہ کیا تاکہ ان کو آرام ہو، دیکھا دیکھی ایک بھیڑ سی جمع ہوگئی۔

فقال ما ھذا: تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ بھیڑ کیوں لگی ہے؟

قالوا صائم: حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ ایک روزے دار گر پڑے ہیں ان کو سایہ کیا گیا ہے۔

فقال لیس من البر الخ: مطلب یہ ہے کہ جو شخص نحیف وناتواں ہو اور سفر میں روزہ رکھنے سے وہ خود بھی شدید مشقت اور سخت پریشانی میں پڑ سکتا ہو اور دوسروں کے لئے بھی بار اور پریشانی کا باعث بن سکتا ہو تو اس کے لئے یہ کوئی نیکی کی بات نہیں ہے کہ سفر میں روزہ رکھے، اس کو رخصت پر عمل کرنا چاہئے۔ اور اس کے لئے سفر میں روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے، اس لئے سفر میں افطار کی رخصت آسانی ہی کے لئے ہے۔ "یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ" (مرقات: ۲/۵۲۸)

فائدہ: حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔اگر عالم الغیب ہوتے تو دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

(۲)...... نیز آنحضرت ﷺ کی رحمت وشفقت کا بھی علم ہوا۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

سفر میں روزہ دار کی خدمت کرنا

{۱۹۲۵} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ، فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْاَبْنِيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۰۴، کتاب الجهاد، باب فضل الخدمة في الغزو، حدیث نمبر: ۲۸۰۴۔
مسلم شریف: ۱/۳۵۶، کتاب الصیام، باب جواز الصوم والفطر الخ، حدیث نمبر: ۱۱۱۹۔

حل لغات: فنزلنا: نَزَلَ: (ن) نُزُوْلاً اترنا، نازل ہونا فسقط: سَقَطَ (ن) سَقُوْطاً گرنا، الرکاب سواری جمع رکوب۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ سفر میں حضرت رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، تو ہم میں سے روزے دار بھی تھے اور بے روزہ دار بھی تھے، چنانچہ ہم لوگ گرمی کے دن ایک منزل میں اترے تو روزے دار گر پڑے اور بے روزے دار کھڑے رہے، چنانچہ ان لوگوں نے خیمے لگائے اور سواریوں کو پانی پلایا، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج روزہ نہ رکھنے والے اجر میں بڑھ گئے۔

تشریح: مشقت کی حالت میں مسافر روزہ رکھ لیں تو ان کی بھرپور خدمت کی جائے تا کہ اجر کے مستحق ہوسکیں۔

فسقط الصوامون: یہ جملہ انہوں نے بطور مبالغہ کے کہہ دیا ایسا نہیں ہوا تھا کہ روزے دار گر پڑے تھے بلکہ وہ حضرات ضعف کی وجہ سے کوئی کام نہ کرسکے بلکہ آرام کی وجہ سے وہاں لیٹ گئے، اور بعض بیٹھے رہے، اگر واقعتاً وہ لوگ گر پڑتے تو حدیث شریف میں جانوروں کی خدمت کے بجائے ان کی خدمت کا تذکرہ ہوتا۔ (مرقاۃ: ۵۲۹ / ۲)

فائدہ: معلوم ہوا کہ روزہ دار سے بے روزہ دار خدمت وغیرہ کی وجہ سے اجر وثواب میں بڑھ جاتا ہے۔

مسافر کا روزہ افطار کرنا

{۱۹۲٦} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَآءٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى يَدِهٖ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَفْطَرَ، فَمَنْ شَآءَ صَامَ وَمَنْ شَآءَ اَفْطَرَ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ شَرِبَهٗ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱ / ۲٦۱، کتاب الصوم، باب من افطر فی السفر الخ، حدیث نمبر: ۱۹۰٦۔ مسلم شریف: ۱ / ۳۵٦، کتاب الصیام، باب جواز الصوم والفطر الخ، حدیث نمبر: ۱۱۱۳۔

حل لغات: فَرَفَعَهٗ: رَفَعَ (ف) رَفْعًا اٹھاؤ اوپر کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لئے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا یہاں تک کہ عسفان پہنچے، پھر آپ ﷺ نے پانی منگا کر اس کو ہاتھ تک اٹھایا تا کہ لوگ دیکھ لیں اور

آپ ﷺ نے افطار فرمایا یہاں تک کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور یہ رمضان میں ہوا گویا کہ حضرت ابن عباس فرمار ہے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ بھی رکھا ہے اور افطار بھی کیا ہے تو جو روزہ رکھنا چاہے روزہ رکھے اور جو افطار کرنا چاہئے افطار کرلے،اور مسلم شریف کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ہے کہ آپ نے عصر کے بعد پانی نوش فرمایا۔

تشریح: حالف سفر میں مجاہدین وغیرہ کو روزہ افطار کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ لوگ روزہ افطار کرسکتے ہیں،شرعاًاس کی اجازت ہے۔

من المدينة إلى مكة: یعنی فتح مکہ کاواقعہ ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ سے نکلے تو روزہ رکھتے رہے،جب وہاں پہنچے تو آپ نے روزہ افطار فرمادیا اور یہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دکھا کر کیا تھا تاکہ وہ حضرات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔

حتى قدم مكة: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان میں جو افطار کیا اس کے بعد مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد تک آپ نے روزہ نہیں رکھا۔

وذٰلک فی رمضان الخ: اور یہ ماہ رمضان کا واقعہ ہے یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ فرمانا چاہ رہے ہیں کہ حالت سفر میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ رکھنا بھی ثابت ہے اور نہ رکھنا بھی۔

فمن شاء صام ومن شاء افطر: اس لئے جو مسافر حالت سفر میں روزہ رکھنا چاہے وہ روزہ رکھے اور جو نہ چاہے وہ نہ رکھے۔

اشکال وجواب

اشکال: حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس مسافر نے روزہ کی نیت کی ہو اس کا دن کے کسی بھی حصہ میں روزہ توڑنا جائز نہیں۔لہٰذا یہ حدیث حنفی مسلک کے خلاف ہے۔

جواب: علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ فتاویٰ تاتارخانیہ:۴۰۵ / ۳ ر میں صراحت ہے کہ سفر جہاد

میں کوئی مجاہد اگر روزہ کی نیت کئے ہوئے ہو اور وہ دن کے کسی حصہ میں روزہ توڑ دے تو اس کیلئے جائز ہے، اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ سفر سفرِ جہاد ہی تھا، اس لئے یہ حدیث حنفی مسلک کے خلاف نہیں۔ (معارف السنن)

الفصل الثانی

حاملہ کے لئے روزہ رکھنا

{۱۹۲۷} وَعَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ الْكَعْبِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَعَنِ الْمُرْضِعِ وَالْحُبْلٰى۔ ﴿رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ والتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۳۲۷، کتاب الصوم، باب من اختار الفطر، حدیث نمبر: ۲۴۰۸۔ ترمذی شریف: ۱/۱۵۲، کتاب الصوم، باب ما جاء فی الرخصة فی الافطار للحبلیٰ الخ، حدیث نمبر: ۷۱۵، نسائی شریف: ۱/۲۴۸، باب وضع الصیام عن الحبلیٰ الخ، حدیث نمبر: ۲۳۱۷۔ ابن ماجہ شریف: ۱۲۰، باب ماجاء فی الافطار للحامل الخ، حدیث نمبر: ۱۶۶۷۔

حل لغات: وضع: وَضَعَ (ن) وَضعاً عن فلان روکنا، شطر: آدھا۔ جمع اَشْطُر، المرضع: اسم فاعل ہے بمعنی دودھ پلانے والی، رَضِعَ (س) رَضَعًا ماں کا دودھ پینا۔

ترجمہ: حضرت انس ابن مالک کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ نے آدھی نماز کو مسافر سے موقوف کر دیا ہے اور روزہ کو مسافر، دودھ پلانے والی اور حاملہ سے۔''

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی

نماز معاف فرمادی اور مسافر اور دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت سے روزہ معاف کر دیا۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو اگر روزہ رکھنے میں اپنی جان کا خطرہ ہو تو ان کے لئے افطار کرنا جائز ہے۔ اس صورت میں ان پر صرف قضاء ہے، فدیہ واجب نہ ہوگا۔

اور اگر ان کو اپنے بچے کے لئے تکلیف، نقصان اور ضرر کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں بھی دونوں کے لئے افطار بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ ان پر فدیہ واجب ہونے میں اختلاف ہے، اس بارے میں علماء کے چار اقوال ہیں:

(۱)...... پہلا قول ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ افطار کے بعد ان پر صرف فدیہ واجب ہے، روزہ کی قضاء واجب نہیں ہے۔

(۲)...... دوسرا قول امام ابوحنیفہؒ، عطاءؒ، حسنؒ، ضحاکؒ، نخعیؒ، زہریؒ، ربیعہؒ، اوزاعیؒ اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے، ان کے نزدیک صرف قضاء واجب ہے، فدیہ واجب نہیں ہے۔

(۳)...... تیسرا قول امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے، ان کے نزدیک قضاء اور فدیہ دونوں واجب ہوں گے، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔

(۴)...... چوتھا قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ان کے نزدیک حاملہ پر صرف قضاء ہے فدیہ نہیں ہے، البتہ مرضعہ پر قضاء اور فدیہ دونوں واجب ہوں گے۔ (المجموع شرح المھذب: ۲۶۸/۶، مرقاۃ: ۵۳۰/۲) نفحات التنقیح: ۱۹۲/۳۔

سفر میں سہولت ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے

{۱۹۲۸} وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ حَمُوْلَةٌ تَاوِيْ اِلٰى

شِبْعٍ فَلْيَصُمْ رَمَضَانَ حَيْثُ اَدْرَكَهُ۔ ﴿رواہ ابوداؤد﴾

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۳۲۷، کتاب الصوم، باب من اختار الصیام، حدیث نمبر: ۲۴۱۰۔

حل لغات: حمولة: بار برداری والا جانور۔ جمع حمولات۔ تاوی: أوی (ض) اویًا: پناہ دینا، پہنچا دینا۔

ترجمہ: حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس ایسی سواری ہو جو سہولت سے پہنچا دے تو اس کو چاہئے کہ روزہ رکھے جہاں بھی رمضان کا مہینہ مل جائے۔

تشریح: اس حدیث شریف کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، اول یہ کہ جس شخص کے پاس سواری ہو اور مختصر سا اس کا سفر ہو، اور شام تک اپنی منزل تک پہنچ کر اپنے وقت پر کھا پی سکتا ہو اور کوئی مشقت اس کو لاحق نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ رمضان کا روزہ رکھے، جب بھی رمضان کا مہینہ شروع ہو، اس مطلب کو بذل میں بعید لکھا ہے، بظاہر اس لئے کہ جب اس شخص کا سفر قصیر ہے، تو پھر اس پر روزہ واجب ہے، خواہ اس کے پاس سواری ہو یا نہ ہو، لہٰذا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسافر شرعی ہو خواہ اس کی مسافت کتنی ہی طویل ہو اور اس کے پاس سواری بھی ہو جس کی وجہ سے راستہ میں منزل پر کھانے پینے کے وقت پہنچ سکتا ہو تو ایسے شخص پر جہاں بھی رمضان کا مہینہ آ جائے اس کو روزہ رکھنا چاہئے، یعنی اگرچہ جائز افطار بھی ہے، لیکن عدم مشقت کی وجہ سے اس کو روزہ رکھنا بہتر ہے۔ (التعلیق: ۲/۳۹۳، مرقاۃ: ۲/۵۳۰، الدر المنضود: ۴/۲۲۸)

﴿الفصل الثالث﴾

مسافر کا روزہ توڑنا

{۱۹۲۹} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ اِلٰی مَکَّۃَ فِیْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ کُرَاعَ الْغَمِیْمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَّاءٍ فَرَفَعَہٗ حَتّٰی نَظَرَ النَّاسُ اِلَیْہِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِیْلَ لَہٗ بَعْدَ ذٰلِکَ اِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ فَقَالَ اُولٰئِکَ الْعُصَاۃُ اُولٰئِکَ الْعُصَاۃُ۔ ﴿رَوَاہُ مُسْلِمٌ﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۵۶، کتاب الصیام، باب جواز الصوم والفطر الخ، حدیث نمبر: ۱۱۱۴۔

حل لغات: قدح: پیالہ جمع اَقْدَاح۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے سال میں رمضان میں مکہ کے لئے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا یہاں تک کہ کراع الغمیم پہنچے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ منگا کر اوپر اٹھایا یہاں تک کہ لوگوں نے دیکھ لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ بعض لوگوں نے اب بھی روزہ رکھا ہے، پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ نافرمان ہیں وہ لوگ نافرمان ہیں۔

تشریح: حتی بلغ کراع الغمیم: جس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ افطار فرمایا اس کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے حالانکہ جس سفر کا ذکر ان روایتوں میں ہے وہ ایک ہی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں **کراع الغمیم** کا ذکر ہے، پیچھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت گذری ہے اس میں عسفان کا ذکر ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی کی ایک اور روایت میں کدید (جو بقول ابن قیمؒ بعد میں قدید کہلایا) کا ذکر ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سب مقامات ایک دوسرے کے قریب عسفان کے مضافات میں واقع ہیں۔ (عسفان سے مکہ مکرمہ کی دوری تقریباً ۱۰۰ کلومیٹر ہے) یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان راستہ میں ایک مرکزی جگہ ہے جہاں اس زمانہ میں بھی پانی کا ایک بڑا چشمہ تھا، اس کے شمال میں مدینہ کی سمت کدید یا قدید ہے، اور اس کے جنوب میں مکہ کی سمت **کراع الغمیم** ہے) (اوجز)

ثم دعا بقدح من ماء فرفعہ: پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا

پیالہ منگا کر اوپر اٹھایا تاکہ لوگ دیکھ لیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پی کر روزہ افطار فرما دیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں روزہ نہیں رکھا۔

فقیل لہ بعد ذٰلک ان بعض الناس الخ: یعنی جناب نبی کریم ﷺ کے افطار کر لینے کے بعد بھی بعض لوگوں نے روزہ رکھنا باقی رکھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا کہ اب بھی بعض لوگ روزہ رکھ رہے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً دو مرتبہ فرمایا کہ وہ لوگ نافرمان ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے روزہ افطار فرما دیا تو بعض حضرات کا روزہ افطار نہ کرنا یہ مناسب نہیں تھا بلکہ ان کو بھی آنحضرت ﷺ کے اتباع میں روزہ افطار کر لینا چاہئے تھا۔

سفر میں ہلاکت کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھے

{۱۹۳۰} وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمُ رَمَضَانَ فِي السَّفَرِ كَالْمُفْطِرِ فِي الْحَضَرِ۔ ﴿رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ﴾

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۱۲۰، ابواب الصیام، باب ماجاء فی الافطار فی السفر، حدیث نمبر: ۱۶۶۶۔

حل لغات: الحضر: سفر کی ضد ہے۔

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سفر میں رمضان کا روزہ رکھنے والا ایسا ہے جیسا حضر میں روزہ نہ رکھنے والا۔''

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اپنے گھر میں ہوتے ہوئے کسی شخص کا دانستہ طور پر روزہ نہ رکھنا بڑا گناہ ہے، اسی طرح مسافر کا سفر کی حالت میں روزہ رکھنا بھی گناہ ہے، لیکن اول تو جمہور کے نزدیک اس حدیث شریف کا حکم منسوخ ہے، دوسرے یہ کہ اس حدیث شریف کو اس صورت پر محمول کیا گیا ہے، جب سفر میں روزہ رکھنا ضرر رساں ہو اور اس سے ہلاکت میں پڑنے کا خوف ہو۔

(التعلیق: ۲/۳۹۳، مرقاۃ: ۲/۵۳۱)

سفر میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے

{۱۹۳۱} وَعَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اَجِدُ بِيْ قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ قَالَ هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَمَنْ اَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّصُوْمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۵۷، کتاب الصیام، باب جواز الصوم والفطر الخ، حدیث نمبر: ۱۱۲۱۔

حل لغات: قوۃ: طاقت، توانائی جمع قُوّات، رخصة: اجازت۔

ترجمہ: حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے اندر سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت پاتا ہوں تو کیا مجھ پر کچھ حرج ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ یہ اللہ بزرگ برتر کی طرف سے رخصت ہے جس نے اس پر عمل کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے روزہ رکھنا پسند کیا اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

تشریح: فهل عليَّ جناح: یعنی مجھ پر کوئی گناہ تو نہیں ہے۔

قال هي رخصة الخ: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے ایک رخصت ہے، اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

من أحب أن يصوم الخ: اور جس نے یہ پسند کیا کہ وہ روزہ رکھے تو اس کا روزہ بھی ہو جائے گا اور پورا ثواب بھی ملے گا۔

باب القضاء

(قضاء کا بیان)

رقم الحدیث: ۱۹۳۲؍تا ۱۹۳۷؍

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

باب القضاء

(قضاء کا بیان)

القضا: قضی (ض) قضاءً: ادا کرنا۔ اور اصطلاح شرع میں چھوٹے ہوئے فرائض و واجبات کو بعد میں ادا کرنے کا نام قضاء ہے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں روزوں کی قضا سے مراد رمضان کے روزوں کی قضاء ہے، اس باب میں وہ احادیث نقل ہوں گی جن سے روزوں کی قضاء کے احکام و مسائل اور آداب معلوم ہوں گے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ رمضان کا جو روزہ چھوڑ دیا گیا ہو (خواہ نہ رکھنے کی صورت میں یا توڑ دینے کی صورت میں) اس کے تین حکم ہیں:

(۱)...... اگر کسی نے بھول کر روزہ افطار کرلیا یعنی روزے میں بھول کر کچھ کھا پی لیا تو اس کا روزہ ٹوٹا نہیں۔ اس صورت میں نہ قضا واجب ہوئی اور نہ کفارہ۔

(۲)...... اگر کسی نے جان بوجھ کر (کھانے پینے کی صورت میں) بغیر عذر کے افطار کیا (قصداً روزہ توڑ دیا) تو اس پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔

(۳)...... اگر کسی نے شرعی عذر مثلاً سفر یا بیماری کی وجہ سے افطار کیا تو اس پر صرف قضا واجب ہوگی۔

009 Babul Qaza

﴿الفصل الاول﴾

قضا روزہ حسب سہولت رکھے

{۱۹۳۲} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَّمَضَانَ فَمَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اَقْضِيَ اِلَّا فِيْ شَعْبَانَ قَالَ يَحْيَ بْنُ سَعِيْدٍ تَعْنِيْ الشُّغُلَ مِنَ النَّبِيِّ اَوْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۶۱، کتاب الصوم، باب متی یقضی قضاء رمضان، حدیث نمبر: ۱۹۰۸۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۶۱، کتاب الصیام، باب جواز تاخیر قضاء رمضان الخ، حدیث نمبر: ۱۱۴۶۔

حل لغات: استطیع: طاع (ن) طوعاً فرماں برداری کرنا، استطیع (استفعال) طاقت رکھنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ پر رمضان کے جو روزے قضا ہوجاتے تھے میں ان کی قضا شعبان کے سوا نہیں کر پاتی تھی۔ یحییٰ بن سعید نے کہا حضرت عائشہ رضی تعالیٰ عنہا نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے یا خدمت کے سبب مراد لیا۔

تشریح: معقول وجہ ہو تو رمضان کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا میں شعبان تک تاخیر کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عمل جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے تھا، لیکن تمام ائمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رمضان کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنے میں جلدی کرے۔ اس لئے کہ ادائیگی میں جلدی کرنا افضل ہے۔ الا یہ کہ کوئی معقول عذر ہو۔

چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میرے ذمہ جو رمضان کے قضا روزے ہوتے تھے، پورے سال ان کے رکھنے کی نوبت نہیں آتی تھی، یہاں تک کہ جب شعبان آجاتا اس میں وہ روزے رکھتیں، اس تاخیر کی وجہ ہے۔

الشغل بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اپنے خاوند حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رعایت میں تاکہ ہر نوع کی خدمت کے لئے تیار رہیں، اور شعبان میں رکھنے کی نوبت اس لئے آتی تھی:

اولؔ تو اس لئے کہ اب مزید تاخیر کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ دوسرےؔ یہ کہ اس ماہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بکثرت روزے رکھا کرتے تھے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۳۲)

رمضان ثانی تک اگر تاخیر کی؟

اگر کسی شخص کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضاء ہو اور اس نے اتنی تاخیر کی بلا عذر کے، کہ رمضان ثانی آپہنچا تو پھر اس پر جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قضاء مع الفدیہ واجب ہے، اور حنفیہ حسن بصری اور نخعی کے نزدیک صرف قضاء ہے، فدیہ نہیں، اور سعید بن جبیر وقتادہ کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں صرف فدیہ ہے قضاء نہیں۔ "کذا قال الخطابی وابن القیم" اور اس میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان جمہور کے مسلک کی طرف لکھا ہے۔ (التعلیق: ۲/۳۹۴، الدر المنضود: ۴/۲۲۲)

شوہر کی اجازت سے نفلی روزہ

{۱۹۳۳} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ اَنْ تَصُوْمَ

وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَلَا تَاْذَنَ فِیْ بَیْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۳۰، کتاب الزکوۃ، باب اجر الخازن الخ، حدیث نمبر: ۱۱۲۶۔

حل لغات: المرأۃ: عورت جمع نسائ، شاھد: حاضر ہونا، موجود ہونا جمع شھود۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ عورت کے لئے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزے رکھنا حلال نہیں ہے اور شوہر کی اجازت کے بغیر گھر میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہ دے۔“

تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس عورت کا خاوند گھر پر موجود ہو (سفر میں نہ ہو) تو اس کو نفل روزہ بغیر شوہر کی اجازت کے جائز نہیں، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کا اس کی حرمت پر اتفاق ہے، اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مہذب میں لکھتے ہیں کہ بعض شافعیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے، اور صحیح یہ ہے کہ حرام ہے۔ (من ھامش البذل والمنھل)

اور دوسرا جزء حدیث شریف کا یہ ہے جس عورت کا شوہر حاضر ہو تو وہ اس کے گھر میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہ دے، بغیر شوہر کی اجازت کے۔ اس جزء میں ”وھو شاھد“ کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے۔ اس لئے کہ اگر شوہر غائب ہو اس صورت میں داخل ہونے کی اجازت دینا بطریق اولیٰ ناجائز ہے، چنانچہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ”لا تدخلوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم“ مغیبات جمع ہے مغیبۃ بضم المیم و کسر الغین وسکون الیاء۔ وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو، سفر میں ہو۔ (الدر المنضود: ۲۶۲/ ۴)

حائضہ پر روزوں کی قضا

{۱۹۳۴} وَعَنْ مُّعَاذَۃَ الْعَدَوِیَّۃِ قَالَتْ لِعَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا

مَابَالُ الْحَائِضِ تَقْضِیْ الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِیْ الصَّلٰوۃَ؟ قَالَتْ عَائِشَۃُ کَانَ یُصِیْبُنَا ذٰلِکَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلاَ نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوۃِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۵۳، کتاب الحیض، باب وجوب قضاء الصوم عن الحائض الخ، حدیث نمبر: ۳۳۵۔

حل لغات: الحائض: ماہواری والی عورت، جمع: حوائض۔

ترجمہ: حضرت معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا: کہ کیا بات ہے کہ حائضہ عورت روزے کی قضا کرتی ہے اور نماز کی قضا نہیں کرتی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ (آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں) ہم عورتوں کو حیض آتا تو ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

تشریح: حائضہ عورت حالت حیض میں نہ روزہ رکھ سکتی ہے نہ نماز پڑھ سکتی ہے۔ لیکن روزہ کے بارہ میں حکم ہے کہ وہ ایام طہر میں قضا کرے، نماز کی قضاء ضروری نہیں۔ معاذہ عدویہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نماز اور روزہ میں اس فرق کی وجہ پوچھی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں ارشاد فرمایا: "کان یصیبنا ذلك فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلوۃ" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی کوئی حکمت بیان نہیں فرمائی، بلکہ یہ فرمایا: کہ روزوں کی قضاء ہم اس لئے کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں اس کا حکم دیا گیا تھا، اور نماز کی قضا اس لئے نہیں کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا گیا، مقصد یہ ہے کہ نماز اور روزہ میں اس فرق کی حکمت جو بھی ہو لیکن وہ حکمت ہمارے عمل کی اصل وجہ نہیں ہے، بلکہ ہم عمل تو صرف اس لئے کرتے ہیں کہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم ہی اس طرح دی ہے۔ شریعت کے کسی مسئلہ پر عمل کرنا اس کی حکمت جاننے پر موقوف نہیں ہونا چاہئے۔ (مرقاۃ: ۵۳۳ / ۲)

فائدہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس جواب میں علماء کو ایک بہت بڑا سبق دیا ہے کہ عوام کے اس قسم کے سوالوں کا جواب دینے کا التزام نہیں کرنا چاہئے۔ اور نہ ہی ان کو احکام کی حکمتوں میں زیادہ الجھانا چاہئے، اس میں شک نہیں کہ دین کے ہر ہر مسئلہ میں بے شمار حکمتیں اور بے شمار مصلحتیں ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان حکمتوں کا علماء کو ضرور ہی علم ہو، ان حکمتوں کا احاطہ تو کوئی عالم بھی نہیں کرسکتا، اور پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر حکم کی حکمتیں عوام کو سمجھائی بھی جاسکیں، بلکہ بعض اوقات عوام کو حکمتوں میں الجھانا نقصان دہ بھی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حکم اور علت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ علت تو کسی حکم کا مدار ہوتی ہے۔ اس میں اطراد وانعکاس ہوتا ہے، لیکن حکمت میں یہ بات نہیں، لیکن عام آدمی علت اور حکمت میں فرق نہیں کرسکتا، اس لئے وہ حکمت ہی کو اس حکم کا مدار سمجھ لیتا ہے، اور جہاں بظاہر وہ حکمت نظر نہیں آتی یا وہ حکمت کسی اور ذریعہ سے بھی حاصل ہو رہی ہوتی ہے تو اس حکم کا ہی انکار کردیتا ہے۔ اس طرح حکمتیں بتانا بعض اوقات مضر بھی ہوتا ہے۔ البتہ بعض حالت میں بعض لوگوں کے لئے حکمتوں کا جاننا مفید بھی ہوتا ہے۔ لیکن حکمت بتانے کے ساتھ ساتھ ان کی حیثیت بھی ضرور واضح کردینی چاہئے۔ اس موضوع پر حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ وملفوظات میں اور المصالح العقلیہ کے شروع میں کافی مواد موجود ہے۔ (اشرف التوضیح: ۲۶۰ / ۲)

میت کی طرف سے روزہ

{۱۹۳۵} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ عَلَیْہِ صَوْمٌ صَامَ عَنْہُ وَلِیُّہٗ۔ ﴿مُتَفَقٌ عَلَیْہِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۶۱، کتاب الصوم، باب من مات وعلیہ صوم الخ، حدیث نمبر: ۱۹۱۰۔

مسلم شریف: ۱/ ۳۶۲، کتاب الصیام، باب قضاء الصوم عن المیت، حدیث نمبر: ۱۱۴۷۔

حل لغات: مات: مَاتَ (ض) مَیْتاً، مرنا۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص مرجائے اور اس پر روزہ ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے۔

تشریح: جس میت پر قضا روزے باقی ہوں تو اس کے وارث کو چاہئے کہ ان کا فدیہ ادا کر کے اس کی تلافی کردے۔

نیابت صوم اور اختلاف فقہاء

اس حدیث شریف میں نیابت صوم کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے، صاحب ہدایہؒ (ہدایہ مع شرح فتح القدیر: ۶۵/ ۳) فرماتے ہیں: عبادات تین قسم کی ہیں:

(۱)......ایک قسم ہے عبادات بدنیہ محضہ کی، جیسے نماز اور روزہ ان میں کسی دوسرے کی طرف سے نیابت درست نہیں ہے۔

(۲)......دوسری قسم ہے عبادات مالیہ محضہ کی، جیسے زکوۃ، قربانی وغیرہ ان میں نیابت درست ہے۔ ”عند العجز والقدرۃ جمیعاً“

(۳)......تیسری قسم ہے عبادات مرکبہ کی، جیسے حج وغیرہ ان میں نیابت درست نہیں ہے۔ ”الا عند العجز“

اگر کسی شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کے ذمہ کچھ روزے واجب ہوں تو اس کی

دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ رمضان کا مہینہ گذر جانے کے بعد اس کو اتنا وقت ملا ہو کہ وہ اس میں روزوں کی قضاء کر سکتا تھا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان فوت شدہ روزوں کی قضا ممکن نہ رہی ہو، بایں طور کہ اس کا رمضان ہی کے مہینہ میں انتقال ہوا ہو، یا رمضان کے بعد بھی وہ معذور رہی رہا ہو، اور قضا کے لئے اس کو وقت نہ ملا اور اسی حالت میں وہ فوت ہوگیا، اس دوسری صورت میں جمہور کے نزدیک ان روزوں کے بدلے میں نہ فدیہ دینا لازم ہے، اور نہ مرنے والے پر فوت شدہ روزوں کا گناہ ہوگا، البتہ طاؤسؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ ان روزوں کا فدیہ لازم ہوگا، ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ (المجموع شرح المہذب: ۶/۳۷۲)

یہ حضرات اس کو قیاس کرتے ہیں شیخ فانی پر کہ جیسے شیخ فانی عاجز ہے روزہ رکھنے پر قدرت نہیں رکھتا، لیکن اس پر فدیہ واجب ہے، تو چونکہ یہ میت بھی عاجز ہے اور روزے پر قادر نہیں، اس لئے اس کی طرف سے فدیہ دیا جائے گا۔

جمہور کا استدلال مسلم شریف کی اس روایت سے ہے: "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (مسلم شریف: ۱/۴۳۲، باب فرض الحج مرۃ فی العمر، کتاب الحج)

ان حضرات کا شیخ فانی پر قیاس کرنا درست نہیں، اس لئے کہ شیخ فانی کا ذمہ باقی ہے اور اہلیت بھی ختم نہیں ہوئی، جب کہ میت کا ذمہ اور اہلیت دونوں ختم ہو جاتے ہیں۔

دوسری صورت جس میں فوت شدہ روزوں کی قضاء ممکن رہی ہو اس میں ائمہ کے تین مذاہب ہیں۔ (المجموع شرح المهذب: ۶/۳۷۲)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولی کے لئے میت کی طرف سے نیابۃً روزہ رکھنا جائز نہیں۔ البتہ میت کی وصیت پر فدیہ ادا کرے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جدید بھی یہی ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم یہ ہے کہ ولی کا میت کی طرف

سے روزہ رکھنا جائز ہے، اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (المجموع شرح المهذب: ۲/ ۳۷۰)

طاؤس، حسن بصری، زہری، قتادہ، ابوثور اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام احمد کا استدلال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث باب سے ہے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ"

اسی طرح ان کا ایک استدلال صحیح مسلم میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے:

"قَالَ بَيْنَا اَنَا جَالِسٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَتَتْهُ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ اِنِّيْ تَصَدَّقْتُ عَلٰى اُمِّيْ بِجَارِيَةٍ وَاِنَّهَا مَاتَتْ قَالَ: فَقَالَ وَجَبَ اَجْرُكِ وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيْرَاثُ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّهٗ كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَاَصُوْمُ عَنْهَا قَالَ صُوْمِيْ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ أَفَاَحُجُّ عَنْهَا قَالَ حُجِّيْ عَنْهَا۔" (مسلم شریف: ۱/۳۶۲)

اسی طرح امام احمد کا ایک استدلال ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اِمْرَأَةً رَكِبَتِ الْبَحْرَ فَنَذَرَتْ اِنْ نَجَاهَا اللهُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرًا فَنَجَاهَا اللهُ تَعَالیٰ فَلَمْ تَصُمْ حَتّٰى مَاتَتْ فَجَاءَتْ اِبْنَتُهَا اَوْ اُخْتُهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا اَنْ تَصُوْمَ عَنْهَا۔" (ابو داؤد شریف: ۲/ ۱۱۳، باب قضاء النذر عن المیت)

حنابلہ نے ان روایات کو صوم نذر پر حمل کیا ہے۔

حضرات حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَا يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلٰكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلَّ يَوْمٍ مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ۔" (رواه النسائی فی سننه الكبریٰ فی الصوم، انظر نصب الرايه: ۲/ ۴۶۳، وذكره البيهقی فی سننه تعليقاً وقال صاحب الجوهر النقی وهذا سند صحيح علی شرط الشيخين خلا محمد بن عبد الاعلی فانه علی شرط مسلم۔)

اسی طرح مصنف عبد الرزاق میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: "عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلٰكِنْ اِنْ كُنْتَ فَاعِلًا

تَصَدَّقْتِ عَنْهُ اَوْ اَهْدَيْتِ۔" (مصنف عبدالرزاق: ۹/ ۲۱، الصدقة عن الميت)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت مؤطا امام مالک میں یوں ذکر کی گئی ہے:

"اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَسْأَلُ هَلْ يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ اَوْ يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ؟ فَيَقُوْلُ لَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ۔" (موطا للامام مالك:۹۴، باب النذر فی الصيام والصيام عن الميت وقال مالك: ولم اسمع عن احد من الصحابة ولا من التابعين بالمدينة ان احدا يصوم عن احد ولا يصلی عن احد، وانما يفعله كل احد لنفسه ولا يعمله احد عن احد۔ (نصب الرايه: ۲/ ۴۶۳)

اسی طرح ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: "عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرٍ فَلْيُطْعِمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا۔" (ترمذی: ۱/۱۵۲)

اسی طرح امام طحاویؒ نے ایک روایت ذکر کی ہے: "عَنْ عُمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اِنَّ اُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَعَلَيْهَا صِيَامُ رَمَضَانَ اَيَصْلِحُ اَنْ اَقْضِيَ عَنْهَا؟ فَقَالَتْ: لَا، وَلٰكِنْ تَصَدَّقِيْ عَنْهَا مَكَانَ كُلَّ يَوْمٍ عَلٰى مِسْكِيْنٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِكِ۔" (عمدة القاری: ۱۱/ ۶۰، قال العينی و هذا سند صحيح)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت بیہقی میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: "عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَا تَصُوْمُوْا عَنْ مَوْتَاكُمْ وَاَطْعِمُوْا عَنْهُمْ۔" (السنن الکبریٰ للبیهقی: ۴/ ۲۵۷)

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ کسی کی طرف سے نماز اور روزہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔

نیز صوم بھی صلوۃ کی طرح عبادت بدنیہ محضہ ہے تو جیسا کہ صلوۃ میں نیابت جائز نہیں، ایسا ہی صوم میں بھی نیابت جائز نہ ہوگی۔ (عمدۃ القاری: ۱۱/ ۶۰)

جہاں تک تعلق ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث باب کا تو اس کا جواب یہ ہے

کہ اس میں جو "صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ" ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ولی اس کی طرف سے روزے رکھوائے، یعنی مسکین کو کھانا کھلائے اس لئے "صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ" "اَطْعِمْ عَنْهُ وَلِيُّهُ" کے معنی میں ہوگا۔ (مرقاۃ: ۲۸۲ / ۱۴) اس کا قرینہ وہ روایات ہیں جن میں اطعام ولی کا ذکر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دیا ہے: "لَا تَصُوْمُوْا عَنْ مَوْتَاكُمْ" اور راوی کا اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دینا یہ دلیل ہے کہ ان کی روایت یا تو منسوخ ہے۔ (شرح الزرقانی: ۱۸۶ / ۲) اور یا مؤول ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ روایت کے ہوتے ہوئے انہوں نے اجتہاد کیا ہو، اس لئے کہا جائے گا کہ اپنی روایت کے خلاف فتویٰ اس لئے دیا کہ ان کے پاس ضرور کوئی ناسخ پہنچا ہوگا، اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث باب "صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ" کو منسوخ کہا جائے یا اس کو مؤول قرار دیا جائے، ورنہ اس کے خلاف فتویٰ کیسے دیا۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ لفظ صوم کو اپنے ظاہر سے پھیرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ "صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ" اسی طرح "صُوْمِيْ عَنْهَا" سے مراد یہ ہے کہ ولی میت کی طرف سے حقیقتاً روزہ رکھے، لیکن بطور نیابت نہیں بلکہ ایصال ثواب کے لئے بطور تبرع اور احسان روزہ رکھے۔ (معارف السنن: ۲۸۷ / ۵، مرقاۃ: ۵۳۴ / ۲، الفصل الثالث، نفحات التنقیح: ۱۹۳ / ۳)

کیا ولی پر میت کی طرف سے فدیہ ادا کرنا واجب ہے؟

اوپر یہ مسئلہ گذر چکا کہ صام عنه وليه سے مراد عند الجمہور بدل صوم یعنی فدیہ ہے، اب یہ کہ ولی پر میت کی طرف سے فدیہ واجب ہے یا غیر واجب؟ اس میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ولی پر وجوب فدیہ کے لئے ایصاء میت شرط ہے، اگر وصیت نہیں کی تب واجب نہیں، اگر تبرعاً فدیہ دیا تو کافی ہوجائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ نیز وصیت کا نفاذ بھی ثلث مال کے اندر رہے، اس سے زائد میں

واجب نہیں۔ "کذا فی الدر المختار"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ وارث پر لزوم فدیہ کے لئے ہمارے یہاں ایصاء من المیت ضروری ہے۔ خلافا للشافعی علیہ الرحمۃ۔ (اوجز: ۶۲/ ۳)

کتب شافعیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک وصیت ضروری نہیں، ان کی کتابوں میں ہے: "یخرج من ترکتہ لکل یوم مد طعام" (مغنی المحتاج: ۴۳۸/ ۱)

اور یہی مذہب امام احمد کا ہے۔ (کمایظھر من المغنی: ۸۲/۳) "ففیہ الحال الثانی ان یموت بعد امکان القضاء فالواجب ان یطعم عنہ لکل یوم مسکین۔" اس میں بھی وصیت کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔ (الدر المنضود: ۲۲۴/ ۴)

الفصل الثانی

میت کی طرف سے فدیہ ادا کرنا

{۱۹۳۶} وَعَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَّاتَ وَعَلَیْہِ صِیَامُ شَھْرِ رَمَضَانَ فَلْیُطْعِمْ عَنْہُ مَکَانَ کُلِّ یَوْمٍ مِسْکِیْنًا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) وَقَالَ وَالصَّحِیْحُ اَنَّہٗ مَوْقُوْفٌ عَلَی ابْنِ عُمَرَ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۵۲/۱، کتاب الصوم، باب ماجاء فی الکفارۃ، حدیث نمبر: ۷۱۸۔

حل لغات: فلیطعم: اَطْعَمَ (افعال) کھانا کھلانا۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص مر جائے اور اس پر روزہ ہو تو اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا صحیح یہ ہے

کہ یہ روایت ابن عمر پر موقوف ہے۔

تشریح: میت پر قضا روزے ہوں تو اس کی طرف سے فدیہ ادا کر دے، جس کی مقدار ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے۔ یا نصف صاع (پونے دوسیر) گندم یا اس کی بازاری قیمت کے برابر نقد پیسے دیئے جائیں، اور میت کے ذمہ جو نمازیں ہوں ان میں سے ہر ایک نماز کے بدلہ بھی فدیہ کی یہی مقدار ہے۔

عن نافع: یہ مشہور تابعی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد رشید ہیں۔

مکان کل یوم الخ: یعنی ہر ایک روزے کے بدلے دونوں وقت ایک مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔

وقال والصحیح أنہ موقوف الخ: حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو موقوف کہا ہے لیکن حکماً یہ مرفوع ہے اس لئے کہ اس طرح کی بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتے۔ "ولا یخفی ان ھذا الموقوف فی حکم المرفوع فان مثلہ لا یقال من قبل الرائ" (مرقات: ۲/۵۳۴)

الفصل الثالث

عبادت بدنیہ میں نیابت

{۱۹۳۷} وَعَنْ مَّالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يُسْئَلُ هَلْ يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ اَوْيُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ فَيَقُوْلُ لَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَّلَا يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ۔ ﴿رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأ﴾

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۹۴، کتاب الصیام، باب النذر فی الصیام، والصیام عن المیت، حدیث نمبر: ۴۳۔

حل لغات: یسئل: سال (ف) سؤالًا پوچھنا۔

ترجمہ: حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جب پوچھا جاتا کہ کیا کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے؟ یا کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ تو وہ کہتے کوئی کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے اور نہ ہی کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔

تشریح: عبادت بدنیہ میں نیابت نہیں ہوسکتی ہے، یعنی نماز روزہ وغیرہ عبادتیں ایک آدمی چاہے کہ دوسرے کی طرف سے ادا کرے تو شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ احناف کے مسلک میں یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی عمل کا ثواب خواہ وہ نماز ہو یا کچھ اور کسی دوسرے شخص کو بخش سکتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۳۴)

010 Babu Siyamit Tatawwoa

باب صیام التطوع

(نفلی روزوں کا بیان)

رقم الحدیث: ۱۹۳۸ تا ۱۹۷۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

باب صیام التطوع

(نفلی روزوں کا بیان)

﴿الفصل الاول﴾

شعبان کے نفلی روزے

{۱۹۳۸} وَعَنۡ عائشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنۡهَا قَالَتۡ كَانَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یَصُوۡمُ حَتّٰی نَقُوۡلَ لَا یُفۡطِرُ، وَیُفۡطِرُ حَتّٰی نَقُوۡلَ لَا یَصُوۡمُ، وَمَا رَاَیۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اسۡتَكۡمَلَ صِیَامَ شَهۡرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَیۡتُہٗ فِیۡ شَهۡرٍ اَكۡثَرَ مِنۡہُ صِیَاماً فِیۡ شَعۡبَانَ وَفِیۡ رِوَایَةٍ قَالَتۡ كَانَ یَصُوۡمُ شَعۡبَانَ كُلَّہٗ كَانَ یَصُوۡمُ شَعۡبَانَ اِلَّا قَلِیۡلًا۔ مُتَّفَقٌ عَلَیۡہِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۶۴، کتاب الصوم، باب صوم شعبان، حدیث نمبر: ۱۹۲۲۔

مسلم شریف: ۱/ ۳۶۵، کتاب الصیام، باب صیام النبیﷺ فی غیر رمضان، حدیث نمبر: ۱۱۵۶۔

حل لغات: استکمل: کَمَلَ (ن) کَمَالاً پورا ہونا۔اِستَکمَلَ (استفعال) پورا کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لگاتار روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم لوگ کہتے افطار نہیں فرمائیں گے اور کبھی لگاتار افطار فرماتے یہاں تک کہ ہم لوگ کہتے کہ روزہ نہیں رکھیں گے، اور میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان کے علاوہ اور کسی مہینے کے اکثر روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور ایک روایت میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے تمام روزے رکھتے تھے یعنی چند دن کے سوا آپ ﷺ شعبان کے تمام روزے رکھتے تھے۔

تشریح: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض مہینوں میں روزے اتنی کثرت سے رکھتے تھے کہ ہم یہ خیال کرنے لگتے تھے کہ شاید اس ماہ افطار فرمائیں گے ہی نہیں۔اور بعض مہینوں میں افطار ہی فرماتے رہتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں یہ خیال ہونے لگتا تھا کہ اس ماہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی روزہ رکھیں گے ہی نہیں۔پھر آگے فرماتی ہیں: اور یہ بات بھی متعین تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے روزے نہ رکھتے تھے، پھر آگے فرماتی ہیں: اور سب سے زیادہ روزے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماہ شعبان میں رکھتے تھے۔اس کے بعد مصنف نے یہی مضمون حدیث دوسری روایت سے ذکر فرمایا۔اور اس میں شعبان کے روزے کے بارے میں اتنا زائد ہے: "کان یصومه الا قلیلا بل کان یصومه کله" یعنی بس یہ سمجھئے کہ شعبان کے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پورے ہی ماہ کے روزے رکھتے تھے۔

اس دوسری روایت میں ہے: "بل کان یصومه کله" اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ ایسا کلام عرب میں جائز ہے کہ جب کوئی

شخص اکثر شہر میں روزہ رکھے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ "صام الشھر کلہ" اور اسی طرح کہا جاتا ہے: "قام فلان لیلۃ اجمع" کہ فلاں آدمی ساری رات تہجد کی نماز میں کھڑا رہا۔ "ولعلہ تعشی واشتغل ببعض امرہ" یعنی ہوسکتا ہے کہ اس نے اس دوران میں کوئی اور دوسرا کام بھی کرلیا ہو، کھانا کھایا ہو یا کوئی اور اس قسم کا کام کیا ہو، لیکن علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کو اس رائے سے اتفاق نہیں کہ جب لفظ "کل" کے ساتھ راوی تصریح کر رہا ہے جو تاکید شمول کے لئے ہے، تو پھر اس کو اکثریت پر محمول کرنا درست نہیں، لہذا یوں کہنا چاہئے کہ بعض مرتبہ شعبان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے روزے رکھے ہوں گے، اور بعض مرتبہ اکثر شعبان کے، اور بعضوں نے "کلہ" کا مطلب یہ بیان کیا کہ روزے تو اکثر شعبان ہی کے رکھتے تھے، تمام شعبان کے نہیں، لیکن اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کبھی شروع ماہ سے اکثر رکھتے تھے، اور کبھی آخر ماہ کے اعتبار سے اکثر، اور کبھی وسط ماہ کے اعتبار سے اکثر رکھتے تھے، اس طور پر روزے پورے ماہ کو شامل ہوگئے، مگر حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تکلف قرار دیا ہے، اور ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہی کو ترجیح دی ہے۔

بہرحال نفلی روزے تو اختیاری ہیں، ان کا کوئی ایسا ضابطہ اور قانون تو ہے نہیں، جس کی رعایت واجب ہو، لوگوں کے حسب حال ہے۔ (التعلیق: ۳۹۵/ ۲، مرقاۃ: ۵۳۵/ ۲، الدر المنضود: ۲۴۸/ ۴)

ہر مہینے میں روزہ رکھنا

{۱۹۳۹} وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ شَقِیقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا أَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ شَھْرًا کُلَّہٗ قَالَتْ مَا عَلِمْتُہٗ صَامَ شَھْرًا کُلَّہٗ إِلَّا رَمَضَانَ وَلَا أَفْطَرَہٗ کُلَّہٗ حَتّٰی یَصُوْمَ مِنْہُ حَتّٰی مَضٰی لِسَبِیْلِہٖ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۶۴، کتاب الصیام، باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان، حدیث نمبر: ۱۱۵۶۔

حل لغات: مضی (ض) مَضِیًّا گزرجانا، لسبیلہ مرنا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینے کے تمام روزے رکھتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتی کہ ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے تمام روزے رکھے ہوں اور نہ ہی پورے مہینے میں آپ ﷺ افطار فرماتے، بلکہ کچھ روزے ضرور رکھتے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

تشریح: عن عبد اللّٰہ بن شقیق: یہ مشہور تابعی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں۔

أ کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یصوم شهر اً کله: عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ جناب نبی کریم ﷺ کس کس مہینے کے تمام روزے رکھتے تھے؟ تو حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے پورے روزے نہیں رکھتے تھے یعنی صرف رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے روزے رکھتے تھے۔

ولا أفطر کله حتی یصوم منه: یعنی جناب نبی کریم ﷺ تمام روزے تو صرف رمضان کے رکھتے تھے البتہ ہر مہینے میں کچھ نہ کچھ روزے ضرور رکھتے تھے۔(التعلیق:۲/۳۹۵)

شعبان کے آخری دنوں کے روزے

{۱۹۴۰} وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَاَلَهٗ اَوْسَالَ رَجُلًا وَعِمْرَانُ يَسْمَعُ فَقَالَ يَا اَبَا فُلَانٍ اَمَا صُمْتَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ قَالَ لَا قَالَ فَاِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۶۶، کتاب الصوم، باب الصوم من آخر الشهر، حدیث نمبر:۱۹۴۱۔

مسلم شریف: ۱/۳۶۸، کتاب الصیام، باب صوم سرر شعبان، حدیث نمبر: ۱۱۶۱۔

حل لغات: یسمع: سَمِعَ (س) سننا، سرر: قمری مہینے کی آخری دورات۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یا کسی آدمی سے دریافت فرمایا اور حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ سن رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوفلاں! تم نے شعبان کے آخری دنوں کے روزے نہیں رکھے؟ تو انھوں نے عرض کیا: نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب رمضان کے روزے سے فارغ ہوجاؤ تو دو روزے رکھ لینا۔

تشریح: سرر شعبان: آخر شعبان میں روزہ رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے، لیکن چونکہ یہ شخص جن سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دنوں کے روزے کے بارے میں دریافت فرمایا تھا خواہ وہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہوں یا کوئی صاحب ہوں، انہوں نے بطور نذر اپنے اوپر شعبان کے آخر میں دو روزے واجب کر لئے تھے، اور نذر کے باوجود آخری شعبان میں وہ روزے نہیں رکھ سکے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کہ جب رمضان کا مہینہ گذر جائے تو شعبان کے آخری دو دنوں کے بدلے دو روزے رکھ لینا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر مہینہ کے آخری دو دن نفل روزے رکھا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے شعبان کے آخری دو دنوں میں روزے نہیں رکھے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے بطور استحباب ارشاد فرمایا: کہ جب رمضان گذر جائے تو ان دو دنوں کے بدلے دو روزے رکھ لینا۔ (عمدۃ القاری: ۱۱/۱۰۲) نفحات التنقیح۔ (۳/۱۹۶)

ماہِ محرم کے روزے کی فضیلت

{۱۹۴۱} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصِّیَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَھْرُ اللّٰہِ الْمُحَرَّمُ وَاَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ صَلٰوۃُ اللَّیْلِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۶۸، کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم، حدیث نمبر: ۱۱۶۳۔

حل لغات: افضل: فضل میں بڑھا ہوا جمع اَفْضَلُوْنَ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "رمضان کے بعد سب سے بہترین روزہ اللہ کے اس مہینے کا روزہ ہے جسے محرم کہا جاتا ہے اور فرض نماز کے بعد سب سے بہترین نماز تہجد کی نماز ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہو رہا ہے کہ رمضان کے بعد سب سے افضل مہینہ روزوں کے لئے ماہ محرم ہے۔

حدیث الباب سے متعلق بعض سوال وجواب

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کے بعد فرماتے ہیں: "فیہ تصریح بانہ افضل الشھور للصوم" اس کے بعد پھر ایک اشکال کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان میں روزوں کی کثرت کیوں فرماتے تھے، چنانچہ ابوداوٗد میں ہے: "کان احب الشھور الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یصومہ شعبان ثم یصلہ برمضان" امام نووی (فرماتے ہیں کہ "وقد سبق الجواب عن اکثار النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من صوم شعبان دون المحرم، وذکرنا فیہ جوابین" وہ دو جواب یہ ہیں:

اول یہ کہ ممکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صوم محرم کی افضلیت کا علم آخر حیات میں ہوا ہو، اس لئے اس میں اکثار صوم کی نوبت نہیں آئی، دوسرا جواب یہ کہ ممکن ہے ماہ محرم میں روزہ رکھنے سے کچھ اعذار پیش آتے رہے ہوں، سفر یا مرض وغیرہ۔ ویسے صوم شعبان کی فضیلت میں بھی ایک حدیث وارد ہے، جو ترمذی شریف میں "کتاب الزکوۃ باب ماجاء فی فضل الصدقۃ" میں

بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ہے۔ "سئل رسول الله ای الصوم افضل بعد رمضان؟ قال: شعبان لتعظیم رمضان" لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "هذا حديث غريب، وصدقة بن موسیٰ ليس عندهم بذلك القوی" یہی جواب دیا ہے حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ ترمذی کی یہ روایت صحیح مسلم کی روایت کے معارض نہیں ہوسکتی، اور علامہ ابوالطیب سندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعارض کی ایک اور توجیہ کی ہے وہ یہ کہ علی الاطلاق تو افضل الصیام بعد رمضان صیام محرم ہیں، اور بحیثیت تعظیم رمضان کے افضل الصیام صیام شعبان ہیں۔(التعلیق:٢/٣٩٥)

فضیلت کے لحاظ سے مہینوں کی ترتیب

فائدہ: فضیلت کے لحاظ سے مہینوں کی ترتیب کس طرح ہے؟ اسکے بارے میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیۂ بذل میں مختلف کتب فقہ سے عبارتیں نقل فرمائی ہیں، جوحسب ذیل ہیں، "وفی الانوار الساطعة" (من مسلك الشافعية) رمضان افضل الشهور ثم المحرم ثم رجب ثم ذو الحجة ثم ذو القعدة ثم شعبان ثم باقی الشهور انتهى ويخالفه ما فی شرح الاحياء من النووی افضلها بعد رمضان المحرم ويليه شعبان وقال الغزالی افضلها ذو الحجة وفی الشرح الكبير للدردير افضلها المحرم فرجب فذو القعدة وذو الحجة" حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حاشیہ بذل میں ایک اور بات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے، وہ یہ کہ حدیث میں آتا ہے: "افضل الصيام صوم داؤد" اور پھر اس کے بارے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی "مشکل الآثار" سے نقل فرمایا ہے کہ یہ افضلیت شہور کے لحاظ سے نہیں بلکہ کیفیت صیام کے لحاظ سے ہے، یعنی دوام کے مقابلہ میں، آگے اسی حدیث الباب میں ہے: "وان افضل الصلوٰة بعد المفروضة صلوة من الليل" (الدر المنضود:٤/٢٤٣)

رواتب اور تہجد میں افضل کون

اس حدیث شریف سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ قیام لیل اور تہجد کی نماز رواتب یعنی سنن مؤکدہ سے بھی افضل ہے، چنانچہ ابواسحق مروزی اور بعض علماء اسی کے قائل ہیں لیکن اکثر علماء رواتب کی افضلیت کے قائل ہیں، اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس رائے کے خلاف نہیں، اس لئے کہ رواتب صلوۃ مفروضہ کے ملحقات میں سے ہیں، لہذا تہجد کی نماز نوافل مطلقہ سے افضل ہوئی نہ کہ ان نوافل سے جو ملحق بالفرائض ہیں۔ (بذل، الدر المنضود)

یوم عاشورہ کا انتظار

{۱۹۴۲} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ مَا رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَحَرّٰی صِیَامَ یَوْمٍ فَضَّلَہٗ عَلٰی غَیْرِہٖ اِلَّا ھٰذَا الْیَوْمَ یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَھٰذَا الشَّھْرَ یَعْنِیْ شَھْرَ رَمَضَانَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۶۸، کتاب الصوم، باب صیام عاشورائ، حدیث نمبر: ۱۹۶۲۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۵۹، کتاب الصیام، باب صوم عاشورائ، حدیث نمبر: ۱۱۳۲۔

حل لغات: یتحری، تَحَرّٰی (تفعل) طلب کرنا، قصد کرنا اور فضیلت دینا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دن کے روزے کا انتظار کرتے اور اس کو کسی دن پر فضیلت دیتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے یہ دن یعنی یوم عاشورہ اور سوائے یہ مہینہ یعنی ماہ رمضان کے۔"

تشریح: جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یوم عاشورہ اور ماہ رمضان کی فضیلت حاصل کرنے کی بڑی فکر رہتی تھی، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر انتظار

کرتے رہتے یہ دن اور مہینہ کب آ رہے ہیں؟

عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور رکھے

{۱۹۴۳} **وَعَنْهُ** قَالَ حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ بَقِيْتُ اِلٰى قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔ ﴿رَوَاهُ مُسْلِمٌ﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۵۹، کتاب الصیام، باب صوم عاشورائ، حدیث نمبر: ۱۱۳۴۔

حل لغات: امر: اَمَرَ (ن) اَمْرًا حکم دینا، یعظمه: عَظَّمَ (تفعیل) توقیر کرنا، تعظیم کرنا۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ایسا دن ہے جس کی توقیر و تعظیم یہود کرتے ہیں تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو ضرور بالضرور نویں تاریخ کو روزہ رکھوں گا۔

تشریح: یہود و نصاریٰ کے یہاں بھی محرم کی دسویں تاریخ کی بڑی اہمیت رہی ہے، اس دن وہ لوگ بھی روزہ رکھا کرتے تھے، اور یہ دن چونکہ مسلمانوں کے نزدیک بھی اہم ہے، اس لئے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دسویں محرم کو خود بھی روزہ رکھا اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا اس دن تو وہ لوگ بھی روزہ رکھتے ہیں، ان سے مشابہت لازم آ رہی ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس سال تو ایک روزہ رکھ لو میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھوں گا، اس لئے حکم یہ ہے کہ عاشورہ کے روزے کے ساتھ اور ایک روزہ رکھے، خواہ نویں دسویں یا دسویں گیارہویں۔

وعنہ: یعنی یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

حین صام: واقعہ یہ ہوا کہ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یوم عاشورہ میں یہودیوں کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ یہ لوگ عاشورہ کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو جواب دیا کہ یہ لوگ عاشورہ کے دن اس لئے روزہ رکھتے ہیں کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون کی فرعونیت سے نجات دلائی تھی جس کی خوشی میں یہ لوگ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کریں۔

وامر بصیامہ: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ پہلے تو یہ حکم وجوبی طور پر تھا پھر یہ حکم مستحب سے بدل گیا۔

یوم یعظمہ الیہود والنصاریٰ: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس دن کی توقیر کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ بھی روزہ رکھتے ہیں اور ہم بھی ایک ہی دن روزہ رکھیں تو ان کی موافقت لازم آرہی ہے، حالانکہ مخالفت ہونی چاہئے۔

لئن بقیت الی قابل لأصومن التاسع: تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھوں گا تاکہ مخالفت ہو جائے لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگلے سال تک زندہ نہ رہ سکے اور اللہ کو پیارے ہو گئے، مگر مخالفت والا حکم بہر حال باقی ہے، عاشورہ سے ایک دن پہلے روزہ رکھ کر مخالفت کرے یا بعد میں؛ جیسا کہ حضرات شراح حدیث لکھتے ہیں: "یستحب صوم یوم عاشوراء ویستحب ان یصوم قبلہ یوما او بعدہ یوما فان افردہ فھو مکروہ للتشبہ بالیہود" (مرقات: ۵۳۸/۲)

عاشورہ کے روزہ کا طریقہ

یوم عاشورۂ کا روزہ پہلے فرض تھا، رمضان کی فرضیت کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ اب صرف استحباب باقی رہا۔ اب اس میں تین صورتیں ہیں:

(۱)...... پہلی صورت یہ ہے کہ نویں، دسویں، گیارہویں تاریخ کو روزہ رکھے، یعنی تین روزہ رکھے اور یہ سب سے افضل ہے۔

(۲)...... دوسری صورت یہ ہے کہ نویں دسویں، یا دسویں گیارہویں تاریخ کو رکھے، یعنی دو رکھے یہ پہلے سے کم درجہ ہے۔

(۳)...... تیسری صورت یہ ہے کہ صرف دسویں تاریخ کو رکھے، یہ سب سے مفضول ہے، حتی کہ صاحب درالمختار اور ابن الہمام نے اس کو مکروہ تنزیہی کہا، اور حدیث مذکور کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مشابہت یہود ہے، لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں مکروہ سے مفضول مراد ہے کہ پہلی دونوں صورتوں سے یہ ادنیٰ ہے۔ اور کبھی کبھی مفضول پر فقہاء کراہت کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ لہٰذا عوام کو صرف دسویں تاریخ کے روزہ سے منع نہ کیا جائے: "ھکذا قال صاحب المواھب اللدنیہ" (درس مشکوۃ: ۲/۲۰۶)

اہل وعیال پر کھانے میں وسعت اور سرمہ لگانا

عاشورۂ محرم میں حدیث پاک میں اہل وعیال پر کھانے میں وسعت کا بھی ذکر ہے، اس لئے عاشورۂ محرم میں اہل وعیال پر کھانے میں وسعت کرنا بھی مسنون ہے، مگر بہت سے لوگ اس دن میں لمبی لمبی دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں یہ ثابت نہیں۔

اسی طرح بہت سے لوگ اس دن سرمہ لگانے کو بھی مسنون قرار دیتے ہیں، سو یہ بھی غلط ہے،

عاشورہ محرم میں سرمہ لگانا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں۔ اس لئے اس کو سنت کہنا غلط ہے، بلکہ اس کو بدعت کہا گیا ہے۔

"فی الدر المختار حدیث التوسعة علی العیال یوم عاشوراء صحیح وحدیث الاکتحال فیہ ضعیفة لاموضوعة وحکی ابن عابدین عن جمع من المحدثین انہم حکموا علیہ بالوضع وقال الامام احمدؒ الاکتحال لم یرو عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ اثر وھو بدعة کما فی العینی وقال ماورد فی صلاة لیلة عاشوراء ویومہ وفضل الکحل لایصح۔ (اوجز المسالک: ۱۸٦/۵، کتاب الصیام)

یوم عرفہ کا روزہ

{۱۹۴۴} وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَھَا یَوْمَ عَرَفَةَ فِیْ صِیَامِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُھُمْ ھُوَ صَائِمٌ، وَّقَالَ بَعْضُھُمْ لَیْسَ بِصَائِمٍ فَاَرْسَلْتُ اِلَیْہِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَھُوَ وَاقِفٌ عَلٰی بَعِیْرِہٖ فَشَرِبَہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲٦۷/۱، کتاب الصوم، باب صوم یوم عرفة، حدیث نمبر: ۱۹۴٦۔ مسلم شریف: ۳۵۷/۱، کتاب الصیام، باب استحباب الفطر الخ، حدیث نمبر: ۱۱۲۳۔

حل لغات: عرفہ: مکہ مکرمہ کے قریب ایک میدان ہے جہاں حجاج کرام ۹؍ذی الحجہ کو ٹھہرتے ہیں۔ بقدح: پیالہ جمع اَقْدَاح۔

ترجمہ: حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ عرفہ کے دن لوگ میرے پاس جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں شک کر رہے تھے، چنانچہ بعض نے کہا کہ آپؐ روزے سے ہیں اور بعض نے کہا کہ آپؐ روزے سے نہیں ہیں۔ تو میں نے ان کے پاس دودھ کا پیالہ اس وقت بھیجا جب آپؐ اپنے اونٹ پر سوار تھے تو

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو پی لیا۔

تشریح: مضمون حدیث واضح ہے، ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع میں میدان عرفات میں کچھ لوگوں کو اس بات میں تردد اور اختلاف ہوا کہ آج آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روزہ ہے یا نہیں؟ (روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کو بھی معلوم نہ تھا، اس لئے انہوں نے اس کی یہ مناسب تدبیر اختیار کی) پس انہوں نے ایک پیالہ میں دودھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، جبکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہوتے ہوئے وقوف فرمارہے تھے، یعنی وقوف عرفہ، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، جب قاصد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دودھ لیکر پہنچا اور آنحضرت ﷺ پر پیش کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو نوش فرمالیا، بخاری شریف (۲۶۷/۱) کی ایک روایت میں ہے: "والناس ینظرون" کہ سب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیتے ہوئے دیکھا۔ (جس سے سبھی کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس وقت آنحضرت ﷺ روزہ سے نہیں ہیں) اس روایت میں رسول کی تصریح نہیں کہ کس کے بدست انہوں نے دودھ بھیجا تھا، حافظ فرماتے ہیں: کہ نسائی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امام بخاریؒ نے صوم عرفہ کے باب میں یکے بعد دیگرے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں: اولاً یہی یعنی حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اور دوسری حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی۔ "من طریق کریب عن میمونة" جس میں یہ ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لوگوں کے اختلاف پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ بھیجا، دونوں ہی روایتیں صحیح بخاری کی ہیں، اس میں تعارض کی کوئی بات نہیں، تعدد واقعہ ہوسکتا ہے کہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ ایسا کرنے کی نوبت آئی، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ دونوں بہنیں آپس میں جب کہ ایک جگہ تھیں اور ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روزہ میں تردد ہوا تو دونوں ہی نے مل کر ارسال لبن کیا، لہٰذا دونوں

کی طرف ارسال کی نسبت صحیح ہے۔ "قاله الحافظ"(الدر المنضود:۲/۲۵۲)

حاجی کے لئے یوم عرفہ کے روزے کا حکم

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ عرفہ کے دن غیر حاجی کے لئے روزہ رکھنا مستحب ہے، البتہ حاجی کے بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام اسحاقؒ حاجی کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا مستحب کہتے ہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں: کہ اگر روزہ رکھنے سے ضعف واقع ہو جائے تو روزہ نہ رکھا جائے۔

امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک حاجی کے لئے عرفہ کے دن افطار افضل ہے، روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

جمہور کا استدلال ایک تو اسی حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث باب سے ہے، نیز ابو داؤد میں ایک روایت ہے: "عن عكرمة قال كنا عند ابى هريرة رضى الله عنه فى بيته فحدثنا ان رسول الله نهى عن صوم يوم عرفة بعرفة۔" (ابو داؤد شریف:۲/۳۷۲)

نیز روزہ رکھنے سے دعا کی زیادتی جو مقصود ہے اور مہمات مناسک کی ادائیگی میں ضعف واقع ہوگا، اسلئے افطار کو افضل کہا جائے گا۔ (مرقاۃ:۲/۵۳۸، التعلیق:۲/۳۹۷، نفحات التنقیح:۳/۱۹۷)

ذی الحجہ کے عشرۂ اوّل میں روزہ

{۱۹۴۵} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْها قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ۔ ﴿رَوَاهُ مُسْلِمٌ﴾

حوالہ: مسلم شریف:۱/۳۷۲، کتاب الاعتکاف، باب صوم عشر ذی الحجة، حدیث نمبر:۱۱۷۶۔

حل لغات: العشر: بمعنی دس، مراد شروع ذی الحجہ کے نو دن ہیں۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے

حضرت رسول اکرم ﷺ کو شروع ذی الحجہ میں روزہ رکھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

تشریح: حدیث میں "العشر" سے مراد ذی الحجہ کے پہلے نو دن ہیں تغلیباً ان کو "العشر" سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے کہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، ان نو دنوں میں روزہ رکھنے کی فضیلت بہت سی احادیث سے ثابت ہے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ان دنوں کا روزہ رکھنا ثابت ہے۔

لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث شریف سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عشرہ میں کبھی روزہ نہیں رکھا ہے، اس لئے علماء نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تاویل کی ہے کہ یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے علم اور رویت کی نفی فرمائی ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نوبت میں یہ عشرہ واقع نہ ہوا ہو۔ اور اگر واقع ہوا ہو تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عشرہ میں روزے نہ رکھے ہوں، لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نہ دیکھنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عشرہ میں روزے نہیں رکھے ہیں، اور یا یہ کہا جائے گا کہ جب نفی اور اثبات میں تعارض آیا تو ترجیح اثبات کو دی جائے گی۔ (طیبی: ۱۷۹/ ۴، معارف السنن: ۴۴/ ۵، التعلیق: ۳۹۷/ ۲، نفحات التنقیح: ۱۹۸/۳)

ہر مہینے میں تین روزے

{۱۹۴۶} وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَیْفَ تَصُوْمُ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِہٖ، فَلَمَّا رَاٰی عُمَرُ غَضَبَہٗ قَالَ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْناً وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ

اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ فَجَعَلَ عُمَرُ يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهٗ، فَقَالَ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ الدَّهْرَ كُلَّهٗ قَالَ لَا صَامَ وَلَا اَفْطَرَ اَوْ قَالَ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ، قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا؟ قَالَ وَيُطِيْقُ ذٰلِكَ اَحَدٌ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ ذٰلِكَ صَوْمُ دَاوٗدَ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ قَالَ وَدِدْتُّ اَنِّيْ طُوِّقْتُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ والسَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهٗ وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۶۷، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام الخ، حدیث نمبر: ۱۱۶۲۔

حل لغات: اتی: اتی (ض) اِتْیَانًا: آنا۔ وَغَضِبَ (س) غَضَبًا غصہ ہونا، رَضِیْنَا: رَضِیَ (س) رِضًا راضی ہونا، یردد رَدَّدَ (تفعیل) دہرانا، بار بار کہنا، الدھر: زمانہ جمع دُھُور۔

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کیسے رکھتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس بات سے ناراض ہو گئے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ میں دیکھا تو کہا کہ ہم اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد کے نبی ہونے پر راضی ہیں، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے غصے سے۔ اور انہوں نے اس جملہ کو بار بار دہرایا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: کہ یا رسول اللہ! وہ شخص کیسا ہے جو پوری عمر روزہ رکھے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاصام ولا افطر یا فرمایا: لم یصم ولم یفطر اس نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

کہ وہ شخص کیسا ہے جو دو دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ایسی طاقت کس کے پاس ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: کہ وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن افطار کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ مجھ کو اس کی طاقت ملے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر مہینے میں تین روزے اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک یہ پوری زندگی کا روزہ ہے، عرفہ کا روزہ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک سال اگلے اور ایک سال پچھلے گناہ مٹادے گا اور عاشورہ کے دن کا روزہ میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ ایک سال پچھلے گناہ مٹادے گا۔

تشریح: شراح نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس شخص کے سوال پر اس لئے غصہ آیا کہ اس کا سوال خلاف ادب اور خلاف قاعدہ تھا، اس لئے کہ اس کو تو یہ سوال کرنا چاہئے تھا کہ میں روزہ کیسے رکھا کروں؟ نہ یہ کہ آپ ؐ سے دریافت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روزہ رکھنے میں کیا معمول ہے؟ اس لئے کہ ہر شخص کے احوال اور مصالح الگ الگ ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے حسب حال روزے رکھتے تھے، کسی ماہ میں کم، کسی میں زیادہ، جیسا موقع ہوتا تھا، اور پھر انبیاء علیہم السلام کی مصالح وہ ان ہی کی شایان شان ہوتی ہیں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی لئے جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کے سوال کئے کہ آپ فلاں عبادت کس طرح کرتے ہیں؟ اور فلاں کس طرح کرتے ہیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواب پر ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے عبادت کی اس مقدار کو قلیل سمجھا جس کی اطلاع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی، پھر اس پر آنحضرت نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ (الدر المنضود: ۲۳۹/ ۴)

پھر حدیث الباب میں آگے اس طرح ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خفگی دور ہوگئی تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود نفلی روزوں کے بارے میں مناسب انداز میں سوال کیا۔

فقال: یا رسول اللّٰہ! کیف من یصوم الدھر کلہ؟ قال: لا صام ولا افطر: اور دوسری روایت میں ہے: "لم یصم ولم یفطر" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ترتیب وارسوال کیا: اولاً صوم الدہر کے بارے میں اور پھر اس سے کم اور پھر اس سے کم، آنحضرت ﷺ نے صوم الدہر کے بارے میں فرمایا: "لا صام ولا افطر" کہ ایسے شخص نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا، افطار نہ کرنا تو ظاہر ہے کہ دن بھر کھانے پینے سے رکا رہا، اور صوم کی نفی کمال اور فضیلت کے اعتبار سے ہے، یعنی جیسا روزہ آدمی کو رکھنا چاہئے اس نے ویسا روزہ نہیں رکھا، یہ روزہ کامل کیوں نہیں؟ یا تو اس لئے کہ اس سے حدیث میں منع وارد ہوا ہے۔

تو اس حدیث شریف کی مخالفت ہے اور یا اس لئے کہ عبادت کی حقیقت جس میں روزہ بھی داخل ہے، مخالفت نفس ہے، اور صوم الدہر میں روزہ کا عادی ہونے کی بنا پر روزہ اس کی عادت بن جاتا ہے، جس میں نفس کی مخالفت اور مشقت باقی نہیں رہتی، اور کہا گیا ہے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے، یعنی بددعا کہ جو شخص ایسا کرے اللہ تعالیٰ کرے کہ اس کو نہ نوبت آئے روزے کہ نہ افطار کی۔

قال یارسول اللّٰہ! کیف من یصوم یومین ویفطر یوما؟: سائل نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص مسلسل دو دن کا روزہ اور ایک دن افطار کرے تو یہ کیسا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو بھی زیادہ پسند نہیں فرمایا اور یہ فرمایا: اگر کسی میں اس کی طاقت اور ہمت ہو تو وہ کرلے۔

پھر سائل نے سوال کیا: "کیف من یصوم یوما ویفطر یوما" کہ اگر ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کرے تو یہ کیسا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرمائی: "ذلك صوم داؤد" کہ [یہ صوم صوم داؤدی ہے۔] بذل میں لکھا ہے: ایک روایت میں وارد ہے "افضل الصیام صیام داؤد علیہ السلام" اور یہ کہ یہ طریقہ روزہ کا نہایت مناسب اور معتدل ہے۔ "خیر الامور اوساطها وشرها تفریطها وافراطها، ولذا قال بعض العلماء اجتهد فی العلم بحیث لا یمنعك من العمل، واجتهد فی العمل بحیث لا یمنعك من العلم۔"

پھر سائل نے سوال کیا: "کیف من یصوم یوما ویفطر یومین؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وددت انی طوقت ذلک" کہ یہ طریقہ تو ایسا ہے جس کے بارے میں میں خود چاہتا ہوں کہ مجھ کو اس کی اللہ تعالیٰ توفیق اور طاقت عطا فرمادے۔

اب تک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس طریقہ کے بارے میں سوال فرماتے تھے اس کے مطابق جواب ارشاد فرمادیتے تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے روزہ کی کیفیت کی تعلیم اور تلقین فرماتے ہیں، اور ظاہر ہے جو طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم فرمائیں گے سب سے افضل بھی اور آسان بھی وہی ہوگا، اس سے پہلے جو طریقے گذرے ان میں یہ دونوں صفتیں بہم نہیں پائی جاتیں، یعنی افضل ہونے کے ساتھ آسان ہونا، اور وہ یہ ہے:

ثلاث من کل شهر ورمضان الی رمضان: کہ ماہ رمضان کے پورے روزے اور باقی گیارہ ماہ میں سے ہر ماہ تین روزے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ یہ کیفیت اور طریقہ روزوں کا صوم الدہر کے برابر ہے، جس کی وجہ مشہور ہے: "الحسنة بعشرة امثالها" ہر مہینہ میں تین روزے گویا پورے ماہ کے روزے ہوگئے، پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سال کے ایام میں بعض مخصوص روزوں کی فضیلت بیان فرمائی، ایک صوم عرفہ جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں امید رکھتا ہوں کہ اس سے دو سال کے گناہ معاف ہوں گے، گذشتہ سال اور آئندہ سال۔ دوسرا صوم عاشوراء یعنی دس محرم کا روزہ، اور یہ کہ میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ اس کی وجہ سے گذشتہ ایک سال کے گناہ معاف فرمائے گا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ ذنوب سے مراد صغائر ہیں، اور اگر کسی کے صغائر نہ ہوں صرف کبائر ہی ہوں تو امید کی جاتی ہے ان کی تخفیف کی، اور اگر دونوں قسم کے نہ ہوں تو امید کی جاتی ہے رفع درجات کی۔

آئندہ سال کے گناہوں کے معاف ہونے کا کیا مطلب؟ جبکہ ان کا ابھی صدور ہی نہیں ہوا؟ کہا گیا ہے کہ تکفیر سے مراد حفظ ہے، یعنی آنے والے سال میں گناہوں سے محفوظ رکھنا، اور کہا گیا ہے: اگلے اور پچھلے دو سال کے گناہوں کے معاف ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت اور ثواب کا اتنا

بڑا حصہ عطا فرماتے ہیں جو گذشتہ سال کے گناہوں کے کفارہ کے لئے کافی ہو جائے، اور آئندہ سال جب آئے اور اس میں گناہوں کا وقوع ہو تو ان کو دھونے کے لئے بھی وہ رحمت اور ثواب کافی ہو جائے، اس حدیث سے "صوم ثلاثۃ ایام من کل شھر" یعنی ہر مہینہ میں کوئی تین روزے رکھنے کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے، خواہ وہ اوّل کے ہوں یا آخر کے یا درمیان کے، تین روزے جن کو ایام بیض کہا جاتا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان تین روزوں سے ایام بیض ہی کے روزے مراد ہیں۔ (التعلیق: ۳۹۸ / ۲، مرقاۃ: ۵۳۹ / ۲، الدر المنضود: ۲۳۹ / ۴)

فائدہ: (۱)...... بڑوں کی ادنیٰ بے ادبی بھی خطرناک ہوتی ہے، اس لئے ادنیٰ بے ادبی سے بچنا بھی ضروری ہے۔

(۲)...... چھوٹوں کی بے ادبی پر اظہار ناراضگی میں کوئی مضائقہ نہیں تاکہ وہ اپنی اصلاح کر سکیں اور آئندہ اس سے اجتناب کریں۔

(۳)...... سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کمال فراست اور امت پر کمال شفقت کا علم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے لوگوں کو حسن ادب اور حسن تدبیر سے بچایا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر سوالات کئے جس کی وجہ سے امت کو بہت سے علوم حاصل ہوئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال کس طرح کرنا چاہئے۔

پیر کے دن کا روزہ

{۱۹۴۷} **وَعَنْهُ** قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُّ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ۔ ﴿رَوَاهُ مُسْلِمٌ﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۶۸، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام الخ، حدیث نمبر: ۱۱۶۲۔

حل لغات: الاثنین: سے دو مراد ہوتا ہے، یوم الاثنین یعنی پیر کا دن ہے، ولدت: ماضی مجہول کا صیغہ ہے ولد (ض) ولادۃ جننا۔

ترجمہ: ان سے یعنی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن میرے اوپر وحی نازل ہوئی۔

تشریح: وعنہ: یعنی یہ روایت بھی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

عن صوم الاثنین: یعنی سوال کرنے والے صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا: کہ آپ جو پیر کے دن روزہ رکھتے ہیں اس کا سبب کیا ہے؟ یا سوال کا مطلب یہ ہے کہ پیر کے دن روزہ رکھنے کی جو خصوصیت اور فضیلت ہے وہ کس سبب اور کس وجہ سے ہے، بہر صورت اس کی خصوصیت و فضیلت کی بنیادی وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ پیر ہی وہ دن ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا نزول جس دن شروع ہوا وہ بھی پیر کا دن تھا، اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں، ان نعمتوں کے شکرانہ میں پیر کے دن کا روزہ ہے۔ (التعلیق: ۲/۳۹۸، مرقاۃ: ۲/۵۴۱)

فائدہ: جس چیز کا علم نہ ہو اس کا سوال کر سکتے ہیں۔

(۲)...... اپنے بڑوں کے کسی عمل کی حکمت اور علت دریافت کرنے میں بھی مضائقہ نہیں۔

مہینے میں تین روزے

{۱۹۴۸} وَعَنْ مَعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَهَا مِنْ أَيِّ أَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يُبَالِيْ مِنْ أَيِّ أَيَّامِ الشَّهْرِ يَصُوْمُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۶۷، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلثة ایام الخ، حدیث نمبر: ۱۱۶۰۔

حل لغات: شهر: مہینہ۔ جمع: اَشْهُرٌ۔

ترجمہ: حضرت معاذہ عدویہؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کیا حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا: کہ ہاں تو میں نے ان سے عرض کیا مہینے کے کن دنوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اس کا اہتمام نہیں فرماتے تھے، مہینے کے جن دنوں میں چاہے روزہ رکھ لیتے تھے۔

تشریح: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمارہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر ماہ میں تین روزوں کا اہتمام فرماتے تھے۔ سائلہ نے دریافت کیا کہ مہینہ کے کس حصہ میں تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کی کوئی خاص پرواہ نہیں فرماتے تھے کہ کس حصہ میں رکھے جائیں۔

اس سلسلہ کی ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ترمذی میں ہے، جس میں اس طرح ہے کہ ایک مہینہ میں یہ تین روزے ہفتہ، اتوار، پیر میں رکھتے تھے، اور دوسرے مہینہ میں یہ تین روزے منگل بدھ جمعرات میں رکھتے تھے، اور یہ ایک دوسری روایت میں آتا ہے، "قلما كان يفطر يوم الجمعة" اس صورت میں ہفتہ کے جملہ ایام میں یعنی دو ماہ ملا کر روزہ کا ثبوت ہو جاتا ہے، اور ہر دن کے حصہ میں روزہ آجاتا ہے، کوئی دن اس عبادت سے محروم نہیں رہ جاتا۔ (الدر المنضود: ۴/۲۵۹)

عید کے چھ روزے

{۱۹۴۹} وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ حَدَّثَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَہٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ۔ ﴿رَوَاہُ مُسْلِمٌ﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۶۹، کتاب الصیام، باب استحباب صوم ستة من شوال الخ، حدیث نمبر: ۱۱۶۴۔

حل لغات: اتبعه: تَبِعَه (س) تَبَعًا پیچھے چلنا، اتبع (افعال) پیچھے لگنا۔ الدھر: زمانہ

جمع: دُھُوْر۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو ایسا ہے کہ اس نے زندگی بھر کے روزے رکھے۔''

تشریح: رمضان شریف کے روزے رکھنے کے بعد شوال کی دوسری تاریخ سے چھ روزے رکھنے سے پورے سال کا ثواب ملتا ہے، اس طور پر کہ ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس گنا ملتا ہے، اس حساب سے رمضان بھر روزے رکھنے سے دس ماہ کے روزے ہو گئے اور چھ روزے رکھنے سے دو ماہ کے روزے ہو کر مکمل بارہ ماہ کے روزے ہو گئے۔ (التعلیق: ۲/۳۹۹)

شوال کے ایام ستہ کے روزوں میں اختلافات علماء

ان روزوں کے بارے میں مشہور ہے کہ جمہور علماء ان کے استحباب کے قائل ہیں، بخلاف امام مالک کے، انہوں نے ان کا انکار کیا ہے، مؤطا میں ہے: امام مالک فرماتے ہیں: "ما رأیت احدا من اهل العلم یصومها" امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک کے ساتھ امام ابوحنیفہ کو بھی ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: "وقال مالك رحمه الله وابو حنيفة رحمه الله يكره ذلك" اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ نے بذل میں لکھا ہے: "واما مذهب الحنفية في ذلك فقال في "نور الايضاح" وشرحه "مراقي الفلاح" واما القسم الرابع وهو المندوب فهو صوم ثلاثة ايام من كل شهر ويندب كونها الايام البيض ومن هذا القسم صوم يوم الاثنين ويوم الخميس ومنه صوم ست من شهر شوال، قال الطحطاوي في شرحه: قوله وصوم ست من شهر شوال، قال في البحر الست من شوال صومها مكروه عند الامام متفرقة او متتابعة، لكن عامة المتأخرين لم يروا به بأسا۔"

دوسری بحث یہاں پر یہ ہے کہ ان روزوں میں توالی وتتابع اولیٰ ہے یا تفریق؟ شافعیہ کے

نزدیک عید الفطر کے بعد علی التوالی رکھنا مستحب ہے۔ "قال النووی: فان فرقها اواخرها عن اوائل شوال الی اواخره حصلت فضیلة المتتابعة لانه یصدق انه اتبعه ستا من شوال۔"

اور حنفیہ کے یہاں اس میں دونوں قول ہیں: "قیل الظاهر وصلها لظاهر قوله "فاتبعه" (اس لئے کہ فاء تعقیب بلا فصل کے لئے آتی ہے) "وقیل تفریقها اظهار المخالفة اهل الکتاب فی التشبیه بالزیادة علی المفروض" (من المراقی) اور درمختار میں ہے "وندب تفریق صوم الست من شوال ولا یکره التتابع علی المختار خلافا للثانی" یعنی ہمارے نزدیک تفریق ان روزوں کی اولیٰ ہے، لیکن تسلسل بھی مکروہ نہیں قول راجح میں۔

البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام احمدؒ کا مذہب منہل میں یہ لکھا ہے: "وقال احمد رحمه الله: لا فرق بین المتتابع وعدمه فی الفضل" ایسے ہی صاحب منہل نے یہ بھی لکھا ہے کہ فقہاء مالکیہ بھی ان روزوں کے استحباب کے قائل ہیں، لیکن متفرقاً۔ اور اوجز: ۹۶ / ۳ ر میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: شافعیہ کے نزدیک یہ روزے بالاتفاق مستحب ہیں، بلکہ تاکد کے ساتھ، اور ایسے ہی حنابلہ کے یہاں بھی سنت ہیں، جیسا کہ ان کی کتابوں میں ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک شروح حدیث اور کتب خلافیات جیسے "بدایة المجتهد" وغیرہ میں مشہور یہ ہے کہ ان کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہیں، لیکن "الشرح الکبیر للدردیر" اور دسوقی میں یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کراہت امور خمسہ کے ساتھ مقید ہے، اگر ان میں سے ایک بھی مفقود ہو جائے تو کراہت نہیں، اور وہ قیود یہ ہیں:

(۱)......رکھنے والا مقتدیٰ بہ اور پیشوائے وقت ہو۔

(۲)......رمضان کے بعد متصلاً۔

(۳)......تسلسل کے ساتھ بلا تفریق کے۔

(۴)......ان روزوں کو علانیہ طور پر رکھنا۔

(۵)......سنیت اتصال کا قائل ہونا۔

ان روزوں کی مشروعیت میں مصلحت

ان روزوں کی مشروعیت میں مصلحت وحکمت علماء نے یہ بیان کی ہے کہ یہ بمنزلہ سنن رواتب کے ہیں، جوفرض نمازوں کے ساتھ مشروع ہیں، جن کا فائدہ نقصان کی تلافی ہے، جوفرض نماز میں واقع ہوا ہو، "علی هذا القياس" ان روزوں کی مشروعیت صیام رمضان میں نقص کی تلافی وتدارک کے لئے ہے۔(المنہل) میں کہتا ہوں اور یہی مصلحت حدیث شریف میں صدقۃ الفطر کی مشروعیت کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ "كما تقدم في كتاب الزكوة عن ابن عباس قال فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطر طهرة للصيام من اللغو والرفث وطعمة للمساكين. الحديث" (مرقاۃ:۵۴۱/۲،الدرالمنضود:۲۴۶/۴)

عیدین میں روزہ ممنوع ہے

{۱۹۵۰} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۶۷، کتاب الصوم، باب صوم یوم الفطر، حدیث نمبر:۱۹۴۹۔ مسلم شریف: ۱/۳۶۰، کتاب الصیام، باب صوم یوم العیدین، حدیث نمبر:۱۱۳۸۔

حل لغات: یوم الفطر: بمعنی روزے دار کے افطار کرنے کا دن یعنی عید الفطر، النحر: سینے کا بالائی حصہ مراد بقرعید ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید اور بقرعید میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: یعنی عید الفطر اور عید الاضحی ان دونوں میں روزہ رکھنا بالاتفاق حرام ہے۔البتہ صحت

نذر میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص عیدین کے روزے کی نذر مانے تو حنفیہ کے یہاں جائز ہے، نذر منعقد ہو جائے گی، مگر ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے، بلکہ قضا واجب ہوگی، اور جمہور کے نزدیک نذر منعقد ہی نہیں ہوتی، لہٰذا قضا بھی واجب نہیں۔

عیدین میں روزہ رکھنے کی ممانعت اس لئے ہے کہ یوم الاضحیٰ من جانب اللہ ضیافت کا دن ہے، جس میں اضحیہ کا گوشت کھایا جاتا ہے، اس دن روزہ رکھنے میں اعراض عن الضیافۃ لازم آتا ہے، اور یوم الفطر میں منع اس لئے ہے کہ وہ شرعاً افطار ہی کا دن ہے، جس طرح رمضان میں صوم مامور بہ ہے، اسی طرح اس دن کا وظیفہ صوم کی ضد یعنی افطار ہے، اور روزہ رکھنا اس میں فعل شیطان ہے۔ (مرقاۃ: ۵۴۲/۲، طیبی: ۲۲۰/۴)

عیدین کے روزے کا اعتبار نہیں

{۱۹۵۱} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَوْمَ فِيْ يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲۶۸/۱، کتاب الصوم، باب صوم یوم النحر، حدیث نمبر: ۱۹۵۲۔ مسلم شریف: ۳۶۰/۱، کتاب الصوم، باب صوم یومی العیدین، حدیث نمبر: ۱۱۳۸۔

حل لغات: الفطر: بمعنی عید، عید الاضحیٰ بمعنی بقرعید۔

ترجمہ: انہی سے (حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی) روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دو دن ایسے ہیں جن میں روزہ درست نہیں، ایک تو عید کا دن دوسرا بقرعید کا دن۔“

تشریح: وعنہ: یعنی یہ روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے۔

لا صوم فِي يَوْمَيْنِ الخ: یعنی عید اور بقرعید ان دونوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

ایام تشریق میں روزے

{۱۹۵۲} وَعَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۶۰، کتاب الصوم، باب تحریم صوم ایام التشریق الخ، حدیث نمبر: ۱۱۴۱۔

حل لغات: التشریق: شَرَّقَ (تفعیل) گوشت کو دھوپ میں خشک کرنا، ایام تشریق عید الاضحی کے بعد تین دن اس لئے کہ ان دنوں میں قربانی کا گوشت خشک کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کا دن ہے۔''

تشریح: تحریم صوم عیدین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بعض ایام اور بھی ہیں جن میں روزہ ممنوع ہے، یعنی ایام تشریق۔ لیکن صوم عیدین کی تحریم تو متفق علیہ ہے۔

مذاہب ائمہ

اور ایام تشریق کی نہی مختلف فیہ ہے، اس میں علامہ عینی نے علماء کے نو قول ذکر کئے ہیں، جس میں سے مشہور تین ہیں:

(۱)......لا یجوز مطلقاً عندنا والشافعی فی الجدید۔

(۲)......عند مالك واحمد یجوز للتمتع والقارن وبه قال الشافعی فی القدیم۔

(۳)......یجوز مطلقاً عند ابی اسحاق من الشافعیة وبعض اهل العلم۔

ایام تشریق وایام نحر کی تعیین

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ایام تشریق کی تعداد وتعیین میں علماء کا بھی فی الجملہ

اختلاف ہے، اور ناقلین مذاہب کا اس سے زائد "کما یظھر ذلك بالرجوع الی شروح الحدیث ومنھا فی الاوجز" لیکن تحقیق یہ ہے کہ "کما فی الابواب والتراجم" کہ ایام تشریق کا مصداق "عند الجمھور ومنھم الائمة الاربعة کما فی الاوجز عن کتب فروعھم" تین دن ہیں۔ حادی عشر، ثانی عشر، ثالث عشر من ذی الحجة۔ اور ایام نحر کا مصداق بھی عندالجمھور تین ہیں، الیوم العاشر ویومان بعدہ۔ لہٰذا دس ذی الحجہ ایام نحر میں داخل ہے، ایام تشریق میں غیر داخل اور تیرہ ذی الحجہ ایام تشریق میں سے ہے نہ کہ ایام نحر اور درمیانی دو کا شمار دونوں میں ہے، لیکن شافعیہ کا ایام نحر کی تعداد میں اختلاف ہے ان کے نزدیک وہ چار یوم ہیں تیرہویں ذی الحجہ بھی اس میں داخل ہے۔

ایام تشریق کی وجہ تسمیہ

ایام تشریق کی وجہ تسمیہ میں چند قول ہیں:

(۱)......شرق بمعنی نشر فی الشمس کیونکہ ان ایام میں قربانی کے گوشت لوگ دھوپ میں پھیلاتے ہیں، خشک کرنے کے لئے۔

(۲)...... دوسرا قول ایام تشریق اس لئے کہا جاتا ہے کہ قربانی کے جانور کا نحر شروق شمس کے بعد ہوتا ہے۔

(۳)......یہ تسمیہ صلوۃ عید کے اعتبار سے ہے جو شروق شمس کے وقت ہوتی ہے۔

(۴)......تشریق بمعنی تکبیر جو ان دنوں میں فرض نمازوں کے بعد کہی جاتی ہے۔

(التعلیق: ۳۹۹ / ۲، طیبی: ۲۲۱ / ۴، الدر المنضود: ۲۳۳ / ۴)

صرف جمعہ کے دن کا روزہ

{۱۹۵۳} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَصُوْمُ اَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اِلَّا اَنْ یَصُوْمَ قَبْلَہٗ اَوْ یَصُوْمَ بَعْدَہٗ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۶۶، کتاب الصوم، باب صوم یوم الجعمۃ، حدیث نمبر: ۱۹۸۳۔

مسلم شریف: ۱/۳۶۰، کتاب الصیام، باب کراھۃ افرادیوم الجمعۃ بصوم الخ، حدیث نمبر: ۱۱۴۴۔

حل لغات: قبلہ: پہلے، بعدہٗ: بعد۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں سے کوئی (صرف) جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ اس سے پہلے روزہ رکھے یا اس کے بعد۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے نہی کی گئی ہے، اگلی حدیث شریف کا بھی تقریباً یہی مضمون ہے، اس میں صرف جمعہ کی رات کے قیام سے بھی نہی ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا کسی خاص تاریخ کو روزہ رکھنے کا معمول ہو اور وہ تاریخ جمعہ کے دن پڑ رہی ہو تو صرف جمعہ کا روزہ رکھنے کی اجازت ہے، جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے نہی کا کیا مطلب اور مقصد ہے؟

اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں: بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہی اس وقت ہے جب کہ جمعہ کے دن روزہ رکھنے میں کسی خاص ثواب کا اعتقاد ہو یا اعتقاد کا اندیشہ ہو، ایسی صورت میں صرف جمعہ کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہئے بلکہ اس کے ساتھ جمعرات یا ہفتہ کا بھی ملا لینا چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ جمعہ کا دن بڑا مبارک دن ہے۔ لیکن کسی دن میں کسی خاص عبادت کا زیادہ ثواب ملنا یہ بات صرف وحی سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس بات کا اہتمام فرمایا ہے کہ کسی بھی وقت یا دن کی ایسی خصوصیت کا اعتقاد نہ ہو جو وحی سے ثابت نہیں۔ جمعہ کا دن چونکہ برکات کا دن ہے، اس لئے اس میں روزہ کا معمول بنا لینے کی اجازت دینے سے ایسی خصوصیت کے اعتقاد کا خطرہ تھا، اس لئے اس سے منع فرما دیا۔ اگلے صفحہ پر

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث آ رہی ہے۔ "قلما کان یفطر یوم الجمعة" اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بھی جمعہ کے دن کا روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔

جمعہ کے دن کا منفرداً روزہ رکھا جائے اس کے ساتھ جمعرات یا ہفتہ کا روزہ نہ رکھا جائے تو کیا حکم ہے؟ اس میں ائمہ کا بھی اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ امام مالکؒ کا قول مشہور بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ مکروہ ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنے کا منشاء فساد اعتقاد ہو تو نہیں رکھنا چاہئے ورنہ رکھ لینا چاہئے۔ اس سے روایات حدیث اور روایات فقہیہ میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ (معارف السنن: ۴۲۳/ ۵، اشرف التوضیح: ۲/ ۲۶۱)

ممانعت کی حکمت

جہاں تک تعلق ہے حدیث باب کا جس میں صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے تو اس میں کیا حکمت ہے؟

اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

(۱)......علامہ نوویؒ نے فرمایا: کہ چونکہ جمعہ کا دن استحباب دعائ، کثرت ذکر اور غسل وغیرہ کا دن ہے، اس لئے روزہ رکھنے سے منع کیا گیا تا کہ مذکورہ عبادات کی ادائیگی میں اعانت ہو، سہولت اور بشاشت کے ساتھ ان کو ادا کیا جاسکے، جیسا کہ یوم عرفہ میں حاجیوں کے لئے افطار کا حکم ہے۔

(۲)......بعض حضرات کہتے ہیں: کہ جمعہ کا دن چونکہ یوم العید ہے اسلئے روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۳)......بعض کہتے ہیں کہ اس لئے منع کیا گیا تا کہ لوگ مبالغہ فی تعظیم الجمعہ میں مبتلا ہو کر فتنہ میں نہ پڑ جائیں، جیسا کہ یہود نے ہفتہ کے دن اور نصاریٰ نے اتوار کے دن کی تعظیم کے فتنہ میں پڑ کر صرف اسی دن کو عبادت کے لئے مخصوص کرلیا اور صرف اسی دن کی بے انتہا تعظیم کرنے لگے۔

(۴)......بعض کا کہنا ہے کہ وجوب اعتقاد کے خوف کی بناء پر منع کیا گیا۔

(۵)......بعض کہتے ہیں کہ اس لئے منع کیا گیا کہ ایسا نہ ہو کہ جمعہ کے دن کا روزہ ان پر فرض کر دیا جائے۔

(۶)......بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ نصاریٰ پر جمعہ کا روزہ فرض تھا، اسلئے یہ حکم دیا گیا تا کہ ان کی مخالفت ہو جائے، کیونکہ ہم ان کی مخالفت کے مامور ہیں۔

(المجموع شرح المهذب: ۴۳۸/۶، عمدة القاری: ۱۰۵/۱۱، نفحات التنقیح: ۱۹۹/۳)

روزہ کے لئے جمعہ کا دن خاص نہ کرے

{۱۹۵۴} **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِّنْ بَيْنَ اللَّيَالِيْ، وَلَا تَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِّنْ بَيْنَ الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ صَوْمٍ يَّصُوْمُهٗ اَحَدُكُمْ۔ ﴿رَوَاهُ مُسْلِمٌ﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۳۶۱/۱، کتاب الصیام، باب کراهیة افراد یوم الجمعة، حدیث نمبر: ۱۴۴۔

(اس سے پیچھے ایک حدیث پر یہی حدیث نمبر آیا ہے۔ تتبع کریں۔)

حل لغات: لا تختصوا: اختص (افتعال) خاص کرنا۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ تمام راتوں میں جمعہ کی رات کو عبادت کے لئے خاص نہ کرو اور تمام دنوں میں جمعہ کے دن کو روزے کے لئے خاص نہ کرو الا یہ کہ اس تاریخ میں آجاتے ہیں جن میں تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو۔“

تشریح: وعنہ: یعنی یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لا تختصوا الیلۃ الجمعۃ بقیام: عبادت سے مراد عام عبادت ہے، خواہ جس طرح کی عبادت ہو، یہ حدیث اس باب میں بالکل صحیح ہے کہ جمعہ کی رات کو عبادت کے لئے خاص نہ کرے اس لئے علماء کرام نے لکھا ہے کہ جمعہ کی رات کو عبادت کے لئے خاص کرنا مکروہ ہے۔

لاتختصوا یوم الجمعة بصیام الخ: یعنی جس طرح سے جمعہ کی رات کو عبادت کے لئے خاص کرنا مناسب نہیں اسی طرح اس جمعہ کے دن کو عبادت کے لئے خاص کرنا مناسب نہیں ہے۔

الا ان یکون فی صوم الخ: یہ کہ کوئی شخص کسی متعین تاریخ میں روزہ رکھتا ہو اور تاریخ جمعہ کے دن پڑگئی تو ایسے شخص کے لئے صرف جمعہ میں روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔

اللہ کی راہ میں ایک نفلی روزہ کی اہمیت

{۱۹۵۵} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ یَوْمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بَعَّدَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ عَنِ النَّارِ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۹۸، کتاب الجهاد، باب فضل الصوم فی سبیل اللہ، حدیث نمبر: ۱۷۵۵۔ مسلم شریف: ۱/۳۶۳، کتاب الصیام، باب فضل الصیام فی سبیل اللہ، حدیث نمبر: ۱۱۵۳۔

حل لغات: سبیل: راستہ۔ جمع: سُبُلٌ، وجه: چہرہ۔ جمع: وُجُوہ۔

ترجمه: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس شخص نے ایک دن اللہ کی راہ میں روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو دوزخ کی آگ سے ستر برس کی مسافت کے برابر دور رکھے گا۔''

تشریح: جو شخص جہاد کے دوران یا خالصۃً اللہ کے لئے روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے ستر سال کی مسافت کے برابر دور کردیگا۔

من صام یوما فی سبیل اللہ الخ: اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ غازی جہاد کے دوران نفلی روزہ رکھے اور پوری تندہی سے جہاد بھی کرے اس کے لئے مذکورہ اجر ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے روزہ رکھا اس کے لئے مذکورہ اجر ہے۔ (التعلیق: ۲/۴۰۰، مرقاۃ: ۲/۵۴۵، طیبی: ۴/۲۲۳)

نوافل میں اعتدال

{۱۹۵۶} **وَعَنْ** عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَبْدَاللّٰهِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّکَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّیْلَ فَقُلْتُ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّاِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّاِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَیْکَ حَقًّا لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مِّنْ کُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ صُمْ کُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَ اقْرَءِ الْقُرْآنَ فِیْ کُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ اِنِّیْ اُطِیْقُ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ صِیَامُ یَوْمٍ وَّاِفْطَارُ یَوْمٍ وَاقْرَأْ فِیْ کُلِّ سَبْعِ لَیَالٍ مَرَّةً وَّلَا تَزِدْ عَلٰی ذٰلِکَ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۶۵، کتاب الصوم، باب صوم الدھر، و باب حق الاھل فی الصوم، حدیث نمبر: ۳۴-۱۹۳۳۔ مسلم شریف: ۱/۳۶۶، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر الخ، حدیث نمبر: ۱۱۵۹۔

حل لغات: نَم: نام (س ن) نَوْمًا سونا، جسد جسم جمع اَجْسَاد، عین آنکھ جمع عُیُوْن، زوج: بیوی جمع اَزْوَاج، زَوْر زیارت کرنے والا، واحد جمع مذکر مؤنث سب کے لئے مستعمل ہے۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''کہ اے عبد اللہ کیا مجھے یہ نہیں بتلایا گیا کہ تم دن کو (برابر) روزہ رکھتے ہو اور رات کو برابر نماز پڑھتے ہو؟ تو میں نے کہا: بیشک یارسول اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ایسا نہ کرو روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، رات میں نماز بھی پڑھو اور سویا (بھی) کرو اس لئے کہ تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، تم پر تمہاری آنکھوں کا حق ہے، تم پر تمہاری بیوی کا حق ہے اور تم پر تمہارے مہمانوں کا

حق ہے، جس نے پوری زندگی روزہ رکھا، اس نے روزہ نہیں رکھا، ہر مہینے میں تین روزے زندگی بھر روزہ رکھنے کے برابر ہیں، اس لئے ہر مہینے میں تین روزے رکھو اور ہر مہینے میں تین قرآن پڑھو، میں نے کہا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: افضل روزہ رکھو یعنی صوم داؤد یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار اور سات دن میں ایک قرآن پڑھو اور اس پر زیادہ نہ کرو۔

تشریح: عبادت میں اعتدال ضروری ہے، نفلی عبادتوں میں اس طرح مشغول نہ ہو کہ دوسرے حقوق چھوٹنے لگیں۔

انک تصوم النهار: یعنی تم روزانہ روزہ رکھتے ہو اور افطار نہیں کرتے ہو۔

و تقوم اللیل: یعنی تم روزانہ رات بھر نمازیں پڑھتے رہتے ہو اور سوتے نہیں۔

فقلت بلی یا رسول الله!: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کا اقرار کرتے ہوئے جواب دیا کہ جی یارسول اللہ! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔

قال فلا تفعل: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کہ ایسا نہ کرو، اس لئے کہ دن میں روزہ اور رات بھر عبادت کرو گے تو تم کمزور ولاغر ہو جاؤ گے، جس کی وجہ سے دوسرے حقوق ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ گے۔

صم و أفطر: اس لئے نشاط کے وقت روزہ رکھو، عدم نشاط کے وقت روزہ نہ رکھو۔

و قم و نم: یعنی رات کے شروع اور آخر کے حصے میں عبادت کرو، اور درمیانہ رات میں آرام کرو۔

فان لجسدک علیک حقا الخ: اس لئے کہ تمہارے جسم کا، آنکھ کا، بیوی کا، اور مہمانوں کا تم پر حق ہے، جن کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، اس لئے ان کی ادائیگی کی بھی فکر ہونی چاہئے۔

لا صام من صام الدهر: یعنی جس نے زندگی بھر روزہ رکھا چونکہ اس نے شریعت کے مطابق روزہ نہیں رکھا، اس لئے اس کا روزہ رکھنا اور نہ رکھنا برابر ہے، گویا کہ اس نے روزہ ہی نہیں رکھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص روزانہ برابر روزہ رکھے وہ اس کا عادی ہو جائے گا صرف کھانے پینے کے اوقات بدل گئے روزہ سے جو مقصود ہے وہ اس صورت میں حاصل نہ ہوگا۔

صوم ثلاثۃ ایام من کل شھر صوم الدھر الخ: یعنی ہر مہینے میں تین روزے رکھنے کا ثواب زندگی بھر روزے رکھنے کے برابر ہے، اس لئے تم ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو، یہ کافی ہے۔

واقرء القرآن فی کل شھر: یعنی ہر مہینے میں رات کی نمازوں میں ایک قرآن ختم کرلیا کرو۔

قلت إنی أطیق أکثر من ذلك الخ: یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: کہ میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ روزہ رکھنے کی ایک شکل ہے جو افضل طریقہ ہے اور وہ ہے ''صوم داؤدی'' یعنی ایک دن روزہ رکھے، اور ایک دن افطار کرے، اور سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرلیا کرو۔

ولا تزد علی ذلک: یعنی یہ جو روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اس پر زیادہ نہیں کرو یا اب کوئی سوال نہ کرو۔ (مرقاۃ: ۵۴۵/۲)

﴿الفصل الثانی﴾

پیر اور جمعرات کے روزے

{۱۹۵۷} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسَ۔

﴿رواه الترمذی والنسائی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۵۷، ابواب الصوم، باب ما جاء فی صوم یوم الاثنین الخ، حدیث نمبر: ۷۴۵۔ نسائی شریف: ۱/۲۵۱، کتاب الصیام، باب صوم النبیﷺ، حدیث نمبر: ۲۳۶۲۔

حل لغات: الاثنین: دو، مراد یوم الاثنین، یعنی پیر کا دن ہے۔ الخمیس: پانچ، مراد یوم الاخمیس، یعنی جمعرات کا دن ہے۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتے تھے۔

تشریح: پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم الخ: یہ روایت پیچھے آچکی ہے۔ اور تفصیل بھی وہاں گذر چکی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۴۶)

پیر اور جمعرات میں اعمال کی پیشگی

{۱۹۵۸} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِیْ وَاَنَا صَائِمٌ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۵۷، ابواب الصوم، باب ما جاء فی صوم یوم الاثنین الخ، حدیث نمبر: ۷۴۷۔

حل لغات: تعرض: عَرَض (ض) عرضاً: پیش کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ پیر اور جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں پیش کئے جائیں کہ میں روزہ سے رہوں۔''

تشریح: پیر اور جمعرات کو بندے کے اعمال بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں، اس لئے جنہیں

استطاعت ہو ان دونوں دنوں میں روزہ رکھے۔

رفع العمل الی السماء کے بارے میں مختلف روایات

ابن الملک کہتے ہیں: یہ حدیث اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں ہے "یرفع عمل اللیل قبل عمل النہار وعمل النہار قبل عمل اللیل" کیونکہ ایک جگہ رفع کا ذکر ہے، اور دوسری جگہ عرض کا، یعنی ہر روز کے اعمال رفع کے بعد وہاں جمع ہوتے رہتے ہیں، اور پھر ان دو دنوں میں ان کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ اعمال کا رفع الی السماء شعبان کے مہینے میں ہوتا ہے، ان دونوں میں بھی کوئی منافات نہیں، اس لئے کہ ممکن ہے اسبوع یعنی ہفتہ بھر کے اعمال کا رفع مفصلاً ہوتا ہو، اور پورے سال کے اعمال کا شعبان میں مجملاً۔ (مرقاۃ: ۵۴۶/ ۲)

یوم الاثنین اور یوم الخمیس کے روزوں کا مندوب ہونا پہلے معلوم ہو چکا۔ (الدر المنضود: ۲۴۹/ ۴)

ایام بیض کے روزے

{۱۹۵۹} وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّھْرِ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ فَصُمْ ثَلٰثَ عَشَرَۃَ وَاَرْبَعَ عَشَرَۃَ خَمْسَ عَشْرَۃَ۔ ﴿رواہ الترمذی والنسائی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۵۹/ ۱، ابواب الصوم، باب ماجاء فی صوم ثلثۃ من کل شھر، حدیث نمبر: ۷۶۱۔

نسائی شریف: ۱/ ۲۵۷، کتاب الصیام، باب کیف یصوم ثلثۃ ایام من کل شھر۔ حدیث نمبر: ۲۴۶۶۔

حل لغات: صمت: صام (ن) صوما: روزہ رکھنا۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے ابوذر جب تم مہینے میں تین دن روزہ رکھو تو تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھو۔"

تشریح: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایام بیض یعنی مہینہ کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا ہے، ان تین تاریخوں کو ایام بیض اس لئے کہتے ہیں کہ ان دنوں کی راتیں روشن ہوتی ہیں، یہ لیالی مقمرہ کے دن ہیں، جس کو نحوی صفت بحال متعلق موصوف کہتے ہیں۔

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ہر ماہ تین روزے رکھنا صوم الدہر کے برابر ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ہر ماہ میں تین روزوں کا استحباب متعدد روایات میں وارد ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر ماہ میں تین روزے خود بھی رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے، اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، لیکن ان تین روزوں کی تعیین اور مصداق میں روایات بہت مختلف ہیں، بعض روایات میں ان کا مصداق ایام بیض کو بتایا گیا ہے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ماہ کے شروع کے تین دن جیسا کہ اس کے بعد کی حدیث میں ہے، اور بعض روایات میں ان کے علاوہ اور دنوں کی تعیین آئی ہے، چنانچہ مصنف آگے اسی اختلاف کو دوسرے ابواب سے بیان کر رہے ہیں، اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امام بخاری نے ''صیام البیض'' کا باب باندھا ہے، لیکن حدیث اس میں صیام البیض کی نہیں لائے، بلکہ صوم ثلاثۃ ایام من کل شہر کی لائے اور یہ اس لئے کہ وہ حدیث سنن کی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق نہ تھی، اس کی سند میں اختلاف ہے، ذکرہ الدارقطنی۔ البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ترجمہ اسی کا قائم کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ حافظ عراقی ترمذی کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ایام بیض کی تعیین میں نو قول ہیں۔ "تسعۃ اقوال" ان اقوال تسعہ کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے "الابواب والتراجم" میں نقل فرمایا ہے، اسی طرح یہ اقوال حاشیہ بخاری شریف میں بھی منقول ہیں، اور پھر اس کے محشی نے اس میں ایک اور قول کا اضافہ کر کے پورے دس قول کر دیئے۔ نیز مرقاۃ فصل ثالث میں بھی دس قول ذکر کئے ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۵۵۲)

جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱)......ایام بیض متعین نہیں ہیں، بلکہ تعیین مکروہ ہے۔ یہی قول حضرت امام مالکؒ کا ہے۔

(۲)...... یہ ہے کہ مہینہ کے شروع کے تین دن ہیں، اور یہ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے۔

(۳)......مہینہ کی ۱۲رتاریخ سے ۱۴رتاریخ تک کے تین دن ہیں۔

(۴)......مہینہ کی ۱۳ر ۱۴ر ۱۵رتاریخ کے ایام ایام بیض ہیں۔

(۵)...... یہ ہے کہ پہلے مہینہ میں ہفتہ اتوار پیر اور دوسرے مہینہ میں منگل بدھ جمعرات اسی طرح چلتا رہے گا۔ یہ رائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے۔

(۶)......مہینہ کی پہلی جمعرات پیر اور جمعرات ہیں۔

(۷)......مہینہ کا پہلا پیر کا دن پھر جمعرات پھر پیر ہے۔

(۸)......مہینہ کی پہلی تاریخ دسویں تاریخ اور بیسویں تاریخ ہیں، یہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی رائے ہے۔

(۹)...... یہ ہے کہ ہر عشرہ کے پہلے تین ہیں۔

(۱۰)...... ہر مہینہ کے اخیر کے تین دن ہیں، یہی رائے امام نخعیؒ کی ہے۔ (فتح الباری: ۱۹۸/ ۴)

یہاں ایک چیز ذہن میں رکھنے کی ہے کہ یہ جو اوپر آیا ہے کہ ایام بیض کی تعیین میں نو یا دس قول ہیں اس تعبیر میں مسامحت ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ صوم ثلاثۃ ایام من کل شہر کی تعیین میں اتنے قول ہیں، منجملہ ان کے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا مصداق ایام بیض ہیں۔ (الدر المنضود: ۲۵۸/ ۴)

شروع مہینے کے تین روزے

{۱۹۶۰} وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ کُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَقَلَّمَا کَانَ یُفْطِرُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ ﴿رواه الترمذی والنسائی﴾ وَرَوَاهُ

اَبُوْدَاؤُدَ اِلٰی ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۵۷/۱، ابواب الصوم، باب ماجاء فی صوم یوم الجمعة، حدیث نمبر: ۷۴۲۔
نسائی شریف: ۱/ ۲۵۱، کتاب الصیام، باب صوم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۲۳۷۰۔
ابوداؤد شریف: ۱/ ۳۳۲، کتاب الصوم، باب فی صوم الثلث من کل شهر، حدیث نمبر: ۲۴۵۰۔

حل لغات: غرة: مہینے کی ابتدائی تین راتیں۔ جمع: غرر۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے کے شروع میں تین روزے رکھا کرتے تھے، اور جمعہ کے دن کا روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کم ہی ناغہ کرتے تھے۔

تشریح: یصوم من غرة کل شهر ثلاثة ایام: یعنی حضرت رسول اکرم ﷺ کے روزے رکھنے کا ایک طریقہ بتایا جارہا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی مہینے کے شروع تین دنوں میں روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مستقل اہتمام نہ تھا، بلکہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا کرلیا کرتے تھے، یہ تشریح اس لئے کی گئی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کے خلاف لازم نہ آئے جس میں انہوں نے فرمایا ہے: "لم یکن یبالی من أی ایام الشهر یصوم" (مرقاة: ۵۴۷/۲)

و قلما کان یفطر یوم الجمعة: یعنی مہینے کے تین روزے کے درمیان جمعہ کا دن آجاتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزہ رکھ لیتے تھے، جمعہ کے دن کا روزہ نہ چھوڑتے تھے، یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ حدیث پیچھے آچکی ہے کہ صرف جمعہ کا روزہ رکھنا مناسب نہیں ہے۔

باری باری سب دنوں میں روزہ رکھنا

{۱۹۶۱} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ

وَمِنَ الشَّہْرِ الآخَرِ الثَّلٰثَآئَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِیْسَ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۵۷، ابواب الصوم، باب ماجاء فی صوم یوم الاثنین الخ، حدیث نمبر:۷۴۶۔

حل لغات: السبت: ہفتہ۔ والاحد: اتوار۔ الثلثائ: منگل۔ الاربعاء: بدھ۔ الخمیس: جمعرات۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینے میں ہفتہ، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے تھے، اور کسی مہینے میں منگل، بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔

تشریح: ہر مہینے تین روزے رکھنے کا ایسا اہتمام بنایا جائے کہ ہفتے میں ہر دن روزہ رکھا جاسکے۔

یصوم من الشھر السبت الخ: جناب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طریقے سے اس لئے روزے رکھتے تھے تاکہ تمام ایام کو یہ شرف حاصل ہوجائے کہ ان تمام میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روزے رکھے ہیں۔

تین روزوں کی ابتداء پیر یا جمعرات سے

{۱۹۶۲} وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْمُرُنِیْ اَنْ اَصُوْمَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَہْرٍ اَوَّلُہَا الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسَ۔ ﴿رواہ ابوداؤد والنسائی﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۳۳۲، کتاب الصوم، باب من قال الاثنین والخمیس، حدیث نمبر:۲۴۵۲۔ نسائی شریف: ۲۵۶، کتاب الصیام، باب کیف یصوم ثلثة ایام من کل شہر۔ حدیث نمبر:۲۴۲۱۔

حل لغات: شہر: مہینہ۔ جمع: شہور۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے حکم دیتے تھے کہ میں ہر مہینے تین روزے رکھوں، جس کی ابتداء پیر یا جمعرات سے ہو۔

تشریح: یأمرنی ان اصوم ثلثۃ ایام الخ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس طرح روزہ رکھنے کا حکم دیا تا کہ ان کے اعمال بارگاہ الٰہی میں اس طرح پیش ہوں کہ وہ روزے سے ہوں۔

ہر ماہ میں تین روزے اس طرح کہ مہینہ کی نوچندی پیر اور نوچندی جمعرات، لیکن یہ تو دو ہی روزے ہوئے، لہٰذا ان دونوں دنوں میں سے کسی ایک کو مکرر کر لینا ہوگا، یعنی دو پیر اور ایک جمعرات، یا اس کا عکس یعنی دو جمعرات اور ایک پیر۔ چنانچہ مسند احمد کی روایت میں ہے "اول اثنین والخمیسین" اور نسائی کی روایت میں ہے: "اول خمیس والاثنین والاثنین" ان سب روزوں کی مندوبیت پہلے بھی گذر چکی ہے۔

ثواب صوم دہر کی ایک صورت

{۱۹۶۳} وَعَنْ مُسْلِمٍ الْقُرَشِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ اَوْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ؟ قَالَ اِنَّ لِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا صُمْ رَمَضَانَ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ وَكُلَّ اَرْبِعَاءَ وَخَمِيْسٍ فَاِذَا اَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۵۷، ابواب الصوم، باب ماجاء فی صوم الاربعاء الخ، حدیث نمبر: ۷۴۸۔

ابوداؤد شریف: ۱/۳۳۰، کتاب الصوم، باب فی صوم شعبان، حدیث نمبر: ۲۴۳۲۔

حل لغات: الدھر: زمانہ۔ جمع: دھور۔

ترجمہ: حضرت مسلم قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے یا کسی اور نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صوم دہر کے بارے میں دریافت کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ "تم پر تمہارے گھر والوں کا حق ہے، اس لئے رمضان کے روزے رکھو اور ان

دنوں کے روزے جو رمضان سے ملے ہوئے ہیں اور بدھ و جمعرات کے روزے رکھو، اگر تم نے ایسا کرلیا تو گویا تم نے ساری زندگی کے روزے رکھے۔"

تشریح: زندگی بھر روزہ رکھنے کے ثواب ملنے کی ایک صورت یہ بھی ہے جسے اس حدیث شریف میں بیان کیا ہے۔ (باقی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔)

وقوف عرفہ کی حالت میں روزہ ممنوع ہے

{۱۹۶۴} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ صَوْمِ یَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ۔

﴿رواه ابوداؤد﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/ ۳۳۱، کتاب الصوم، باب فی صوم عرفة الخ، حدیث نمبر: ۲۴۴۰۔

حل لغات: نهی: نهی (س) نهیا: روکنا، منع کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن عرفہ میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: نهی عن صوم یوم عرفة بعرفة: یعنی عرفہ کے دن عرفہ کے دوران روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے، اس لئے کہ وہ دن کثرت دعا کا ہے، روزے کی وجہ سے نقاہت آسکتی ہے، اس لئے اس دن روزہ نہ رکھے، نیز اسی دن سورج ڈوبنے کے بعد مزدلفہ کی طرف چل دینا ہے، روزہ رکھا جائے گا تو مزدلفہ جانے میں تاخیر ہوسکتی ہے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ روزہ نہ رکھے۔ (مرقاۃ: ۲/ ۵۸۴)

صرف ہفتے کے دن کا روزہ

{۱۹۶۵} وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ عَنْ اُخْتِهِ الصَّمَّاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَصُوْمُوْا یَوْمَ السَّبْتِ اِلاَّ فِیْمَا افْتُرِضَ عَلَیْکُمْ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ اَحَدُکُمْ اِلاَّ لِحَاءَ عِنَبَۃٍ اَوْ عُوْدَ شَجَرَۃٍ فَلْیَمْضُغْہُ۔ ﴿رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ والدارمی﴾

حوالہ: مسند احمد: ۳٦۸/٦، ابو داؤد شریف: ۳۲۹/۱، کتاب الصیام، باب النھی ان یخص یوم السبت بصوم، حدیث نمبر: ۲۴۲۱۔ ترمذی شریف: ۱۵۷/۱، ابواب الصوم، باب ماجاء فی صوم یوم السبت، حدیث نمبر: ۷۴۴، ابن ماجہ شریف: ۱۲۴، کتاب الصیام، باب ماجاء فی صیام یوم السبت، حدیث نمبر: ۱۷۲٦۔ دارمی: ۳۲/۲، کتاب الصوم، باب فی صیام یوم السبت، حدیث نمبر: ۱۷۴۹۔

حل لغات: افترض: افترض (افتعال) واجب ٹھہرانا۔ لحاءٔ: لکڑی یا درخت کی چھال۔ عنبۃ: انگور۔ جمع: اعناب۔ عود: لکڑی۔ جمع: عیدان وا عواد۔ شجرۃ: درخت۔ جمع اشجار۔ فلیمغضہ: مضغ (ف ن) مضغا: چبانا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ اپنی بہن صماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم لوگ ہفتے کے دن روزہ نہ رکھو الا یہ کہ اس دن تم پر کوئی فرض روزہ آجائے اگر تم میں سے کوئی شخص صرف انگور کی چھال یا درخت کی لکڑی پائے تو اسی کو چبالے۔''

تشریح: عن اختہ الصماء: یہ ان کا عرف ہے، اصل نام بھیۃ تھا۔

لا تصوموا یوم السبت: یعنی صرف ہفتے کے دن کا روزہ نہ رکھے، اس لئے کہ وہ دن یہودیوں کے لئے عید کا دن ہے، وہ لوگ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں، اب اگر مسلمان اس دن روزہ رکھنا شروع کردیں گے تو تعظیم میں دونوں قوم شریک ہوکر یہودیوں کی مشابہت لازم آئے گی، حالانکہ ان کی مخالفت ضروری ہے، اس لئے صرف ہفتے کے دن روزہ نہ رکھے۔ اور یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے، جیسا کہ جمہور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔

الا فیما افترض: یعنی اگر ہفتے کے دن فرض روزہ یا واجب روزہ یا نفلی روزہ رکھنے کا دن

آ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

فان لم یجد احد کم الا الخ: یعنی یہ کہ ہفتے کے دن اگر ایسی نوبت آ جائے کہ کوئی چیز کھانے کو نہیں مل رہی ہے تو ادنیٰ چیز کھا کر یہ ثابت کر دے کہ وہ روزے سے نہں ہے۔ باقی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۴۸، طیبی: ۴/۲۲۸)

اللہ کی راہ میں ایک نفلی روزہ رکھنے کی فضیلت

{۱۹۶۶} وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ یَوْماً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ جَعَلَ اللّٰہُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ النَّارِ خَنْدَقاً کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۹۲، ابواب فضائل الجہاد، باب ما جاء فی فضل الصوم فی سبیل اللہ، حدیث نمبر: ۱۶۲۴۔

حل لغات: سبیل: راستہ جمع: سبل۔ خندق: کھائی، گڑھا۔ جمع: خنادق۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ جس شخص نے ایک دن اللہ تعالیٰ کی راہ میں روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان خندق (حائل) کر دیتا ہے، جس کی دوری زمین آسمان کی دوری کے برابر ہے۔“

تشریح: من صام یوما فی سبیل اللہ الخ: اس کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ غازی جہاد کے دوران روزہ رکھے اور پوری تندہی کے ساتھ جہاد بھی کرے، اس کیلئے مذکور اجر ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے جو روزہ رکھے گا اس کیلئے مذکورہ اجر ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۴۹)

جاڑے کے روزہ میں بلا محنت ثواب پانا

{۱۹۶۷} وَعَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَنِيْمَةُ الْبَارِدَةُ الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ۔ ﴿رواہ احمد والترمذی﴾ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُرْسَلٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ فِيْ بَابِ الْاُضْحِيَّةِ۔

حوالہ: مسند احمد: ۳۳۵/۴، ترمذی شریف: ۱۵۴/۱، ابواب الصوم، باب ماجاء فی الصوم فی الشتاء، حدیث نمبر: ۷۹۷۔

حل لغات: الغنیمة: بلا مشقت کی کمائی، لڑائی میں حاصل ہونے والا مال۔ جمع: غنائم۔ الباردة: ٹھنڈا۔

ترجمہ: حضرت عامر بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جاڑے میں روزہ رکھنا ٹھنڈا مال غنیمت ہے۔'' اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے، اور کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ''ما من ایام احب الی اللہ'' اضحیہ کے باب میں ذکر کی گئی ہے۔

تشریح: عن عامر بن مسعود: یعنی عامر تابعی ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے لڑکے ہیں، عامر کی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہے۔

الغنیمة الباردة الصوم فی الشتائ: یعنی جس طرح سے بعض دفعہ بغیر لڑائی کے مال غنیمت حاصل ہو جاتا ہے، ایسے ہی جاڑے میں روزہ رکھنے سے بلا مشقت ثواب ملتا ہے۔

ھذا حدیث مرسل: عامر چونکہ تابعی ہیں، اس لئے یہ حدیث شریف مرفوع نہیں، بلکہ مرسل ہے۔

ما من ایام احب الی اللہ: یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ٹکڑا ہے، باب کی مناسبت سے یہ حدیث شریف یہاں نقل کی جانی تھی، لیکن یہ حدیث شریف ''باب الاضحیة'' میں منقول ہو چکی ہے، اس لئے تکرار سے بچنے کے لئے صاحب مشکوۃ نے اس حدیث شریف کو یہاں ذکر نہیں کیا، اور لطیف اشارہ کر دیا کہ یہ حدیث ''باب الاضحیة'' میں نقل کی جا چکی ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

صوم عاشورہ کی مشروعیت

{۱۹۶۸} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ فَوَجَدَ الْیَہُوْدَ صِیَاماً یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَہُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاھٰذَا الْیَوْمُ الَّذِیْ تَصُوْمُوْنَہٗ فَقَالُوْا ھٰذَا یَوْمٌ عَظِیْمٌ اَنْجَی اللّٰہُ فِیْہِ مُوْسٰی وَقَوْمَہٗ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَہٗ فَصَامَہٗ مُوْسٰی شُکْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰی بِمُوْسٰی مِنْکُمْ فَصَامَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ۔

﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۶۸، کتاب الصوم، باب صیام یوم عشورائ، حدیث نمبر:۱۹۶۰۔ مسلم شریف: ۱/۳۵۹، کتب الصیام، باب صوم یوم عاشورائ، حدیث نمبر:۱۱۳۰۔

حل لغات: قدم: قَدِمَ (س) قُدُوْمًا آنا، فوجد: وَجَدَ (ض) وَجْدًا پانا، انجی: اَنْجٰی (افعال) نجات دینا، غرق: غَرَّقَ (تفعیل) ڈوبانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو یہود کو عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا کہ یہ کونسا دن ہے جس میں تم لوگ روزہ رکھتے ہو تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ وہ عظیم دن ہے جس میں اللہ نے موسیٰ اور ان کی قوم کو بچایا اور فرعون اور اس کی قوم کو برباد کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکرانہ یہ روزہ رکھا تھا، تو ہم لوگ بھی یہ روزہ رکھتے

ہیں، تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہماری موسیٰ سے نزدیکی زیادہ ہے اس لئے ہم زیادہ حق دار ہیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

تشریح: قدم المدینۃ: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔

فوجد الیھود صیاما: تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں یہودیوں کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔

ما ھذا الذی تصوم منہ: یعنی یہ جو تم لوگ یوم عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہو اس کی وجہ کیا ہے؟

فقالوا ھذا یوم عظیم الخ: تو ان یہودیوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عظیم دن ہے جس میں بڑے بڑے کارنامے رونما ہوئے، اس لئے اس دن کی تعظیم ضروری ہے، ان میں سے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس دن فرعون کے ظلم واستبداد سے نجات عطا فرمائی تھی۔ اور فرعون کو مع اس کے لشکر کے غرق کر دیا تھا، اس لئے ہم لوگ اس دن روزہ رکھتے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ہم چونکہ اصول دین میں ان کی موافقت کرتے ہیں، ان کی کتاب توریت پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے ان کی اتباع کا ہم لوگ زیادہ حق رکھتے ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی روزہ رکھا اور امت کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (مرقاۃ: ۲/۵۵۰)

عاشورہ کی وجہ تسمیہ

علامہ عینی نے بیان فرمایا ہے کہ عاشورہ کے دن دس انبیاء علیہم السلام کا اکرام کیا گیا، اس لئے اس کا نام عاشورہ رکھا گیا ہے، لیکن زیادہ ظاہر اور واضح یہ ہے کہ یہ محرم کا دسواں روز ہونے کی وجہ سے اس کو عاشورہ کہتے ہیں۔

دس انبیاء علیہم السلام کا اکرام کیا گیا اس کی تفصیل یہ ہے:

(۱)......حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی اس دن مدد کی گئی اور فرعون کو غرق کیا گیا۔

(۲)......اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔

(۳)......اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بطن حوت مچھلی کے پیٹ سے نجات عطا فرمائی۔

(۴)......اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔

(۵)......اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا گیا۔

(۶)......اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن ان کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

(۷)......اسی دن حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔

(۸)......اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

(۹)......اسی دن حضرت یعقوب علیہ السلام کو دوبارہ بینائی ملی۔

(۱۰)......اسی دن امام الانبیاء حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی پچھلی لغزشوں کی معافی عطا ہوئی۔

اور بعض نے ذکر کیا ہے:

(۱۱)......اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔

(۱۲)......اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف دور ہوئی۔

(۱۳)......اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام سلیمان کو سلطنت عطا ہوئی۔ ابن رسلان نے یہ قول منذری سے نقل کیا ہے۔ (اوجز المسالک: ۵/۱۸۵)

ہفتہ اور اتوار کا روزہ

{۱۹۶۹} وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ یَوْمَ السَّبْتِ وَیَوْمَ الْاَحَدِ اَکْثَرَ مَایَصُوْمُ مِنَ الْاَیَّامِ وَیَقُوْلُ اِنَّھُمَا یَوْمَا عِیْدٍ لِّلْمُشْرِکِیْنَ فَاَنَا اُحِبُّ

اَنْ اُخَالِفَهُمْ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ۔

حوالہ: مسند احمد: ۳۲۳/۶۔

حل لغات: الایام: جمع ہے یوم کی بمعنیٰ دن۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسرے دنوں کے مقابلے میں ہفتہ اور اتوار میں زیادہ روزہ رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں مشرکین کیلئے عید کے دن ہیں، اسلئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کروں۔

تشریح: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم الخ: حضرت رسول اکرم ﷺ کا ہفتہ اور اتوار کے دن روزہ رکھنا یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت میں سے ہے، یہ تشریح اس لئے کرنی پڑ رہی ہے کہ اگر یہ تشریح نہ کی جاتی تو اس حدیث شریف کے خلاف لازم آئے گا جس میں آنحضرت ﷺ نے صرف ہفتے کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ "الا تصوموا یوم السبت الا فیما افترض علیکم الحدیث"

للمشرکین: یہ مشرکین موحد کے مقابلے میں بولا گیا ہے، اس اعتبار سے اہل کتاب بھی مشرک ہیں، اسلئے کہ وہ بھی شرک کے ارتکاب کے شکار ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۵۵۱، التعلیق: ۲/۴۰۳)

فرضیت رمضان سے قبل عاشورہ کا روزہ

{۱۹۷۰} وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنَا بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهٗ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ لَمْ يَاْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ وَلَمْ يَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهٗ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۳۵۸/۱، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث نمبر: ۱۱۲۸۔

حل لغات: یحثنا: حَثَّ (ن) حَثًّا برانگیختہ کرنا، اکسانا، یتعاهدنا: تَعَاهَدَ (تفعل) وعدے

کی تحدید کرنا، خبر گیری کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں عاشورہ کے دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے، اس پر اکساتے اور اس دن ہماری خبر گیری کرتے جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا اور نہ ہی منع فرمایا اور نہ ہی اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری خبر گیری کی۔

تشریح: فرضیت صوم رمضان سے پہلے عاشورہ کا روزہ واجب تھا، اسلئے جناب رسول اللہ ﷺ اس دن روزہ رکھنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی ترغیب دیکر روزہ رکھنے کی تاکید فرماتے تھے، لیکن جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو صوم عاشورہ کا وجوبی حکم منسوخ ہوگیا، تو اب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ ہی روزہ رکھنے کو فرمایا اور نہ ہی منع فرمایا۔

باقی عاشورہ محرم کا حکم کیا ہے اس کی تفصیل اوپر بیان کی جاچکی۔

نفلی روزوں کا اہتمام

{۱۹۷۱} وَعَنْ حَفْصَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اَرْبَعٌ لَّمْ يَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ عَاشُوْرَآءَ وَالْعَشْرِ وَثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ ﴿رَوَاهُ النَّسَائِىُّ﴾

حوالہ: نسائی شریف: ۱/۲۵۶، کتاب الصیام باب کیف یصوم ثلثة ایام من کل شهر، حدیث نمبر: ۲۴۱۸۔

حل لغات: رکعتان: رکعة کا تثنیہ ہے بمعنی رکعت۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چھوڑتے تھے، عاشورہ کا روزہ، دہے کے روزے، ہر مہینے کے تین روزے اور فجر سے پہلے دو رکعت۔

تشریح: لم یکن یدعھن: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چار چیزوں کو نہیں چھوڑتے تھے۔

صیام عاشوراء: یعنی محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ۔

والعشر: یعنی محرم کے شروع کے نو روزے۔

وثلاثة ایام من کل شھر: یعنی ہر مہینے کے تین روزے۔

ورکعتان قبل الفجر: یعنی فجر کی دو رکعت سنت کو بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چھوڑتے تھے۔

فائدہ: سنن ونوافل کا اہتمام معلوم ہوا۔

ایام بیض کے روزے

{۱۹۷۲} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُفْطِرُ اَیَّامَ الْبِیْضِ فِیْ حَضَرٍ وَّلَا سَفَرٍ۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

حوالہ: نسائی شریف: ۱/ ۲۵۰، کتاب الصیام، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۲۳۴۷۔

حل لغات: حضر: سفر کی ضد ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہوں کہ حضر میں ایام بیض کے روزے نہیں چھوڑتے تھے۔

تشریح: ایام بیض کے روزے رکھنے میں کم سے کم دوہرا اجر ہے، ایک ایام بیض میں روزہ رکھنے کا اور ایک ہر ماہ میں تین روزے رکھنے کا، اس لئے ایام بیض میں روزے رکھنے کا معمول بنایا جاتا ہے۔

ایام بیض: یعنی تیرہویں، چودھویں، اور پندرہویں تاریخ کے روزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نہیں چھوڑتے تھے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۵۵۳ / ۲۔

فائدہ: نفلی روزوں کا اہتمام معلوم ہوا۔

روزہ بدن کی زکوٰۃ ہے

{۱۹۷۳} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ شَیْئٍ زَكٰوةٌ وَزَكٰوةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ۔ ﴿رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ﴾

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۱۲۵، کتاب الصیام، باب فی الصوم، زکوۃ الجسد، حدیث نمبر: ۱۷۴۵۔

حل لغات: شیء: چیز جمع اشیاء: زکوٰۃ: صدقہ، پاکیزگی۔ جمع: زَکَوات، الجسد: جسم۔ جمع: اَجْسَاد۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔''

تشریح: لکل شیء زکوۃ: یعنی ہر چیز کے پاک کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

وزکوۃ الجسد الصوم: تو جسم کے پاک کرنے کا طریقہ روزہ رکھنا ہے، اس سے بدن کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں، اور بدن پاک ہوتا ہے۔ بلکہ طبی نقطۂ نظر سے تو خود بدن کی اصلاح و درستی میں اضافہ ہوتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ کسی عبادت کی فضیلت و فائدہ اور مصلحت بضرورت بیان کرنے میں مضائقہ نہیں۔

پیر اور جمعرات کے روزے

{۱۹۷۴} وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَصُوْمُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّكَ تَصُوْمُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ

وَالْخَمِيْسِ فَقَالَ اِنَّ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ يَغْفِرُاللّٰهُ فِيْهِمَا لِكُلِّ مُسْلِمٍ اِلَّا ذَاهَاجِرَيْنِ يَقُوْلُ دَعْهُمَا حَتّٰى يَصْطَلِحَا۔ ﴿رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ﴾

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۱۲۴، کتاب الصیام، باب صیام یوم الاثنین الخ، حدیث نمبر: ۱۷۴۰۔ مسند احمد: ۳۶۸/۲۔

حل لغات: یوم الاثنین: ہفتہ، الخمیس: جمعرات۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ اور جمعرات میں روزہ رکھتے تھے، تو کہا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہفتہ اور جمعرات کو روزہ رکھتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا ہفتہ اور جمعرات ان دونوں دنوں میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مغفرت کرتے ہیں مگر آپس میں ترک تعلق کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کہتا ہے ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ صلح کرلیں۔

تشریح: پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنے والوں کی بخشش ہوتی ہے، اس لئے ان دنوں میں روزہ رکھنے کا اہتمام ہونا چاہئے۔

وعنہ: یعنی یہ حدیث شریف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

کان یصوم یوم الاثنین الخ: یعنی حضرت رسول اکرم ﷺ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتے ہیں، اس میں کیا حکمت ہے؟

یغفر اللّٰہ فیہما الخ: تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا: کہ ان دونوں دنوں میں جو روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو مغفرت کا پروانہ ملتا ہے، اس لئے میں ان دو دنوں میں کثرت سے روزہ رکھتا ہوں۔

الا ذاھاجرین الخ: یعنی آپس میں قطع تعلق والے اگر روزہ رکھیں بھی تو ان کی مغفرت نہیں ہوتی ہے، الا یہ کہ وہ لوگ صلح کرلیں، یعنی صلح کرلینے سے ان کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ (طیبی: ۲۳۲/۴)

فوائد: پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

(۲)......قطع تعلق کی نحوست اور مذمت کا علم ہوا۔
(۳)......اپنے اساتذہ اور مشائخ سے ان کے کسی عمل کی حکمت معلوم کی جاسکتی ہے۔
(۴)......کسی عمل کی مصلحت بیان کی جاسکتی ہے۔

روزہ کی فضیلت

{۱۹۷۵} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ یَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْہِ اللّٰہِ بَعَّدَہُ اللّٰہُ مِنْ جَھَنَّمَ کَبُعْدِ غُرَابٍ طَائِرٍ وَ ھُوَ فَرْخٌ حَتّٰی مَاتَ ھَرِمًا۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَرَوَی الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْ سَلَمَۃَ بْنِ قَیْسٍ۔

حوالہ: مسند احمد: ۵۲۶/۲، شعب الایمان للبیہقی: ۲۹۹/۳، حدیث نمبر: ۳۵۹۰۔

حل لغات: غراب: کوا جمع اَغْرُب وَ اَغْرِبَۃ، فرخ: پرندے کا بچہ جمع اَفْرُخٌ: اَفْرِخَۃ، ھرما: انتہائی بڑھاپا۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے اتنی دور کرتا ہے جتنی دور کہ کوا بچپن سے بوڑھا ہو کر مرنے تک اڑسکتا ہے۔“

تشریح: وعنہ: یعنی یہ روایت بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

من صام صوما ابتغاء وجہ اللّٰہ الخ: یعنی جو شخص ایک دن نفلی روزہ رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے بہت دور کردے گا۔

کبعد غراب طائر الخ: کتنی دور اسی حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ ایک کوا اپنی زندگی میں جہاں تک مسلسل اڑسکتا ہے ایک نفلی روزہ رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ جہنم سے اتنی دور کردیتا ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں کوے سے تشبیہ دی اس کی وجہ یہ ہے کہ پرندوں میں کوے کی عمر

بہت طویل ہوتی ہے، اور کوا دیگر پرندوں کے مقابلہ میں بہت تیز پروازی سے اڑتا ہے۔ پس کوا ابتداء پیدائش سے لے کر اپنی اخیر زندگی تک کتنی طویل مسافت طے کرے گا ایک روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے اتنا ہی دور فرمادیں گے۔ نفلی روزہ کی یہ کتنی عظیم فضیلت ہے لہٰذا نفلی روزوں کا اہتمام کرنے والے کتنے خوش نصیب اور کتنے عظیم المرتبت انسان ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۵۵۳)

011 Babu Tatimma

رقمِ الحدیث: ۱۹۷۶ر تا ۱۹۸۲ر

011 Babu Tatimma

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

باب

﴿الفصل الاول﴾

نفلی روزے کی نیت

{۱۹۷۶} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْئٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَإِنِّيْ إِذًا صَائِمٌ ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا اٰخَرَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ أَرِيْنِيْهِ فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا فَأَكَلَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حواله: مسلم شریف: ۱/۳۶۴، کتاب الصیام، باب جواز صوم النافلة بنیة من النهار الخ، حدیث نمبر: ۱۱۵۴۔

حل لغات: حیس: ایک قسم کا کھانا جو کھجور گھی اور ستو سے تیار کیا جاتا ہے۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کہ تمہارے پاس کچھ ہے، تو ہم نے کہا کہ نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے

اب روزہ رکھ لیا ہے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس دوسرے دن تشریف لائے تو ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس ہدیہ میں حیس آیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ مجھے دکھلاؤ، اگرچہ صبح سے میرا روزہ ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا۔

تشریح: فرض روزے کی طرح نفلی روزے کی بھی نیت صبح صادق کے بعد زوال تک کی جاسکتی ہے۔

ذات یوم: یعنی ایک دن۔

فقال هل عندکم شیئ: یعنی تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے، اس حدیث شریف میں شئ سے مراد کھانے کی چیز ہے، اس لئے کہ صحیح روایت میں شی کے بجائے لفظ غذاء ہے۔

"فقال هل عندكم شئ أي من الطعام وفي رواية صحيحة هل عندكم من غداء بفتح المعجمة والدال المهملة وهو ما يوكل قبل الزوال۔" (مرقاۃ: ۲/۵۵۳)

فقلنا لا قال فانی اذا صائم: حدیث شریف میں اس ٹکڑے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نفلی روزے کی نیت دن میں کی جاسکتی ہے، جیسا کہ جمہور کا یہی قول ہے۔

ثم اتانا یوما آخر الخ: یعنی جناب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسرے دن گھر میں تشریف لائے تو گھر والوں نے بتایا کہ آج گھر میں بطور ہدیہ حیس آیا ہوا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ لاؤ، میں نے روزہ رکھا ہے، یعنی ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں ہے، اس روایت کی بنیاد پر حضرات ائمہ ثلاثہ کا کہنا ہے کہ بلا کسی عذر کے نفلی روزے کو توڑا جاسکتا ہے۔لیکن حضرات احناف کا مسلک یہ ہے کہ نفلی روزہ بلا عذر توڑنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے: "وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ" اگر کسی نے نفلی روزہ بلا عذر توڑ دیا تو اس پر قضا لازم ہے۔جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قضا رکھنے کا حکم دیا ہے۔

"واحتجوا بحدیث عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر بالقضاء۔"

جواب: احناف کی طرف سے حدیث باب کا یہ جواب ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے مدنظر کوئی عذر ضرور تھا، بلاعذر آنحضرت ﷺ نے وہ روزہ نہ توڑا تھا، ممکن ہے کہ آنحضرت نے چونکہ صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس نہ کھانے پینے کو صوم سے تعبیر فرمادیا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۵۴)

ضیافت اور نفلی روزہ

{۱۹۷۷} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اُمِّ سُلَیْمٍ فَاَتَتْہُ بِتَمَرٍ وَسَمَنٍ فَقَالَ اَعِیْدُوْا سَمَنَکُمْ فِیْ سِقَآئِہٖ وَتَمَرَکُمْ فِیْ وِعَآئِہٖ فَاِنِّیْ صَآئِمٌ ثُمَّ قَامَ اِلٰی نَاحِیَۃٍ مِّنَ الْبَیْتِ فَصَلّٰی غَیْرَ الْمَکْتُوْبَۃِ فَدَعَا لِاُمِّ سُلَیْمٍ وَاَھْلِ بَیْتِھَا۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۶۶، کتاب الصوم، باب من زار قوما الخ، حدیث نمبر: ۱۹۴۰۔

حل لغات: تمر: کھجور، جمع: تُمُور، سمن: گھی۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، تو انہوں نے کھجور اور گھی پیش کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اس گھی کو مشک میں ڈال دو اور اپنی اس کھجور کو اس کے برتن میں، اس لئے کہ میں روزے سے ہوں، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھر کے ایک کونے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام سلیم اور ان کے گھر والوں کے لئے دعا فرمائی۔

تشریح: دخل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ام سلیم یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ

کی والدہ ہیں، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کے اعتبار سے محرم تھیں۔ جن کے یہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گاہے گاہے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ضیافت کے باوجود کچھ کھا کر روزہ افطار کردینے سے گریز فرمایا، اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پتہ تھا کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا رنجیدہ خاطر نہیں ہوں گی، یہاں مسئلہ یہ ہے کہ ضیافت (مہمان یا میزبان ہونا) نفلی روزہ رکھنے والوں کے لئے (روزہ افطار کردینے کا) شرعی عذر نہیں ہے، اس بارے میں (حنفی فقہاء کے) مشائخ کے اقوال مختلف ہیں، زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ نفلی رزہ توڑنے کے لئے ضیافت یعنی مہمان ہونا یا میزبان ہونا عذر نہیں ہے، بشرطیکہ دونوں میں سے کسی کو رنجیدگی نہ ہوتی ہو، وضاحت اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص نفلی روزہ رکھ کر کسی کے یہاں جائے (خواہ ویسے ہی یا کسی خاص دعوت کے بلاوے پر) تو اگر اس کا میزبان صرف اس کے آنے پر اور کھانے پینے میں شریک نہ ہونے پر خوش نہ ہو بلکہ ملول ہو تو اس (مہمان) کے حق میں ضیافت (مہمان ہونے) کو عذر مانا جائے گا اور اس کو اجازت ہوگی کہ وہ کھانے پینے میں شریک ہو کر اپنا روزہ افطار کرلے، بعد میں اس کی قضا کرلے، اور اگر معلوم ہو کہ میزبان ناراض یا ملول نہ ہوگا تو فقط حاضری پر اکتفا کرے اور کھانے پینے میں شریک ہو کر روزہ نہ توڑے، اسی طرح کوئی شخص نفلی روزہ سے ہو اور اس کے گھر کوئی مہمان آجائے اور اس کو معلوم ہو کہ اگر وہ خود (روزہ دار صاحب خانہ) اس (مہمان) کے ساتھ کھانے پینے میں شریک نہ ہوگا تو اس کے مہمان کو ناراضگی اور رنجیدگی ہوگی تو اس میزبان کے حق میں ضیافت (میزبان ہونے کے) کو عذر مانا جائے گا، اور اس کو اجازت ہوگی کہ اپنے مہمان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو کر اپنا روزہ توڑ دے، اور بعد میں اس کی قضا رکھ لے، اور اگر یہ معلوم ہو کہ مہمان ناراض یا ملول نہ ہوگا تو اس کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہو کر روزہ نہ توڑے، پھر جاننا چاہئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ان کے

گھر والوں کیلئے دعا فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ روزہ دار مہمان کیلئے مستحب ہے کچھ نہ کھانے پینے کے باوجود میزبان کے حق میں برکت کی دعا کرے۔(مرقاۃ:۵۵۴/ ۲،طیبی:۲۳۵/۴)

نفلی روزے دار کی دعوت

{۱۹۷۸} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُكُمْ اِلٰی طَعَامٍ وَهُوَ صَآئِمٌ فَلْيَقُلْ اِنِّیْ صَآئِمٌ وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ فَاِنْ كَانَ صَآئِمًا فَلْيُصَلِّ وَاِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۳۶۳، کتاب الصوم، باب ندب الصائم اذا دعی الخ، حدیث نمبر: ۱۱۵۰۔

حل لغات: دعی: ماضی مجہول ہے دعا (ن) دعوۃ بلانا، طعام: کھانا جمع اَطْعِمَة فلیجب: اَجَابَ (افعال) دعوت قبول کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’کہ جب تم میں سے کسی کو روزے کی حالت میں دعوت دی جائے تو کہے کہ میں روزہ سے ہوں، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو قبول کرے، پس اگر روزے سے ہو تو دعا دے اور اگر روزے سے نہ ہو تو کھالے۔‘‘

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کی کھانے کی دعوت کی جائے تو اس کی اجابت کرنی چاہئے یعنی منظور کر لینی چاہئے، پھر وہاں جا کر اگر روزہ نہ ہو تو کھانا کھائے، اور اگر روزہ سے ہو تو دعوت کرنے والے کے لئے دعا پر اکتفاء کرے، اور پہلی روایت میں یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کی دعوت کی جائے اور وہ روزہ دار ہو تو اس کو چاہئے کہ کہہ دے کہ میرا روزہ ہے۔

باب کی حدیثین میں تعارض اور اس کی توجیہ

بظاہر دونوں حدیثوں میں اختلاف ہے، دراصل دونوں روایتوں میں اختصار ہے، اور جمع بین الحدیثین کی شکل یہ ہے کہ جب دعوت کی جائے پس اگر روزہ دار ہے تو روزہ کا عذر کر دے، اگر وہ عذر قبول کر لے فبہا۔ اور اگر قبول نہ کرے تو اس کے گھر حاضر ہو کر اس کے لئے دعا کرے۔ کذا فی البذل۔

اور ''کوکب'' سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعوت تو دونوں صورتوں میں منظور کر لے، اور اس کے گھر پر جانے کے بعد اگر روزہ سے نہ ہو تو کھانا تناول کر لے، اور روزہ ہو تو کھانے سے عذر کر دے، اور اس کے لئے دعا کرے، "فلیجب" میں امر عند الجمهور استحباب کے لئے ہے، اور کہا گیا ہے کہ وجوب کے لئے ہے، اور بہر حال اجابت کا حکم اس شخص کے حق میں ہے جس کو کوئی عذر نہ ہو، اور جو شخص معذور ہو مثلاً جگہ دور ہو جہاں پہنچنے میں مشقت لاحق ہوتی ہو یا اس کے علاوہ کچھ اور عذر ہو وہاں عذر کر دینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور یہ جو اوپر آیا ہے کہ اگر روزہ دار ہو تو کھانے سے عذر کر دے یہ اس صورت میں ہے جب اس کو اس کے انکار سے اذیت نہ ہو، اور اگر وہ کھانے پر اصرار کرے اور نہ کھانے سے اس کو اذیت ہو تو پھر روزہ افطار کر دینا چاہئے۔ اور پھر بعد میں اس کی قضا کرے۔ " کذا فی الکوکب۔" اس کی مزید تحقیق کتب فقہ سے کیجائے۔

قال هشام و الصلوة الدعاء: یعنی صلوۃ سے مراد صلوۃ عرفی نہیں بلکہ اس کے لغوی معنی دعا مراد ہے، اور شراح نے لکھا ہے کہ صلوۃ کے عرفی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں "ای فلیصل رکعتین" اور "معنیین" کے جمع کرنے میں بھی کوئی مانع نہیں ہے، یعنی دو رکعت بھی پڑھے اور اس کے لئے دعا بھی کرے، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، بیت ام سلیم رضی اللہ عنہا میں کہ وہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صوم کا عذر فرما کر ان کے گھر میں نماز بھی پڑھی اور ان کو دعا سے بھی نوازا۔ کما تقدم۔ (مرقاۃ: ۵۵۵ / ۲، الدر المنضود: ۲۶۵ / ۴)

﴿الفصل الثانی﴾

نفلی روزے میں آدمی اپنے نفس کا مالک ہے

{۱۹۷۹} وَعَنْ اُمِّ هَانِئٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ جَآءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلٰی يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَجَآءَتِ الْوَلِيْدَةُ بِاِنَاءٍ فِيْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهٗ اُمَّ هَانِئٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَقَدْ اَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا اَكُنْتِ تَقْضِيْنَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ اِنْ كَانَ تَطَوُّعًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ) وَفِیْ رِوَايَةٍ لِاَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِیِّ نَحْوُهٗ وَفِيْهِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَمَا اِنِّیْ كُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِيْرُ نَفْسِهٖ اِنْ شَآءَ صَامَ وَاِنْ شَآءَ اَفْطَرَ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۳۳۳، کتاب الصیام، باب فی الرخصة فیه (النیة) حدیث نمبر:۲۴۵۶۔ ترمذی شریف: ۱/۱۵۵، ابواب الصوم، باب ماجاء فی افطار الصائم المتطوع، حدیث نمبر:۷۳۱-۷۳۲۔ دارمی: ۲/۲۸، کتاب الصوم، فیمن یصبح صائماتطوعاالخ، حدیث نمبر:۱۷۳۶۔ مسنداحمد: ۶/۴۲۴، و ۶/۳۴۳۔

حل لغات: جلست: جَلَسَ (ض) جَلُوسًا: بیٹھنا۔

ترجمه: حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر فتح کے دن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آ کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف بیٹھ گئیں اور ام ہانی دائیں طرف بیٹھ گئیں۔ اتنے میں ایک باندی ایک برتن لے کر آئی جس میں مشروب تھا۔ اس نے برتن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس سے پیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن کو ام ہانی کے قریب کیا تو انہوں نے اس سے پی کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے پی لیا ہے حالانکہ میں روزہ سے تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارا روزہ قضا کا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ روزہ نفلی تھا تو تمہیں کوئی حرج نہیں ہے، اس کو ابوداؤد، ترمذی اور دارمی نے روایت کیا ہے اور احمد ترمذی کی ایک روایت میں ایسا ہی ہے اور اس میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو معلوم ہو کہ میں روزے سے تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نفلی روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا مالک ہے اگر چاہے تو روزہ رکھے اور اگر نہ چاہے تو نہ رکھے۔

تشریح: عن ام هانی: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔

جاءت فاطمة فجلست على يسار الخ: یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بائیں جانب اس لئے آ کر بیٹھیں کہ دائیں طرف پہلے سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیٹھی تھیں۔

فجاءت الوليدة باناء الخ: یعنی یہ تینوں وہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک باندی پانی لے کر آئی۔ "شراب" کی تشریح پانی سے اس لئے کی گئی کہ اطلاق کے وقت پانی ہی مراد ہوتا ہے۔ (مرقاۃ: ٢/٥٥٥)

فقالت الخ: اس باندی نے پانی لے کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمانے کے بعد ام ہانی رضی اللہ عنہا کو دیا، ام ہانی رضی اللہ عنہا کو پہلے اس لئے دیا کہ یہ دائیں طرف بیٹھی تھیں۔

فشربت منه فقالت الخ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی ضیافت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، اس سعادت سے وہ محروم نہ ہونے والی تھیں، اور نہ ہی یہ موقع بار بار آنے والا تھا، انہوں نے سعادت سمجھ کر پی تو لیا، بعد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا: یا رسول اللہ! میں نے

پینے کو تو پانی پی لیا لیکن میں تو روزے سے تھی۔

فقال لها أكنت تقضين الخ: تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا: کسی فرض یا واجب روزہ کی قضاء تو نہیں کر رہی تھیں؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! نہیں۔ یہ تو میرا نفلی روزہ تھا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ عام آدمی کی ضیافت نفلی روزہ توڑنے کے لئے شرعی عذر ہے، تو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت تو بدرجۂ اولیٰ شرعی عذر بن سکتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ نفلی روزہ تھا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

فقال الصائم المتطوع الخ: یعنی معقول عذر سے نفلی روزہ رکھنے اور توڑنے کے سلسلے میں آدمی اپنے نفس کا مالک ہوتا ہے، چاہے روزہ رکھے اور چاہے افطار کر دے، اگر افطار کر دیتا ہے تو آئندہ اس کی قضا کرنی پڑے گی، لیکن فرض یا واجب روزہ میں ایسا نہیں کیا جا سکتا ہے۔

روزہ توڑنے کا حکم اور اختلاف فقہا

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، اسحق رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفل روزہ رکھ کر بلا عذر توڑنا جائز ہے، البتہ یہ عمل پسندیدہ نہیں ہے، اگر کسی نے نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اس پر قضاء واجب نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے نفل روزہ رکھا تو اس پر اتمام واجب ہے، پس اگر اس نے بلا عذر توڑ دیا تو اس پر قضاء بھی واجب ہے اور گناہ گار بھی ہوگا اور اگر کسی عذر کی وجہ سے توڑا ہے تو صرف قضاء واجب ہے گناہ نہیں ہوگا۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بلا عذر روزہ توڑا ہے تو اس پر قضاء واجب ہے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے توڑ دیا ہے تو اس صورت میں قضاء واجب نہیں ہے۔ (المجموع شرح المہذب: ۶/۳۹۴)

حضرات شافعیہ اور حنابلہ کا ایک استدلال تو ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اسی روایت سے ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا: "فَلَا يَضُرُّكِ اِنْ كَانَ تَطَوُّعًا"

اسی طرح اس حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ مروی ہیں: "الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِيْرُ نَفْسِهٖ اِنْ شَاءَ صَامَ وَاِنْ شَاءَ اَفْطَرَ." (ترمذی شریف: ۱/۱۵۵)

حنفیہ کا استدلال قرآن کریم کی اس آیت سے ہے: "وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ" (سورۂ محمد: ۳۳) اس آیت میں ابطال عمل سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا اگر کسی نے روزہ رکھ کر توڑ دیا تو بصورت قضاء اس کی تلافی ہونی چاہیے۔

حنفیہ کا ایک استدلال اس آیت سے بھی ہے: "وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا" (سورۃ الحدید: ۲۷)

اس آیت میں عبادت نافلہ کا التزام کرنے کے بعد عدم رعایت پر مذمت وارد ہے۔ (بذل: ۱۱/۳۳۴) لہٰذا اگر کسی نے نفل روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اس پر قضا واجب ہوگی، تاکہ اس کی حفاظت اور رعایت کی تلافی ہو سکے۔

حنفیہ کا استدلال حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہے، اس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک اعرابی نے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ." (بخاری شریف: ۱/۲۵۴)

استثناء میں اصل چونکہ اتصال ہے، اس لئے یہاں اس کو بھی اتصال پر حمل کیا جائے گا، اور مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں، اس نے کہا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی چیز مجھ پر فرض ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ تم نفل شروع کرو تو پھر یہ بھی تم پر لازم ہو جائے گی۔

اسی طرح حنفیہ کا استدلال ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے ہے:

"عن عائشة قالت كنت انا وحفصة صائمتين فعرض لنا طعام اشتهيناه فاكلنا منه فجاء رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فبدرتني اليه حفصة وكانت ابنة ابيها فقالت يا رسول الله انا كنا صائمتين فعرض لنا طعام اشتهيناه فاكلنا منه قال اقضيا يوما اخر مكانه" (ترمذی:۱/۱۵۵)

اس روایت میں نفل روزہ توڑنے پر وجوبِ قضاء کی تصریح ہے، کیونکہ امر میں اصل وجوب ہے۔(شرح زرقانی:۲/۱۹۰)

اسی طرح ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "عن ام سلمة رضی الله عنها انها صامت يوما تطوعا فافطرت فامرها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان تقضي يوما مكانه۔" (عمدۃ القاری:۱۱/۷۹)

قرآن کریم کی آیت "وليوفوا نذورهم" بھی احناف کی دلیل ہے، چونکہ نفل روزہ ہو یا نماز اس کا آغاز نذرِ فعلی ہے، اور جس طرح نذرِ قولی کا ایفاء واجب ہے "صيانة لحرمة اسم الله" اسی طرح نذرِ فعلی کا ایفاء بھی واجب ہونا چاہئے، نذرِ قولی میں انسان "الله على كذا و كذا" کہتا ہے، اسی طرح نفل نماز اور روزہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے شروع کیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے نام کی حرمت کی حفاظت کے لئے دونوں جگہ ایفاء واجب ہوگا۔

نیز قیاس سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، اس طرح کہ حج اور عمرہ بطور نفل شروع کرنے کے بعد اگر توڑ دے تو بالاتفاق قضا واجب ہے، ایسا ہی نفل روزے کو اگر توڑا جائے تو اس میں بھی قضا واجب ہونی چاہئے۔(بذل:۱۱/۳۳۴)

جہاں تک ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کا تعلق ہے، سو وہ عذر پر محمول ہے، اور صائم متطوع کے لئے عذر کی وجہ سے روزہ توڑنا ہمارے نزدیک بھی جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، البتہ روزہ توڑنے کے بعد اس پر قضاء بھی ہے یا نہیں تو اس سے یہ حدیث ساکت ہے، بلکہ نفی قضاء پر جتنی بھی روایات پیش کی گئی ہیں ان میں عدمِ قضاء کا حکم نہیں ہے، اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ کہیں بھی افطار کا حکم یہ

بتانے کے لئے نہیں دیا گیا کہ قضاء واجب نہیں، بخلاف ہماری پیش کردہ روایات کے کہ ان میں صراحۃ قضا کا ذکر ہے۔

نیز اس بات کا قوی احتمال موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ام ہانی رضی اللہ عنہا کو قضا کا حکم دیا ہو لیکن راوی نے اسے ذکر نہیں کیا، اسلئے کہ عدم الذکر عدم الوجود فی نفسہ کو متلزم نہیں اور جہاں تک تعلق ہے اس حدیث "الصائم المتطوع امیر نفسہ" کا تو اس کا جواب علامہ زرقانیؒ نے یہ دیا ہے کہ متطوع سے "مرید التطوع" مراد ہے، یعنی ابتداءً نفل روزے کا ارادہ کرنے والا، اس کو اختیار ہے، چاہے روزہ رکھے، چاہے افطار کرے، یعنی ابتداء ہی سے روزہ نہ رکھے، اور اسی معنی کے لحاظ سے تمام حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ (شرح الزرقانی: ۱۹۰/۲)

بلاعذر نفلی روزہ توڑنا

{۱۹۸۰} وَعَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ صَآئِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّا كُنَّا صَآئِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اقْضِيَا يَوْمًا اٰخَرَ مَكَانَهُ۔ ﴿رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ﴾ وَذَكَرَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْحُفَّاظِ رَوَوْا عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَائِشَةَ مُرْسَلاً وَّلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ وَهٰذَا اَصَحُّ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ عَنْ زُمَيْلٍ مَوْلٰى عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۵۵، ابواب الصوم، باب ما جاء فی ایجاب القضاء علیہ، حدیث نمبر: ۷۳۵۔ ابو داؤد شریف: ۱/۳۳۳، کتاب الصیام، باب من رأی علیہ القضاء، حدیث نمبر: ۲۴۵۷۔

حل لغات: فعرض: عَرَضَ (ن) عَرْضًا پیش کرنا۔

ترجمہ: حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ عروہ سے اور وہ

011 Babu Tatimma

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: میں اور حفصہ روزہ سے تھیں کہ ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا ہم دونوں کو جسے کھانے کی خواہش ہوئی تو ہم دونوں نے اس میں سے کھالیا۔ حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے کہا: یارسول اللہ! ہم دونوں کا روزہ تھا کہ ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا ہم دونوں کو جسے کھانے کی خواہش ہوئی، چنانچہ ہم نے اس میں سے کھالیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم دونوں دوسرے دن اس کی قضا کر لینا اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے، اور کئی حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے جنھوں نے عن الزهري عن عائشة مرسلاً: روایت کی ہے جس میں عروہ کا تذکرہ نہیں ہے یہی صحیح ہے اور اس کو ابو داؤد نے عروہ کے مولیٰ زمیل سے عن عروة عن عائشة: روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ نفلی روزہ بلا عذر توڑنے سے اس کی قضا لازم ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نفلی روزہ کی حالت میں کھانا کھالینے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قضا کر لینے کا حکم دیا۔

كنت انا و حفصة صامتين: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں اور حفصہ دونوں کا نفلی روزہ تھا۔

فعرض لنا طعام الخ: یعنی یہ دونوں روزہ سے تھیں، ان کے پاس کہیں سے کھانا آیا، تو ان دونوں نے کھالیا، پھر حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ ہمارا نفلی روزہ تھا کھانا ہمارے سامنے آیا تو ہم نے کھالیا، اب کیا ہوگا؟

قال اقضيا يوما آخر: جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس روزہ کی قضا دوسرے دن کر لینا، اس لئے حضرات فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ نفلی روزہ رکھ کر توڑ دینے کی صورت میں قضا لازم ہے، خواہ عذر سے توڑے یا بلا عذر ہو۔ "وقيل عذر ان وثق من نفسه بالقضاء دفعا للأذى عن اخيه المسلم والا فلا۔" (شامی: ۳/۴۱۴، مکتبہ زکریا)

جس روزے دار کے سامنے کھانا کھایا جائے اس کی فضیلت

{۱۹۸۱} وَعَنْ أُمِّ عُمَارَةَ بِنْتِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَدَعَتْ لَهٗ بِطَعَامٍ فَقَالَ لَهَا كُلِيْ فَقَالَتْ اِنِّيْ صَآئِمَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّائِمَ اِذَا اُكِلَ عِنْدَهٗ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰئِكَةُ حَتّٰى يَفْرُغُوْا۔ ﴿رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ﴾

حوالہ: مسند احمد: ۶/۳۶۵، و ۶/۴۳۹، ترمذی شریف: ۱/۱۶۳، ابواب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصائم اذا الخ، حدیث نمبر: ۷۸۴۔ ابن ماجہ شریف: ۱۲۵، کتاب الصیام، باب فی الصائم، اذا اکل الخ، حدیث نمبر: ۱۷۴۸۔ دارمی: ۲/۲۸، کتاب الصوم، باب فی الصائم اذا اکل عندہ، حدیث نمبر: ۱۷۳۸۔

حل لغات: فدعت: دَعَا (ن) دَعْوَۃ بلانا۔

ترجمہ: حضرت ام عمارہ بنت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا لاکر رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بھی کھاؤ تو انہوں نے کہا کہ میں روزے سے ہوں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب روزہ دار کے سامنے کھایا جاتا ہے تو فارغ ہونے تک فرشتے اس پر رحمت کی دعاء کرتے ہیں۔"

تشریح: ام عمارۃ: ان کا نام نسیبہ ہے۔

ان الصائم اذا اکل عندہ الخ: فرشتے اس روزہ دار کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں، جس کے سامنے کھایا پیا جاسکے، چونکہ جب روزے دار کے سامنے کھایا جائے تو اس پر زیادہ زور پڑتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۵۷)

﴿الفصل الثالث﴾

جس روزہ دار کے سامنے کھانا کھایا جائے

{۱۹۸۲} وَعَنْ بُرَیْدَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ دَخَلَ بِلَالٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَتَغَدّٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْغَدَآءَ یَا بِلَالُ قَالَ اِنِّیْ صَآئِمٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَاکُلُ رِزْقَنَا وَفَضْلُ رِزْقِ بِلَالٍ فِی الْجَنَّةِ، اَشَعَرْتَ یَا بِلَالُ اِنَّ الصَّائِمَ یُسَبِّحُ عِظَامُہٗ وَیَسْتَغْفِرُ لَہُ الْمَلٰئِکَةُ مَا اُکِلَ عِنْدَہٗ۔ ﴿رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ﴾

حوالہ: شعب الایمان للبیھقی: ۲۹۷/۳، فضائل الصوم، حدیث نمبر: ۳۵۸۶۔

حل لغات: الغداء: زوال سے پہلے کا کھانا۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت تشریف لائے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرما رہے تھے، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے بلال! تم بھی کھالو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں روزے سے ہوں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اپنا رزق کھا رہے ہیں اور جنت میں بلال کا رزق بڑھا ہوا ہے۔ اے بلال! تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب روزہ دار کے سامنے کھایا جاتا ہے تو اس کی ہڈیاں تسبیح پڑھتی ہیں اور فرشتے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ روزہ دار کے لئے جنت میں انواع واقسام کے کھانے تیار ہیں، اور جس روزے دار کے سامنے کھانا کھایا جائے اس کی تمام ہڈیاں تسبیح بیان کرتی ہیں، اور

فرشتے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

وھو یتغدی: یعنی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناشتہ فرمارہے تھے۔

ناکل رزقنا: یعنی اللہ تعالیٰ نے ابھی جو ہمیں عطا کیا وہ ہم کھا رہے ہیں۔

وفضل رزق بلال: یعنی بلال کو روزے سے ہونے کی وجہ سے آخرت میں جتنا رزق ملے گا جس کی فضیلت دنیوی رزق پر بہت بڑھی ہوئی ہے۔(مرقاۃ: ۲/۵۵۷، التعلیق: ۲/۴۰۶)

باب لیلۃ القدر

(شب قدر کا بیان)

رقم الحدیث: ۱۹۸۳ / تا ۱۹۹۵ /

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

باب لیلۃ القدر

(شب قدر کا بیان)

شب قدر ایک اہم رات اور اس کی ایک لازوال حقیقت ہے، یہ رات امت محمدیہ کو خاص طور پر دی گئی ہے، اس لئے کہ امم سابقہ کی عمریں بڑی طویل ہوتی تھیں جس کی بنیاد پر ان کی عبادات وریاضات بے پناہ تھیں، اور اس امت کی عمریں معمولی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ مقدس رات دے کر عظیم احسان کرتے ہوئے اس بات کا موقع دیا ہے کہ یہ امت ایسی چند راتوں میں عبادت کر کے سینکڑوں سال کی بندگی سے بہرہ ور ہو کر اپنے نامۂ اعمال کو نیکیوں سے بھر لے۔

لیلۃ القدر کے معنی

اس رات کو "لیلۃ القدر" اس لئے کہا جاتا ہے کہ چونکہ قدر کے معنی ہیں تعظیم کے جیسا کہ قرآن مجید کی آیت میں ہے: "وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖ" اور ظاہر ہے کہ یہ رات بہت ہی عظمت والی رات ہے، چونکہ اسی رات میں قرآن مجید کا نزول ہوا ہے، نیز اس رات میں ملائکہ زمین پر اترتے ہیں، اور طلوع فجر تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن وسلامتی، خیر وبرکت، رحمت ومغفرت کی بارش ہوتی ہے۔

بعض حضرات نے قدر کے معنی تضییق کے بیان کئے ہیں، جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے: "فَقَدَرَ عَلَیۡہِ رِزۡقَہٗ" اس معنی کے لحاظ سے اس کو لیلۃ القدر اس لئے کہا جاتا ہے کہ تضییق سے

مراد یا تو اخفاء ہے، یعنی اس رات کی تعیین کو لوگوں کے علم سے مخفی رکھا گیا ہے، اور یا تضییق کے معنی تنگی کے ہیں، چونکہ اس رات میں بہت کثرت کے ساتھ ملائکہ زمین پر اترتے ہیں، اس لئے زمین کثرت ملائکہ کی وجہ سے تنگ ہو جاتی ہے۔

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کو لیلۃ القدر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس رات میں تمام بندوں کے رزق ان کی زندگی و موت اور وہ واقعات و امور جو پورے سال رونما ہونے والے ہوتے ہیں وہ سب اسی رات میں لکھ دئیے جاتے ہیں، قرآن مجید کی اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے: "فیھا یفرق کل امر حکیم" اسی رات میں ہر حکیمانہ معاملہ ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے۔ (آسان ترجمہ)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لیلۃ القدر کے متعلق لکھا ہے کہ لیلۃ القدر سال کی تمام راتوں میں سب سے افضل رات ہے، اور یہ کہ لیلۃ القدر قیامت تک رہے گی، اور یہ امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے، گذشتہ امتوں کو اس رات کی فضیلت اور خصوصیت حاصل نہیں تھی، جیسا کہ سورۃ قدر کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے۔

شان نزول

شانِ نزول کے بارے میں مختلف روایات نقل کی گئی ہیں:

(۱)......موطا امام مالک اور امام بیہقی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے پہلے لوگوں کی عمریں دکھائی گئیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی عمروں کو کم پایا، اور خیال فرمایا کہ میری امت اپنی عمروں کے کم اور پہلے لوگوں کی عمریں طویل ہونے کے سبب پہلے لوگوں کے عمل (اور ان کے درجہ کو) نہیں پہنچ سکتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ القدر عطا فرمائی، جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔

(۲)......ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ نبی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو پوری رات صبح تک

عبادت کرتا تھا اور پھر دن میں صبح سے شام تک دشمنوں سے جہاد کرتا تھا اور اس نے یہ عمل ایک ہزار مہینے تک کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر عطا فرمائی کہ ایک رات کا عمل اس شخص کے ایک ہزار مہینے کے عمل سے زیادہ بہتر ہے۔

(۳)......مجاہد سے ہی ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ اس نے ایک ہزار مہینے تک اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہتھیار پہنے رکھے، مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو نازل فرمایا۔

(۴)......بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک نبی تھے جن کو شمعون علیہ السلام کہا جاتا تھا، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایک ہفتے تک کافروں سے قتال کیا اور کپڑے اور ہتھیار نہیں اتارے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے کاش! ہماری عمریں بھی اتنی طویل ہوتیں تاکہ ہم بھی اسی طرح قتال کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(۵)......ابن کثیر نے ابن ابی حاتم سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت رسول اکرم ﷺ نے بنی اسرائیل کے چار اشخاص کا ذکر کیا کہ انہوں نے اسّی سال تک اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کی کہ آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی، اور وہ چار اشخاص یہ تھے: حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت حزقیل بن العجوز علیہ السلام، اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام، یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت زیادہ تعجب کرنے لگے، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اے محمد! آپ کی امت ان حضرات کی اسّی سال کی عبادت اور اس طویل عرصہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرنے پر تعجب کرتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر چیز آپ ﷺ پر نازل فرمائی، چنانچہ انہوں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کے سامنے "إِنَّآ أَنزَلْنَـٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ" الآیۃ۔ سورت پڑھی، جس کے ذریعہ یہ عظیم بشارت دی کہ لیلۃ القدر جو آنحضرت ﷺ کو اور

آپ کی امت کو عطا فرمائی گئی ہے اس چیز سے بہتر ہے، جس کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت متعجب اور متمنی ہیں، چنانچہ اس عظیم سعادت اور خوشخبری پر حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت زیادہ خوش ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵۳۰/۴)

ان روایت کے علاوہ اور روایات واقوال بھی بیان کئے گئے ہیں۔

(۶)......علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں کوئی شخص جب تک ایک ہزار مہینہ تک عبادت نہیں کرتا تھا، عابد کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا تھا کہ اس کو یہ کہا جائے کہ فلاں شخص عابد ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے ایک رات کو رکھ دیا جو ایک رات ہزار مہینوں سے افضل ہے تاکہ یہ امت اس میں عبادت کرے۔

فائدہ: ایک ہزار مہینوں کا حساب لگایا جائے تو تراسی برس چار مہینے بیٹھتے ہیں۔ پس کیا ہی اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان عظیم ہے، پس کیا مبارک اور خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو لیلۃ القدر کی تلاش میں پورے ماہ کی قدر کرتے اور اس کے اعتکاف یا کم ازکم عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا اہتمام کرتے ہیں۔

لیلۃ القدر کی تعیین

لیلۃ القدر کی تعیین میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ حافظ ابن حجرؒ نے پچاس کے قریب اقوال ذکر کئے ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان کے ساتھ مخصوص ہے یا غیر رمضان میں بھی پائی جاتی ہے، پھر اگر رمضان کے ساتھ مخصوص ہے تو کیا کل رمضان میں پائی جاتی ہے یا عشرۂ اخیرہ میں ہے، اور اگر عشرۂ اخیرہ میں ہے تو پھر منتقل ہوتی رہتی ہے یا کسی مخصوص شب میں ہے؟ روایات میں ستائیسویں رات اور اکیسویں رات کا خصوصیت کے ساتھ ذکر آیا ہے، بہر حال جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی ستائیسویں رات ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔

عدم تعیین کی حکمت

لیلۃ القدر کے اخفاء میں علماء نے چند حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱)......اول یہ کہ اس کی تلاش میں کوشش کی جائے گی، اگر کسی ایک رات کو معین کر دیا جاتا تو لوگ اسی پر اکتفا کرتے اور باقی راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتے، اور بصورت اخفا اس احتمال پر کہ آج ہی شاید شب قدر رہے، متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

(۲)...... دوم یہ کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ معاصی کے بغیر ان سے رہا ہی نہیں جاتا، چنانچہ تعیین کی صورت میں اگر معلوم ہونے کے باوجود کوئی شخص گناہ کی جرأت کرتا تو سخت اندیشناک ہوتا۔

(۳)......سوم یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات اتفاقاً چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسوس اور غم کی وجہ سے پھر کسی رات کا بھی جاگنا نصیب نہ ہوتا۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: فتح الباری: ۲۵۵/ ۴، ابن کثیر: ۵۳۰/ ۴، نفحات التنقیح: ۲۰۲/ ۳۔

لیلۃ القدر کی علامات

کچھ ایسی علامات بتلائی گئی ہیں جن سے کچھ پتہ چل جاتا ہے۔ جیسے:

اس رات میں خفیف بارش ہوگی۔

چاند میں روشنی کم ہوگی۔

رات کی ہوا نہ گرم ہوگی اور نہ ٹھنڈی۔

اور اس دن کے سورج کی شعاعیں بہت دیر سے ظاہر ہونگی، وغیرہا۔

اور اکثر یہ رات رمضان شریف میں ہوتی ہے، اور زیادہ تر احتمال ستائیسویں رات میں ہے، اور اکثر روایات اسی کے موافق ہیں، پھر رمضان کی جوڑ و بے جوڑ راتوں میں ہوتی ہے، بے جوڑ میں زیادہ

ہے، پھر نصف اول میں بھی احتمال ہوتا ہے، اور نصف آخر میں بھی۔ اور نصف آخر میں زیادہ احتمال ہے۔

پھر عشرۂ اول واوسط وعشرۂ اخیرہ میں بھی ہوتی ہے، عشرۂ اخیرہ میں زیادہ احتمال ہے، پھر ستائیس میں اکثر ہوتی ہے۔ کما ذکرنا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ رمضان کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ پورے سال گھومتی رہتی ہے، یہی حنفیہ سے ایک روایت ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے "قال من قام السنة كلها اصاب ليلة القدر اخرجه الطحاوی" بیان ماسبق کے بعد تمام مختلف روایات واقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے، پھر بعض روایات میں جو یہ آتا ہے کہ آفتاب کی شعاع نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ زر بن حبیش کی روایت ہے: "وتطلع الشمس لا شعاع لها" تو اس کے بارے میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی آمدورفت نزول وصعود کی بنا پر آفتاب ان کے پروں کے آڑ میں آجاتا ہے، اس لئے "لا شعاع لها" کہا گیا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ اس رات کی روشنی آفتاب کی روشنی پر غالب آجاتی ہے، اس لئے اس کی شعاع نظر نہیں آتی۔ "فقال لا شعاع لها۔" (درس مشکوۃ)

﴿الفصل الاول﴾

شب قدر آخری عشرہ میں

{۱۹۸۳} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔ ﴿رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ﴾

حواله: بخاری شریف: ۱/ ۲۷۰، کتاب الصوم، باب تحری لیلۃ القدر الخ، حدیث نمبر: ۱۹۷۲۔

حل لغات: تحروا: حرّی (تفعیل) تلاش کرنا، الوتر: طاق، بے جوڑ۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

012 Babu Laylatul Qadr

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”شب قدر رمضان شریف کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔“

تشریح: جمہور علماء کے نزدیک رمضان کا اخیر عشرہ اکیسویں شب سے شروع ہوتا ہے، خواہ رمضان کا مہینہ انتیس کا ہو یا تیس کا۔ اس اعتبار سے اخیر عشرہ کی طاق راتوں سے مراد اکیسویں شب، تیئسویں شب، پچیسویں شب، ستائیسویں شب اور انتیسویں شب ہے۔ لہٰذا حدیث بالا کے مطابق شب قدر کی تلاش انہی راتوں میں کرنا چاہئے، اور تلاش کا مطلب یہ ہے کہ ان راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت و دعا کر کے اس مبارک ترین شب کی برکتوں اور سعادتوں کا امیدوار رہنا چاہئے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۵۸)

شب قدر رمضان کی آخری سات راتوں میں

{۱۹۸۴} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرٰى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيْهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۷۰، کتاب الصوم، باب التمسوا لیل القدر فی السبع الخ، حدیث نمبر: ۱۹۷۰۔ مسلم شریف: ۱/۳۶۹، کتاب الصیام، باب فضل لیلۃ القدر الخ، حدیث نمبر: ۱۱۶۵۔

حل لغات: المنام: خواب۔ جمع: منامات۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب النبی میں سے کئی آدمی کو شب قدر خواب میں آخری سات راتوں میں دکھایا گیا تو حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب آخری سات راتوں میں منطبق ہو گئے ہیں تو جو شب قدر کا متلاشی ہو وہ آخری

سات راتوں میں تلاش کرے۔"

تشریح: لیلۃ القدر فی المنام: یعنی لیلۃ القدر کی تعیین کر کے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خواب میں دکھایا گیا۔

فی السبع الاواخر: دونوں طرح کے اقوال ہیں، اکیس سے ستائیس اور یہ بھی ہے کہ تیئیس سے انتیس، مقصد یہ ہے کہ شب قدر کی تلاش میں آدمی کوشاں رہے، غفلت نہ کرے، اور جہاں تک ہو سکے بڑھ چڑھ کر عبادت کرے۔ (مرقاۃ:۲/۵۵۹)

شب قدر کی تلاش

{۱۹۸۵} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوْھَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فِیْ تَاسِعَۃٍ تَبْقٰی فِیْ سَابِعَۃٍ تَبْقٰی فِیْ خَامِسَۃٍ تَبْقٰی۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۷۱، کتاب الصوم، باب تحری لیلۃ القدر الخ، حدیث نمبر:۱۹۷۶۔

حل لغات: التمسو: اِلْتَمس (افتعال) تلاش کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس کو تلاش کرو رمضان شریف کے عشرۂ اخیرہ میں شب قدر کو باقی ماندہ نویں رات میں، باقی ماندہ ساتویں رات میں اور باقی ماندہ پانچویں رات میں تلاش کرو۔"

تشریح: شب قدر کی تلاش رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں کرنی چاہئے۔

فی تاسعۃ تبقی: یعنی رمضان کی اکیسویں رات میں۔

فی سابعۃ تبقی: یعنی تیئیسویں شب میں۔

فی خامسۃ تبقی: یعنی پچیسویں رات میں۔

شب قدر کی علامت

{۱۹۸۶} **وَعَنْ** اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اعْتَکَفَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَکَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فِیْ قُبَّۃٍ تُرْکِیَّۃٍ ثُمَّ اَطْلَعَ رَاْسَہٗ فَقَالَ اِنِّیْ اَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃَ ثُمَّ اَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ ثُمَّ اُتِیْتُ فَقِیْلَ لِیْ اِنَّھَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ کَانَ اعْتَکَفَ مَعِیَ فَلْیَعْتَکِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ فَقَدْ اُرِیْتُ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃَ ثُمَّ اُنْسِیْتُھَا وَقَدْ رَاَیْتُنِیْ اَسْجُدُ فِیْ مَآءٍ وَّطِیْنٍ مِّنْ صَبِیْحَتِھَا فَالْتَمِسُوْھَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْھَا فِیْ کُلِّ وِتْرٍ قَالَ فَمَطَرَتِ السَّمَآءُ تِلْکَ اللَّیْلَۃَ وَکَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰی عَرِیْشٍ فَوَکَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَیْنَایَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی جَبْھَتِہٖ اَثَرُ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ مِنْ صَبِیْحَۃِ اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) فِی الْمَعْنٰی وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ اِلٰی قَوْلِہٖ اِنَّھَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْبَاقِیْ لِلْبُخَارِیِّ وَفِیْ رِوَایَۃِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اُنَیْسٍ قَالَ لَیْلَۃُ ثَلٰثٍ وَّعِشْرِیْنَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۷۱، باب الاعتکاف الخ، حدیث نمبر: ۱۹۸۱۔ مسلم شریف: ۱/ ۳۷۰، کتاب الصیام، باب فضل لیلۃ القدر الخ، حدیث نمبر: ۱۱۶۷۔

حل لغات: اعتکف: عَکَفَه (ن ص) روکے رکھنا، اِعْتَکَفَ (افتعال)، کنارہ کش، قبۃ گنبد جمع قِبَاب۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے عشرے کا ترکی خیمے

میں اعتکاف فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر باہر نکال کر فرمایا میں نے پہلے عشرے کا اعتکاف اس لئے کیا تا کہ اس رات کو تلاش کروں پھر میں نے دوسرے عشرہ کا اعتکاف کیا، پھر میرے پاس ایک فرشتے نے آ کر کہا کہ یہ رات آخر عشرہ میں ہے پس جنہوں نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ آخر عشرہ میں اعتکاف کریں۔ یہ رات مجھے بتائی گئی پھر بھلا دی گئی اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ اس کی صبح میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں، اس لئے اس کو آخر عشرہ میں تلاش کرو اور ہر طاق رات میں ابوسعید نے کہا اس رات کو بارش ہوئی اور مسجد نبوی کی چھت کچی تھی تو وہ ٹپکی تو میری آنکھوں نے اکّیس کی صبح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر کیچڑ دیکھا۔ اس حدیث شریف کے معنی میں تو بخاریؒ ومسلم دونوں کا اتفاق ہے، البتہ "فقیل لی انہا فی العشر الاواخر" تک کے الفاظ مسلم کے ہیں، اور باقی الفاظ بخاری کے ہیں، اور ایک دوسری روایت میں جو حضرت عبداللہ بن انیس سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا: وہ تیئیسویں شب تھی۔

تشریح: جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب قدر میں عبادت کرنے کا کافی اہتمام فرماتے تھے، اسی اہتمام کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت نے مکمل دو عشرے کا اعتکاف فرمایا لیکن وہ رات نہیں مل سکی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ وہ رات آخری عشرہ میں ہے تو آنحضرت ﷺ نے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اعتکاف کرنے کو کہا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ رات ملی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تعیین بھی کر دی گئی لیکن یہ تعیین پھر اٹھالی گئی، البتہ اسی کی ایک علامت یہ ہے کہ اس رات کو بارش ہوگی، اس لئے اس رات کو آخر عشرہ میں تلاش کرنا چاہئے۔

فی قبۃ ترکیۃ: ایسا خیمہ جو گنبد نما ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ترکی طرز پر خیمہ تیار کیا گیا تھا۔

ثم اطلع رأسہ الخ: جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک نکال کر فرمایا میں نے شب قدر کی تلاش میں پہلے عشرہ کا اعتکاف کیا، وہ رات نہیں ملی، پھر میں نے دوسرے عشرہ کا

اعتکاف کیا،لیکن وہ رات نہیں ملی، پھر مجھے یہ بتایا گیا کہ وہ رات آخری عشرہ میں ہے تو جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف کرکے اس کی جستجو کرچکے ہیں انہیں آخری عشرہ کا بھی اعتکاف کرنا چاہئے تاکہ وہ رات مل جائے۔

وقد أریت ھذہ اللیلۃ ثم انسیتھا الخ: یعنی یہ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ رات کب اور کس وقت آتی ہے،لیکن پھر بھلا دی گئی، البتہ اس کی ایک علامت یاد ہے، جس تاریخ کو یہ مقدس رات ہوگی اس رات کو بارش ہوگی، اس لئے کہ میں نے اس دن مسجد نبوی کے ٹپکنے کی وجہ سے گارے میں سجدہ کیا تھا۔

قال فمطرت السماء تلک اللیلۃ الخ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت چونکہ کچی تھی، اس لئے جب بارش ہوئی تو اس میں سے پانی ٹپک کر مسجد نبوی کی زمین گیلی ہوگئی، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح فجر کی نماز پڑھی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشانی پر میں نے کیچڑ دیکھا۔

ومن صبیحۃ احدی وعشرین: یعنی وہ اکیسویں رات کی صبح تھی، ممکن ہے اس سال شب قدر اکیسویں ہی شب کو ہوگئی ہو اور یہ بعید نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے اس حدیث شریف کے تحت ”مرقاۃ: ۲/۵۶۰“ ملاحظہ فرمائیں۔

شب قدر کی دوسری علامت

{۱۹۸۷} وَعَنْ زِرِّبْنِ حُبَیْشٍ قَالَ سَاَلْتُ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ فَقُلْتُ اِنَّ اَخَاکَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ یَقُوْلُ مَنْ یَقُمِ الْحَوْلَ یُصِبْ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحِمَہُ اللّٰہُ اَرَادَ اَنْ لَّا یَتَّکِلَ النَّاسُ اَمَا اِنَّہٗ قَدْ عَلِمَ اَنَّھَا فِیْ رَمَضَانَ وَاَنَّھَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَاَنَّھَا لَیْلَۃُ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا یَسْتَثْنِیْ اَنَّھَا لَیْلَۃُ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ فَقُلْتُ بِاَیِّ شَیْءٍ تَقُوْلُ ذٰلِکَ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ

بِالْعَلَامَةِ اَوْ بِالْاٰیَةِ الَّتِیْ اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّھَا تَطْلُعُ یَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَھَا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۷۰، کتاب الصیام، باب فضل لیلۃ القدر الخ، حدیث نمبر: ۱۱۷۰۔

حل لغات: الحول: بمعنی سال حلف: حلَفَ (ض) حَلْفًا قسم کھانا۔

ترجمہ: حضرت زر بن جبیش رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہوئے کہا کہ آپ کے بھائی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جو سال بھر جاگے گا وہ شب قدر پالے گا، تو انہوں نے کہا کہ اللہ ان پر رحم کرے، ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اسی پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ وہ رات رمضان میں آخری عشرہ میں اور ستائیس شب کو ہے، پھر انہوں نے بغیر ان شاء اللہ کے قسم کھا کر کہا کہ وہ رات ستائیسویں شب کو ہے، تو میں نے کہا کہ اے ابو منذر! آپ یہ کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا: کہ اس علامت یا اس نشانی کی وجہ سے جس کی ہمیں جناب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اس دن سورج اس حال میں طلوع ہوگا کہ اس میں شعاع نہ ہوگی۔

تشریح: اخاک ابن مسعود: یعنی چونکہ دونوں صحابی تھے، اس لئے اخاک کہہ دیا ہے۔

یقول من یقم الحول الخ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ جو پورے سال جاگے گا وہ شب قدر پائے گا، جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شب قدر پورے سال میں دائر ہے، جس سے ابن جبیش رضی اللہ عنہ کو بڑا تعجب ہوا، انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایسا کہتے ہیں۔

فقال رحمہ اللہ الخ: تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان کو تسلی دی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ شب قدر پورے سال میں دائر ہوتی ہے، بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ غفلت نہ کریں اور پورے سال عبادت کرتے رہیں، اس لئے کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں

کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرے میں اور ستائیسویں شب کو ہوتی ہے، یعنی عام طور پر ستائیسویں شب کو وہ قدر کی رات آتی ہے۔

ثم حلف لا یستثنی الخ: یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پورے اعتماد کے ساتھ قسم کھا کر کہا کہ وہ رات عام طور پر رمضان کی ستائیسویں شب کو آتی ہے، تو ابن جبیش نے کہا کہ آپ! جو اس اعتماد سے فرمارہے ہیں اس کی بنیاد کیا ہے؟ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسے ویسے نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ اس علامت کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں جس کی خبر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے کہ اس دن سورج بغیر شعاع کے طلوع ہوگا۔ (التعلیق: ۲/۴۱۰)

اخیر عشرہ میں عبادت کی کثرت

{۱۹۸۸} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَالَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۷۲، کتاب الاعتکاف، باب الاجتهاد فی العشر الاواخر، حدیث نمبر: ۱۱۷۵۔

حل لغات: یجتهد: اجتهد (افتعال) کوشش کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اخیر عشرہ میں دوسرے عشرہ کے مقابلے میں زیادہ کوشش کرتے تھے۔

تشریح: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں معمول سے بہت زیادہ عبادت کرتے تھے، اس امید کی بناء پر کہ شب قدر اسی عشرہ میں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۶۳)

آخری عشرہ میں اہل خانہ کو بھی جگائے

{۱۹۸۹} **وَعَنْهَا** قَالَتَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَادَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِيْزَرَهٗ وَاَحْيٰى لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۷۱، کتاب الصوم، باب العمل فی العشر الاواخر، حدیث نمبر:۱۹۷۹۔ مسلم شریف: ۱/۳۷۲، کتاب الاعتکاف، باب الاجتهاد فی العشر الاواخر الخ، حدیث نمبر: ۱۱۷۴۔

حل لغات: شد: شَدَّ (ن) شَدًّا باندھنا، میزرہ تہبند، ایقظ: اَيْقَظَ (افعال) جگانا۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ جب آخر عشرہ ہوتا تو جناب رسول اکرم ﷺ اپنا تہبند کس لیتے راتوں کو جاگتے اور اپنے گھر والوں کو جگاتے۔

تشریح: اذا دخل العشر: یعنی جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا تہبند مضبوط باندھ لیتے۔ اس سے مراد کمر کسنا، کمر ہمت باندھنا ہے، یعنی اس عشرہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کی کوشش فرماتے۔ اور یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس عشرہ میں عبادت وتلاوت اور ذکر ودعا میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہنے کے لئے بیویوں سے علاحدہ رہتے اور ان کے ساتھ مباشرت سے احتراز فرماتے۔ (التعلیق: ۲/۴۱۰)

واحی لیلہٗ: نوافل، تلاوت اور ذکر ودعا میں مشغول رہنے کے لئے ساری ساری رات یا راتوں کا اکثر حصہ جاگ کر گذارتے۔

وایقظ اھلہ: اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں اور بیٹیوں، اپنے غلاموں اور اپنی باندیوں کو بھی ہدایت فرماتے کہ اس عشرہ کو غنیمت جانیں، اور جس سے جتنی ہوسکے شب بیداری کر کے عبادت کرے، اور شب قدر پانے کی کوشش کرے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۶۳)

﴿الفصل الثانی﴾

شب قدر کی دعا

{۱۹۹۰} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھَا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَرَاَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیَّ لَیْلَۃٍ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْھَا؟ قَالَ قُوْلِیْ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالتِّرْمِذِیُّ) وَصَحَّحَہٗ۔

حوالہ: مسند احمد: ۶/۲۵۸، و۱۹۱/۶، ابن ماجہ شریف: ۲۷۴، ابواب الدعائ، باب الدعاء بالعفو الخ، حدیث نمبر: ۳۸۵۰۔ ترمذی شریف: ۱۹۱/۲، ابواب الدعوات، باب: ۹۰، حدیث نمبر: ۳۵۱۳۔

حل لغات: عفو: بہت معاف کرنا والا، عَفَا (ن) عَفْوًا معاف کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کہا یارسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! بتادیجئے کہ اگر میں جان لوں کہ کس رات کو شب قدر ہے تو اس میں کون سی دعا پڑھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دعاء: اے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے اور بہت معاف کرتا ہے تو مجھے بخش دے۔

تشریح: أرأیت ان علمت أی لیلۃ القدر: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ! مجھے کوئی دعا بتلادیجئے، جسے میں شب قدر میں پڑھوں۔

قال قولی اللھم الخ: تو حضرت رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تمہیں شب قدر نصیب ہوجائے تو یہ دعا پڑھو۔ "اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ" اس لئے جسے شب قدر نصیب ہوجائے اسے مذکورہ دعا پڑھنی چاہئے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ نہایت جامع اور مختصر دعا

ہے جو دنیا اور آخرت کی سب بھلائیوں اور تمام مطالب خیر پر حاوی ہے۔(مرقاۃ: ۵۶۴/۲)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ فضائل رمضان میں تحریر فرماتے ہیں: ''نہایت جامع دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف و کرم سے آخرت کے مطالبہ سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے۔

من نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلمِ عفو بر گناہم کش

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس رات میں دعا کے ساتھ مشغول ہونا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت دوسری عبادات کے۔ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صرف دعا نہیں بلکہ مختلف عبادات میں جمع کرنا افضل ہے، مثلاً تلاوت، نماز، دعا، اور مراقبہ وغیرہ اس لئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب امور منقول ہیں۔یہی قول زیادہ اقرب ہے کہ سابقہ احادیث میں نماز، ذکر وغیرہ کئی چیزوں کی فضیلت گذر چکی ہے۔(فضائل اعمال: ۶۱۲/۱)

شب قدر کی راتیں

{۱۹۹۱} وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْتَمِسُوْھَا یَعْنِیْ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فِیْ تِسْعٍ یَبْقَیْنَ اَوْ فِیْ خَمْسٍ یَبْقَیْنَ اَوْ ثَلٰثٍ اَوْ اٰخِرِ لَیْلَۃٍ۔ ﴿رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۶۴، ابواب الصوم، باب ماجاء فی لیلۃ القدر الخ، حدیث نمبر: ۷۹۴۔

حل لغات: التمسوھا: اِلْتَمَسَ (افتعال) تلاش کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا اسے یعنی شب قدر کو باقی ماندہ نویں رات میں یا باقی ماندہ ساتویں رات میں یا باقی

ماندہ پانچویں رات میں یا باقی ماندہ تیسری رات میں یا آخری رات میں تلاش کرو۔

تشریح: شب قدر رمضان کے آخرعشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنا چاہئے۔

التمسوھا: یعنی لیلۃ القدر، راوی نے "ھا" ضمیر کی تفسیر کی ہے۔

فی تسع یبقین: یعنی اکیسویں رات۔

او فی سبع یبقین: یعنی تیئسویں رات۔ وعلی ھذا القیاس۔

شب قدر ہر سال آتی ہے

{۱۹۹۲} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فَقَالَ هِيَ فِيْ كُلِّ رَمَضَانَ۔ ﴿رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ﴾ وَقَالَ رَوَاهُ سُفْيَانُ وَشُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ عُمَرَ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۹۷، کتاب الصلوۃ، ابواب شھر رمضان، باب من قال ھی فی کل رمضان، حدیث نمبر: ۱۳۸۷۔

حل لغات: کل: بمعنی ہر۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ رات ہر رمضان میں ہے۔ ابوداؤد نے اس روایت کو نقل کیا اور کہا: اس حدیث شریف کو سفیانؒ اور شعبہؒ نے ابواسحقؒ سے روایت کیا اور ابواسحق نے اس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف کیا۔

تشریح: فی کل رمضان: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱)...... ایک تو یہ کہ شب قدر سے کوئی رمضان خالی نہیں جاتا ہر سال جب بھی رمضان کا مہینہ آتا ہے اس

میں شب قدر بھی آتی ہے۔

(۲)...... دوسرے یہ شب قدر کا وقوع رمضان کے آخری عشرے ہی میں منحصر نہیں ہے، بلکہ رمضان کے پورے مہینے کی کسی بھی رات میں پائی جا سکتی ہے۔(مرقاۃ: ۵۶۴/ ۲،طیبی: ۲۴۷/ ۴)

لیلۃ القدر دو ہیں

الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر دو ہیں۔ایک وہ جس میں ہر اہم اور مہتم بالشان امور کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ یہ رات رمضان غیر رمضان میں پورے سال میں دائر وسائر رہتی ہے۔اور جس سال قرآن پاک کا نزول ہوا اس سال وہ رات رمضان المبارک میں تھی۔

اور دوسری وہ جس میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور اس میں فرشتوں کا بھی نزول ہوتا ہے۔شیاطین دور کر دئے جاتے ہیں۔طاعات وعبادات کا ثواب بہت زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ دعائیں قبول کی جاتی ہیں، یہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے ساتھ خاص ہے اور پورے ماہِ مبارک میں دائر وسائر رہتی ہے، اخیر عشرہ میں اور اخیر عشرہ میں بالخصوص طاق راتوں میں اس کا زیادہ وقوع ہوتا ہے۔

تیئیسویں شب کا ذکر

{۱۹۹۳} وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ اُنَیْسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّ لِیْ بَادِیَۃً اَکُوْنُ فِیْھَا وَاَنَا اُصَلِّیْ فِیْھَا بِحَمْدِ اللّٰہِ فَمُرْنِیْ بِلَیْلَۃٍ اَنْزِلُھَا اِلٰی ھٰذَا الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَنْزِلْ لَیْلَۃَ ثَلٰثٍ وَّعِشْرِیْنَ قِیْلَ لِابْنِہٖ کَیْفَ کَانَ اَبُوْکَ یَصْنَعُ قَالَ کَانَ یَدْخُلُ الْمَسْجِدَ اِذَا صَلَّی الْعَصْرَ فَلَا یَخْرُجُ مِنْہُ لِحَاجَۃٍ حَتّٰی یُصَلِّیَ الصُّبْحَ فَاِذَا صَلَّی الصُّبْحَ وَجَدَ دَآبَّتَہٗ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ فَجَلَسَ عَلَیْھَا وَلَحِقَ بِبَادِیَتِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۹۶، ابواب شھر رمضان، باب فی لیلۃ القدر، حدیث نمبر: ۱۳۸۰۔

حل لغات: بادیۃ: دیہات، قمر: امرہ صیغہ ہے امر (ن) امر حکم دینا، دابتہ: سواری۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! میرا دیہات ہے جس میں میں رہتا ہوں اور الحمد للہ وہاں میں نماز بھی پڑھتا ہوں، اس لئے آپ مجھے حکم دیجئے تاکہ کسی رات میں آجاؤں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تیئیسویں رات میں آجاؤ، ان کے لڑکے سے پوچھا گیا کہ تمہارے والد کیسے کرتے تھے انہوں نے فرمایا: عصر پڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے اور فجر کی نماز تک کسی ضرورت سے بھی نہیں نکلتے تھے، جب صبح کی نماز پڑھتے تو ان کی سواری مسجد کے دروازہ پر ہوتی چنانچہ اس پر بیٹھ کر دیہات آجاتے۔

تشریح: ان لی بادیۃ: حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ جس دیہات میں رہتے تھے اس کا نام "الوطاءۃ" تھا۔

و أنا أصلی فیھا بحمد اللہ الخ: یعنی میں وہاں نماز تو پڑھ لیتا ہوں، لیکن مسجد نہ ہونے کی وجہ سے نفلی اعتکاف بھی نہیں کرسکتا، اس لئے آپ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی مسجد میں کم سے کم ایک دن کا ہی اعتکاف کرلوں۔

فقال انزل لیلۃ ثلث و عشرین الخ: تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کے حال کی رعایت کرتے ہوئے یا اپنا وقت ان کو دینے کی غرض سے فرمایا: کہ تم رمضان کی تیئیسویں شب میں آجاؤ۔

فلا یخرج منہ لحاجۃ الخ: یعنی حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ تیئیسویں شب میں مسجد نبوی میں داخل ہونے کے بعد پھر کسی دنیوی ضرورت سے باہر نہ نکلتے تھے۔ (مرقاۃ: ۴/۴۳۲)

یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا مثانہ اس قدر مضبوط ہو کہ رات بھر نہ ان کو پیشاب کی ضرورت پڑتی ہوگی اور نہ ہی وضو کی جیسا کہ دوسرے بعض حضرات کے حالات اس پر شاہد ہیں، اس روایت سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ رمضان کی تیئیسویں رات کو لیلۃ القدر ہوتی ہے، اس لئے کہ اس روایت

میں لیلة القدر کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے، بس اس میں اتنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رمضان کی ایک رات مسجد نبوی میں آ کر عبادت کرنے کی اجازت چاہی تو تیئیسویں شب کا انتخاب عمل میں آیا، یہ ان کے حال کے موافق بہت موزوں تھا، آگے ان کا مقدر کہ نصیب میں ہے تو ان کو شب قدر مل جائے گی، نہیں تو عبادت کرنے کا ثواب کہیں نہیں گیا۔ (مرقاۃ: ۵۶۵ / ۲، التعلیق: ۲/۴۱۱)

فوائد: (۱)...... اس حدیث شریف کی بنیاد پر بہت سے حضرات نے تیئیسویں رات کو لیلة القدر کہا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "اوجز المسالك جلد خامس"۔

(۲)...... ایک رات کا بھی اعتکاف ہو سکتا ہے۔ (کتاب الصوم: ۳۹۵)

(۳)...... اپنے مشائخ کی خدمت میں ماہِ مبارک میں اعتکاف کرنے اور ایک یوم کے اعتکاف کے لئے جانے کا جواز بھی معلوم ہوا۔

(۴)...... مشائخ کی خدمت میں کچھ وقت گذارنے کے لئے جائیں تو پہلے مشائخ سے اجازت بھی طلب کرنا چاہئے۔

(۵)...... اعتکاف اور مشائخ کی خدمت میں وقت انتہائی یکسوئی کے ساتھ گذارنا چاہئے۔ فقط

﴿الفصل الثالث﴾

شب قدر کی تعیین کا اٹھالیا جانا

{۱۹۹۴} **وَعَنْ** عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِاُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى فُلَانٌ وَّفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِيْ

التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ۔ ﴿رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۲۷۱، کتاب الصوم، باب رفع معرفۃ لیلۃ القدر الخ، حدیث نمبر: ۱۹۷۸۔

حل لغات: لیخبر نا: اَخْبَر (افعال) خبر دینا، آگاہ کرنا، فتلاحی: لحاہ (ن) لَحْوًا گالی دینا، تَلاحی (تفاعل) باہم جھگڑنا۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تا کہ ہم لوگوں کو لیلۃ القدر کی اطلاع دیں اتنے میں دو مسلمان لڑ پڑے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نکلا تھا کہ تم لوگوں کو شب قدر کی اطلاع دے دوں لیکن فلاں فلاں کے لڑنے کی وجہ سے اس کی تعیین اٹھالی گئی اور شاید یہ بھی تمہارے لئے بہتر ہو اس لئے اس کو انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں رات میں تلاش کرو۔

تشریح: لڑائی جھگڑا ایسی منحوس چیز ہے کہ بعض مرتبہ اس کی وجہ سے بڑے بڑے نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسا کہ یہاں پر ہوا، اس لئے اس سے سخت پرہیز کی ضرورت ہے۔

فتلاحی رجلان من المسلمین: رجلان سے مراد عبداللہ بن ابی حدرد، اور کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ قصہ یہ ہوا کہ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کا قرض حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھا، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب قدر کی متعین تاریخ بتانے کے لئے باہر تشریف لائے ان دونوں کی لڑائی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی ہوگی کہ متعینہ تاریخ ذہن سے نکل گئی، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ (مرقاۃ: ۲/ ۵۶۵)

عدم تعیین کی حکمت اوپر بیان ہو چکی ہے۔

فائدہ: بعض گناہوں کا اثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کا نقصان دوسرے اشخاص کو بھی ہوتا ہے۔ گو آخرت میں ایک شخص کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی۔

شب قدر اور یوم عید کی فضیلت

{۱۹۹۵} **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ کُبْکُبَۃٍ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ یُصَلُّوْنَ عَلٰی کُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ یَّذْکُرُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ عِیْدِھِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ فِطْرِھِمْ بَاھٰی بِھِمْ مَلٰٓئِکَتَہٗ فَقَالَ یَامَلٰٓئِکَتِیْ! مَاجَزَآءُ اَجِیْرٍ وَفّٰی عَمَلَہٗ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَآؤُہٗ اَنْ یُّوَفّٰی اَجْرُہٗ قَالَ مَلٰٓئِکَتِیْ عَبِیْدِیْ وَاِمَائِیْ قَضَوْا فَرِیْضَتِیْ عَلَیْھِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا یَعُجُّوْنَ اِلَی الدُّعَاءِ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَکَرَمِیْ وَعُلُوِّیْ وَارْتِفَاعِ مَکَانِیْ لَاُجِیْبَنَّھُمْ فَیَقُوْلُ اِرْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ وَبَدَّلْتُ سَیِّاٰتِکُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَیَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّھُمْ۔ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حوالہ: شعب الایمان للبیہقی: ۳/۳۴۳، کتاب الصیام، باب فی لیلۃ العید الخ، حدیث نمبر: ۳۷۱۷۔

حل لغات: نزل: نَزَل: (ض) نُزُوْلًا اترنا، کبکبۃ بضمتین و قیل بفتحتین بمعنی بھیڑ، باھی (مفاعلت) فخر کرنا، جزاء بدلہ، جزی (ض) جزاءً بدلہ دینا، وفّی (تفعیل) پورا پورا دینا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اترتے ہیں ہر کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرنے والے کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں، جب ان کا عید کا دن یعنی افطار کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ان پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جس نے اپنا کام بہ حسن وخوبی انجام دیا؟ فرشتے کہتے ہیں، اے ہمارے رب! اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کا پورا بدلہ دے دیا جائے تو اللہ تعالیٰ

کہتے ہیں کہ اے میرے فرشتوں! میرے بندوں اور میری بندیوں نے میرے اس فریضہ کو پورا کر دیا جو ان پر عائد کیا تھا، پھر دعا کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتے ہوئے نکلے، میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم، میری بخشش کی قسم، میرے بلند مرتبہ کی قسم، میں ان کی دعا ضرور قبول کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ کہتے ہیں لوٹ جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا ہے اور میں نے برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس یہ بندے ایسے حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کے گناہ معاف ہو چکے ہیں۔

تشریح: رمضان کے آخرعشرہ کی طاق راتوں میں عبادت کرنے کا اہتمام کیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو خیر و برکت رکھی ہے اس کے مستحق ہو سکیں، اور مغفرت کا پروانہ حاصل ہو کر دخول جنت کی راہ ہموار ہو جائے۔

من الملائكة: یعنی شب قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اترتے ہیں، اور جو بھی اس رات میں عبادت کرتا ہے اس کے لئے بشمول جبرئیل علیہ السلام کے تمام فرشتے رحمت اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

فاذا كان يوم عيد باهى بهم ملائكته الخ: جب لوگ پورے مہینے کے روزے رکھ لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے بطور فخر کے کہتے: اس مزدور کی کیا جزاء ہے جو اپنا کام کرنے میں بالکل ٹھیک ہو، تو فرشتے کہتے ہیں کہ اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے، واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ اس طریقے سے فخر اس لئے کرتا ہے کہ تخلیق آدم کے وقت فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ اے اللہ! آپ کیسی مخلوق پیدا فرما رہے ہیں، جو زمین میں خون خرابہ کرے گی، ان کے اس نظریے کی اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال سامنے لا کر تردید کرتے ہیں۔

قال ملائكتي عبيدي وامائي قضوا الخ: یعنی جب فرشتے یہ کہتے ہیں جو لوگ ٹھیک ٹھیک کام کر چکے ہیں ان کو پورا پورا بدلہ دے دیا جائے تو اللہ تعالیٰ

اپنی قدرت کاملہ کی قسم کھا کر کہتا ہے اے فرشتو! میں نے اپنے ان بندوں اور بندیوں کو بخش دیا جنہوں نے عائد کئے گئے فرائض کو پورا کر دیا، پھر وہ عید کے لئے نکلے تو میں ان کی دعاؤں کو ضرور قبول کروں گا۔

قال فیرجعون مغفوراً لھم: جناب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ عیدگاہ سے وہ بندے گناہ سے پاک صاف ہوکر واپس ہوتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں التعلیق: ۴۱۲/ ۲، مرقاۃ: ۵۶۶/ ۲۔

013 Babul eatikaf

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

رقم الحدیث:۱۹۹۶؍ تا ۲۰۰۶؍

013 Babul eatikaf

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب الصوم کی تکمیل کے لئے اخیر میں اعتکاف کا باب قائم کیا، اس لئے کہ جس طرح صوم فرض کا تعلق ماہ رمضان سے ہے، اسی طرح اعتکاف بھی اسی ماہ کے عشرۂ اخیر کی سنت ہے۔

اعتکاف کے لغوی اور اصطلاحی معنی

اعتکاف کے لغوی معنی ہیں ایک جگہ ٹھہرنا اور کسی مکان میں بند رہنا، اور اصطلاحِ شرع میں اعتکاف کہا جاتا ہے: "المکث فی المسجد من شخص مخصوص بصفۃ مخصوصۃ" (مرقاۃ: ۲/۵۶۷)

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)......اعتکاف واجب: یہ وہ اعتکاف ہے جو نذر کی وجہ سے واجب ہو گیا ہو، خواہ تعلیقاً ہو، جیسے یوں کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا۔ یا تنجیزاً ہو، مثلاً یوں کہے کہ میں

نے اتنے دنوں کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کرلیا، لہٰذا جتنے دنوں کی نیت کی ہے اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

(۲)...... اعتکاف مسنون: یہ وہ اعتکاف ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں کیا جاتا ہے، اس لئے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ ان ایام کا اعتکاف فرمانے کی تھی، یہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، یعنی اگر کسی بستی یا محلہ میں کوئی ایک آدمی بھی کرلے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہوجائے گی، لیکن اگر پورے محلہ میں سے کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا تو پورے محلہ والوں پر ترک سنت کا گناہ ہوگا، یہ اعتکاف مسنون اگر کسی وجہ سے ٹوٹ گیا تو صرف اسی دن کی قضاء کرے جس دن میں اعتکاف ٹوٹا ہے۔

(۳)...... اعتکاف نفل: پہلی دو قسم کے علاوہ ہر قسم کا اعتکاف اعتکاف نفل ہے، جو کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔ نہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر ہے، اور نہ ایام کی مقدار متعین ہے، جس کا جتنا جی چاہے کرلے، حتی کہ اگر کوئی شخص تمام عمر کے اعتکاف کی نیت کرلے تب بھی جائز ہے۔ البتہ کمی میں اختلاف ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک ایک دن سے کم کا اعتکاف جائز نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی مدت اکثر یوم ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقل مدت کی کوئی تعیین نہیں، حتی کہ ایک ساعت کا اعتکاف بھی جائز ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔
(عمدۃ القاری: ۱۴۰/ ۱۱، فتح القدیر: ۳۴۰/ ۲، شامی: ۱۴۲/ ۲)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اعتکاف الرجال کے لئے ائمہ اربعہ کے نزدیک مسجد

کا ہونا شرط ہے، اور اس میں بعض دوسرے علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ محمد بن لبابہ المالکی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحت اعتکاف کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں، "بل یجوز فی کل موضع" اور ایک قول اس میں یہ ہے "لایجوز الا فی المساجد الثلاثۃ" مسجد حرام، مسجد نبوی، بیت المقدس۔ یہ حضرت حذیفہ بن الیمان سے منقول ہے: "وروی عن عطاء انہ لایجوز الا بمسجد مکۃ والمدینۃ وابن المسیب بمسجد المدینۃ"

پھر ائمہ اربعہ میں اس بات میں اختلاف ہو رہا ہے کہ کون سی مسجد ضروری ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسجد جماعت یعنی جس کے لئے امام اور مؤذن متعین ہوں، پانچوں وقت کی نماز ادا ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو اس میں دونوں قول ہیں، اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسجد جماعت اعتکاف واجب کے لئے ضروری ہے، اعتکاف نفل کے لئے مطلق مسجد کافی ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ومالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلق مسجد، لیکن ان دونوں اماموں کے نزدیک اگر اثناء اعتکاف میں جمعہ کا دن واقع ہو تو پھر مسجد جامع کا ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ خروج لصلوۃ الجمعہ ان دونوں اماموں کے نزدیک قاطع اعتکاف ہے، بخلاف حنفیہ وحنابلہ کے کہ ان کے نزدیک قاطع اعتکاف نہیں، شافعیہ ومالکیہ کی کتب میں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص غیر جامع میں جس میں جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو اعتکاف کرے اور اسی اثناء میں جمعہ کا دن آ جائے تو یہ شخص اگر جمعہ کے لئے مسجد سے باہر نہ جائے بلکہ مسجد ہی میں رہے تو فی نفسہ تو اس کا اعتکاف صحیح ہو جائے گا لیکن ترک جمعہ کا گناہ ہوگا۔

یہ اختلاف تو ہیں اعتکاف الرجال سے متعلق۔ اور اعتکاف النساء کے بارے میں احناف اور جمہور علماء کا اختلاف ہے، امام احمد اور امام مالک اور امام شافعیؒ فی القول الجدید کے نزدیک عورت کے صحت اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے، اور امام شافعیؒ کا قول قدیم اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت کا اعتکاف مسجد بیت میں صحیح ہے، مسجد بیت سے مراد گھر میں وہ جگہ ہے جس کو وہ اپنی نماز کے لئے متعین کرے، لیکن ایک فرق یہ ہے کہ اگرچہ امام احمدؒ کے نزدیک اعتکاف الرجل کے لئے مسجد جماعت

ضروری ہے، لیکن عورت کے لئے مسجد جماعت کی قید نہیں، مطلق مسجد کافی ہے، حنفیہ کے نزدیک اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ عورت کے لئے مسجد بیت میں اعتکاف اولیٰ ہے مسجد جماعت سے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مسجد جماعت میں اس کا اعتکاف صحیح بھی ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں ہمارے یہاں دونوں قول ہیں، جواز اور عدم جواز۔ (ملخصاً من الاوجز: ۱۲۷/۳) اوجز میں یہ جملہ مذاہب و اختلافات کتب فروع کے حوالہ سے لکھے ہیں۔ (الدر المنضود: ۲۶۶-۲۶۷/۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ فضائل رمضان میں اعتکاف کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں:

معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ کسی کے در پر جا پڑے کہ اتنے میری درخواست قبول نہ ہو ٹلنے کا نہیں۔ ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اگر حقیقتاً یہی حال ہو تو سخت سے سخت دل والا بھی پسیج جاتا ہے، اور اللہ جل شانہٗ کی کریم ذات تو بخشش کے لئے بہانہ ڈھونڈتی ہے۔ بلکہ بے بہانہ مرحمت فرماتے ہیں: ؎

تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے
در تری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اس لئے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دروازے پر دنیا سے منقطع ہو کر جا پڑے تو اس کے نوازے جانے میں کیا تامل ہو سکتا ہے اور اللہ جل شانہٗ جس کو اکرام فرما دیں اس کے بھرپور خزانوں کا بیان کون کر سکتا ہے، اس کے آگے کہنے سے قاصر ہوں کہ نامرد بلوغ کی کیفیت کیا بیان کر سکتا ہے مگر ہاں یہ ٹھان لے کہ: ؎

جس گل کو دل دیا ہے جس پھول پر فدا ہوں
یا وہ بغل میں آئے یا جاں قفس سے چھوٹے

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف کا مقصود اور اس کی روح دل کو اللہ کی پاک ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے کہ سب طرف سے ہٹ کر اسی کے ساتھ مجتمع ہو جائے اور ساری مشغولیوں کے بدلہ میں اسی کی پاک ذات سے مشغول ہو جائے اور اس کے غیر کی طرف سے منقطع ہو کر ایسی طرح اس میں لگ جاوے کہ خیالات تفکرات سب کی جگہ اس کا پاک ذکر اس کی محبت سما جاوے حتیٰ کہ مخلوق کے ساتھ انس کے بدلہ اللہ کے ساتھ انس پیدا ہو جاوے کہ یہ انس قبر کی وحشت میں کام دے کہ اس دن اللہ کی پاک ذات کے سوا نہ کوئی مونس نہ دل بہلانے والا، اگر دل اس کے ساتھ مانوس ہو چکا ہوگا تو کس قدر لذت سے وقت گذرے گا۔ ؎

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھا رہوں تصور جاناں کئے ہوئے

صاحب مراقی الفلاح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو افضل ترین اعمال میں سے ہے، اس کی خصوصیتیں حد احصاء سے خارج ہیں کہ اس میں قلب کو دنیا و مافیہا سے یکسو کر لینا ہے اور نفس کو مولیٰ کے سپرد کر دینا اور آقا کی چوکھٹ پر پڑ جانا ہے: ؎

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑا رہوں
سر زیرِ بارِ منت درباں کئے ہوئے

نیز اس میں ہر وقت عبادت میں مشغولی ہے کہ آدمی سوتے جاگتے ہر وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ تقرب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور جو میری طرف (آہستہ بھی) چلتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ نیز اس میں اللہ کے گھر پڑ جانا ہے اور کریم میزبان ہمیشہ گھر آنے والے کا اکرام کرتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے قلعہ میں محفوظ ہوتا ہے کہ دشمن کی رسائی وہاں

تک نہیں۔ وغیرہ وغیرہ بہت سے فضائل اور خواص اس اہم عبادت کے ہیں۔

مسئلہ: مرد کے لئے سب سے افضل جگہ مسجد مکہ ہے، پھر مسجد مدینہ منورہ، پھر مسجد بیت المقدس، ان کے بعد مسجدِ جامع پھر اپنی مسجد، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس مسجد میں اعتکاف کرے اس میں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو، صاحبین کے نزدیک شرعی مسجد ہونا کافی ہے۔ اگرچہ جماعت نہ ہوتی ہو۔

عورت کے لئے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہئے۔ اگر گھر میں کوئی جگہ مسجد کے نام سے متعین نہ ہو تو کسی کونہ کو اس کے لئے مخصوص کرلے، عورتوں کے لئے اعتکاف بہ نسبت مردوں کے زیادہ سہل ہے۔ کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے کام کاج بھی گھر کی لڑکیوں وغیرہ سے لیتی رہیں اور مفت کا ثواب بھی حاصل کرتی رہیں۔ مگر اس کے باوجود عورتیں اس سنت سے گویا بالکل ہی محروم رہتی ہیں۔ (فضائل اعمال: ۶۱۲/ ۱)

﴿الفصل الاوّل﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف

{۱۹۹۶} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۷۱، باب الاعتکاف فی العشر الاواخر لخ، حدیث نمبر:۱۹۸۱۔ مسلم شریف: ۱/۳۷۱، کتاب الاعتکاف، حدیث نمبر:۱۱۷۲۔

حل لغات: ازواجہ: زوج کی جمع ہے بمعنی بیوی۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخیر عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے اٹھالیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی بیویاں اعتکاف کرتی تھیں۔

تشریح: اس حدیث شریف سے جو کہ متفق علیہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا اہتمام اور اس پر مواظبت ثابت ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں تصریح ہے: ”حتی توفاہ اللہ“ کی۔ کہ وفات کے سال تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا۔ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مواظبت فرمانا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بغیر نکیر کے جنہوں نے اس کو ترک کیا یہ دلیل ہے اس اعتکاف کی سنیت کی، اور اگر مواظبت کے ساتھ انکار علی الترک بھی پایا جاتا تو پھر یہ وجوب کی دلیل ہوتی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت

اس سلسلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے بعض شاگردوں نے یہ نقل کیا ہے کہ جب میں اعتکاف کے بارے میں یہ دیکھتا ہوں کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا ترک ثابت ہے، باوجود ان کی شدید حرص سنت پر عمل کرنے میں تو میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ اس کا حال صوم وصال جیسا ہے۔

اور ان کے اس کلام سے ان کے بعض اصحاب رضی اللہ عنہم نے اخذ کرتے ہوئے یہ کہا کہ اعتکاف صرف جائز ہے، لیکن اس پر دوسرے علماء مالکیہ ابن العربی اور ابن بطال وغیرہ نے رد کیا ہے، اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت دلیل ہے، اس کے سنت مؤکدہ ہونے کی، امام ابوداؤد نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ علماء میں سے کسی کا اختلاف اس کے مسنون ہونے میں میرے علم میں نہیں۔
(الدرالمنضود: ۲۶۸/ ۴)

روایات مختلفہ اور ان میں تطبیق

جاننا چاہئے کہ یہاں جو روایت مصنف نے ذکر کی ہے اس میں صرف عشرۂ اخیرہ ہی کا اعتکاف مذکور ہے، اور امام بخاریؒ نے اس کے علاوہ ایک اور حدیث ذکر فرمائی ہے، بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعْتَکِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ۔ الحدیث۔" یہ روایت ما قبل میں باب لیلۃ القدر میں گذر چکی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان کے عشرۂ وسطیٰ میں اعتکاف فرماتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عشرۂ وسطیٰ کے اخیر میں فرمایا: کہ جن لوگوں نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے تو وہ عشرۂ اخیرہ کا بھی اعتکاف کریں، اس لئے کہ ابھی تک لیلۃ القدر نہیں پائی گئی، اس لئے کہ مجھے اس کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ اس سال جب شب قدر ہوگی تو اس رات میں بارش ہوگی، جس کی وجہ سے مسجد نبوی کی چھت ٹپکے گی، اور اس کی صبح کو میں نماز کا سجدہ مٹی اور پانی میں کروں گا۔ چنانچہ

سب لوگ عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی نیت سے ٹھہر گئے، راوی کہتا ہے: پھر پہلی ہی رات میں یعنی اکیسویں شب میں اس علامت کا ظہور ہوا، جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، بارش وغیرہ کا ہونا، بخاری اور ابو داؤد کی روایت میں تو اسی طرح ہے، اور صحیح مسلم کی روایت میں اس طرح ہے: "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اِعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ۔ الحدیث" اس روایت میں عشرۂ اول کے اعتکاف کی زیادتی ہے، نیز مسلم کی اس روایت میں "اعتکف" کا لفظ ہے۔ "کان یعتکف" کا نہیں۔

نیز امام مسلمؒ نے اس قسم کی روایات کو ابواب لیلۃ القدر میں ذکر کیا ہے، اور باب الاعتکاف میں ذکر نہیں کیا۔ ان مجموعہ روایات کو دیکھنے سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے پہل جو اعتکاف فرمایا (لیلۃ القدر کی تلاش میں) وہ عشرۂ اولیٰ کا فرمایا، پھر جب اس میں لیلۃ القدر نہیں پائی تو عشرۂ وسطیٰ میں اعتکاف فرمایا، عشرۂ وسطیٰ میں یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ لیلۃ القدر جس کی تلاش میں آپ ہیں وہ عشرۂ اخیرہ میں پائی جائے گی، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، اور پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ عشرۂ اخیرہ ہی کا اعتکاف فرماتے رہے، غالباً اسی بنا پر امام مسلم اور امام ابو داؤد وغیرہ حضرات نے باب الاعتکاف میں وہی روایات ذکر کی ہیں، جن میں صرف عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف مذکور ہے۔ اور اسی لئے پھر فقہاء نے بھی عشرۂ اخیرہ ہی کے اعتکاف کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے۔ (الدر المنضود: ۲۶۸/۴)

بدائع الصنائع میں امام زہریؒ کا قول نقل کیا ہے: "انه قال عجبنا للناس وقد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليفعل الشئ ويتركه ولم يترك الاعتكاف منذ دخل المدينة الى ان مات صلى الله عليه وسلم انتهى۔ (اوجز المسالک: ۵/۴۰۸)

امام زہری نے فرمایا: کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ انہوں نے اعتکاف کو ترک کر دیا، حالانکہ رسول اکرم ﷺ کسی عمل کو کرتے بھی تھے اور ترک بھی فرما دیا کرتے تھے، مگر اعتکاف کو مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد وفات تک کبھی ترک نہ فرمایا۔

پورے ماہ رمضان کے اعتکاف کی حیثیت

لیکن جاننا چاہئے کہ عبادات وطاعات کے باعتبار مشروعیت کے مختلف درجات ہیں: فرض، واجب، سنت، مستحب، جن کی تعریفات اصول فقہ اور فقہ میں مذکور ہیں، سنت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول دائمی یا کم از کم اکثری کو کہتے ہیں، اور جو کام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طاعت کی حیثیت سے کبھی کبھی کیا ہو، اس کو مستحب کہا جاتا ہے۔ علی ہذا علی الظاہر پورے ماہ کا اعتکاف بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شروع میں ایک بار کیا، اس کے بعد بالالتزام تو عشرۂ اخیرہ ہی کا فرمایا لیکن گاہے کسی عارض ومصلحت کی وجہ سے جیسا کہ روایات میں آتا ہے دو عشرہ کا بھی کیا ہے، جیسا کہ آگے روایت آرہی ہے۔

لہٰذا رمضان کے پورے ماہ کے اعتکاف کو خلاف سنت یا بدعت کہنا غلط ہے۔ دیکھئے ان احادیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اعتکاف کی ایک بڑی غرض لیلۃ القدر کا حصول ہے، اور لیلۃ القدر کی تعیین کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، عشرۂ اخیرہ ہی میں اس کا انحصار نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ وہ سارے سال میں دائر رہتی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ پورے ماہ رمضان میں دائر رہتی ہے، اس کے علاوہ اصل اعتکاف عبادت ہے، ابھی اوپر گذرا کہ فقہاء نے اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک اعتکاف مسنون، جو عشرۂ اخیرہ کے ساتھ خاص ہے، ایک اعتکاف منذور جو نذر کے تابع ہے، خواہ ایک دن کی نذر ہو یا ایک ہفتہ کی یا ایک ماہ کی، اس مدت کو پورا کرنا واجب ہے، تیسری قسم اس کی اعتکاف نفل ہے، جس کے بارے میں فقہاء کی تصریح ہے کہ وہ مقدر بالزمان نہیں خواہ ایک ساعۃ ہو یا ایک ماہ کا یا ایک سال کا، پھر پورے ماہ کے اعتکاف پر بدعت یا خلاف سنت ہونے کا اطلاق خلاف تحقیق نہیں تو اور کیا ہے۔ واللہ الموفق وھو الملھم للصدق والصواب۔ (الدر المنضود: ۴/۲۶۹)

آنحضرت ﷺ کی سخاوت رمضان شریف میں

{۱۹۹۷} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَیْرِ وَکَانَ اَجْوَدَ مَایَکُوْنُ فِیْ رَمَضَانَ کَانَ جِبْرَئِیْلُ یَلْقَاہُ کُلَّ لَیْلَۃٍ فِیْ رَمَضَانَ یَعْرِضُ عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ فَاِذَا لَقِیَہٗ جِبْرَئِیْلُ کَانَ اَجْوَدَ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۵۵، کتاب الصوم، باب اجود ما کان النبی ﷺ الخ، حدیث نمبر: ۱۸۶۴۔ مسلم شریف: ۲/۲۵۳، کتاب الفضائل، باب جودہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۲۳۰۸۔

حل لغات: أجود: اسم تفضیل کا صیغہ ہے، جادہ (ن) جَوْدًا فیاض ہونا، سخی ہونا، بخشش میں غالب ہونا، الریح: ہوا جمع ارواح، ریاح

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ تمام لوگوں سے سخاوت میں بڑھے ہوئے تھے اور رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اس سے بھی زیادہ ہوجاتی تھی، رمضان کی ہر رات میں جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تھے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن سنایا کرتے تھے، پس جب جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے تو بھلائی کرنے میں بھیجی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوجاتے تھے۔

تشریح: اجود الناس بالخیر الخ: یعنی حضرت رسول اکرم ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے، نیز رمضان میں اس وصف سخاوت کا مزید اضافہ ہوجایا کرتا تھا۔

یعرض علیہ النبی الخ: یعنی رمضان کی ہر رات کو حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت رسول اکرم ﷺ سے ملاقات کرتے تھے، جس میں جناب رسول اللہ ﷺ کو قرآن کریم ترتیل سے سنایا کرتے تھے۔

فاذا لقیہ جبرئیل کان اجود الخ: جب جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخاوت میں بے انتہا اضافہ ہو جایا کرتا تھا، راوی کو اس کی ادائیگی کے لئے الفاظ نہ مل سکے تو اس کو تعبیر ہوا سے کر دی اور یہ بات ذہن میں رہے کہ ہوا چلتی ہی رہتی ہے ایسے ہی آنحضرت ﷺ کی سخاوت ہر وقت جاری رہتی تھی۔ اور سب ہی لوگ اس سے فیضیاب ہوتے تھے۔ (مرقاۃ: ٥٦٨ / ٢) تفصیل کے لئے دیکھیں طیبی: ٢٥١ / ۴۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ برکت و فضیلت والے اوقات اور صلحاء کی صحبت میں رہتے ہوئے نیکی و بھلائی کرنے اور دوسروں کی نفع رسانی کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

تنبیہ: واضح رہے کہ یہ حدیث بظاہر اس باب سے متعلق معلوم نہیں ہوتی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رمضان میں اعتکاف کا بھی بہت اہتمام فرماتے تھے، اس مناسبت سے اس کو یہاں ذکر کر دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری اعتکاف

{١٩٩٨} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ كُلَّ عَامٍ مَّرَّةً فَعُرِضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ وَكَانَ يَعْتَكِفُ كُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ فِي الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ۔ ﴿رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ٢/ ٧٤٨، کتاب فضائل القرآن، باب کان جبرئیل یعرض الخ، حدیث نمبر: ۴٨٠٧۔

حل لغات: یعرض: عَرَضَ (ض) عَرْضًا پیش کرنا، قبض: قَبَضَ (ن) قَبْضًا، قبضہ میں لینا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال ایک بار قرآن سنایا جارہا تھا لیکن وفات کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ

قرآن سنایا گیا اور آنحضرت ﷺ ہر سال ایک عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے لیکن وفات کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

تشریح: یعرض علی النبی الخ: یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت رسول کریم ﷺ کو قرآن سناتے تھے، اور یہ سنانا ہر سال میں ایک مرتبہ ہوتا تھا، لیکن وفات کے سال میں یہ دو دو مرتبہ کیا گیا تھا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کو سناتے تھے، جب کہ اس سے پہلے والی حدیث شریف میں اس کا برعکس معاملہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سناتے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سناتے۔ علی سبیل المدارسۃ۔ (التعلیق: ۴۱۴ / ۲) جیسا کہ رمضان المبارک میں حفاظ کرام کرتے ہیں، جس کو دور کرنا کہا جاتا ہے۔

یعتکف کل عام عشر الخ: اسی طرح سے جناب نبی کریم ﷺ ہر سال دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے، لیکن وفات کے سال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیس دن کا اعتکاف کیا تھا۔

آخری رمضان میں دو عشرہ کا اعتکاف

یعنی آنحضرت ﷺ ہر رمضان میں عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، اور جب وہ سال آیا جو آپ کا سال وفات تھا اس رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عشرہ کا اعتکاف فرمایا۔

علماء اور شراح حدیث نے اس کی مختلف مصلحتیں لکھی ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب وفات کا علم ہو گیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاہا کہ اعمال خیر میں اضافہ ہونا چاہئے اور اس میں امت کو تعلیم بھی مقصود ہے کہ جب آدمی عمر طبعی کو پہنچ جائے تو اس کو عمل میں مزید مجاہدہ کرنا چاہئے تاکہ بہتر سے بہتر حالت میں

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرسکے، ایک اور وجہ بھی اس کی مشہور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا معمول آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہر رمضان میں ایک مرتبہ قرآن پاک کے دور کرنے کا تھا، پھر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر کا آخری سال آیا اس سال کے رمضان میں حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن پاک کا دو مرتبہ دور فرمایا تو اسی مناسبت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعتکاف کی مدت بھی دوگنی فرمادی، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی ایک دو وجہ لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ ان سب وجوہ سے زیادہ قوی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جس سال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو عشرہ کا اعتکاف فرمایا یہ وہ سال ہے کہ اس سے پہلے سال کے رمضان میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسافر تھے، جس کی وجہ سے اعتکاف نہ ہوسکا تھا، اور اس کی دلیل میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد شریف کی وہ روایت پیش کی ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ اس دو عشرے والے اعتکاف میں ایک عشرہ قضاء اعتکاف کا تھا، جو سفر کی وجہ سے قضا ہوا تھا۔

لیکن حافظؒ کی اس توجیہ میں یہ اشکال ہے کہ جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف عذر سفر کی وجہ سے فوت ہوا تھا، وہ ۸ھ والا رمضان ہے، اور یہ اعتکاف دو عشرہ والا اس کے بعد کا نہیں، بلکہ ۱۰ھ کا قصہ ہے، شاید اس سے بہتر ابن العربی رحمہ اللہ کی یہ توجیہ ہے کہ جب ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے ناخوشگوار واقعہ پیش آنے کی وجہ سے اعتکاف ترک فرمادیا تھا، اور اس کی قضا عشرۂ شوال میں کی تھی سو اس کی کماحقہ تلافی نہ ہونے کی وجہ سے بوجہ غیر رمضان میں ہونے کے اب دوبارہ اس کی قضاء اصل وقت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی، اس صورت میں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ ناخوش گواری پیش آنے والا سال ۹ھ کا تھا تاکہ حدیث الباب اس پر منطبق ہوسکے۔ (مرقاۃ: ۵۶۹ / ۲، الدر المنضود: ۲۷۵ / ۴)

013 Babul eatikaf

حالت اعتکاف میں کنگھی کرنا

{۱۹۹۹} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَکَفَ اَدْنٰی اِلَیَّ رَاسَہٗ وَھُوَ فِی الْمَسْجِدِ فَاُرَجِّلُہٗ وَکَانَ لَایَدْخُلُ الْبَیْتَ اِلَّا لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۷۲، کتاب الصوم، باب المعتکف لا یدخل البیت الخ، حدیث نمبر: ۱۹۸۴۔

مسلم شریف: ۱/۱۴۲، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، حدیث نمبر: ۲۹۷۔

حل لغات: ادنی: دَنَا (ن) دُنُوًّا قریب ہونا، اَدْنٰی (افعال) قریب کرنا، را سہ، سر جمع رُؤُس، ارجلہ رَجَّلَ (تفعیل) کنگھی کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے تو مسجد میں ہوتے ہوئے اپنا سر میرے قریب کر دیتے تو میں کنگھی کر دیتی اور آپ گھر میں انسانی ضرورت کی وجہ سے ہی داخل ہوتے تھے۔

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمارہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معتکف میں ہی ہوتے ہوئے میری طرف اپنا سر مبارک قریب کر دیتے، (اور یہ پہلے آ ہی چکا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معتکف حجرۂ عائشہ سے ملا ہوا تھا) تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بالوں میں کنگھی کر دیا کرتی تھی۔ پھر آگے فرماتی ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاجت انسانیہ کے علاوہ کسی اور کام کے لئے مسجد سے حجرہ میں داخل نہیں ہوتے تھے۔

حاجت انسانیہ کی تفسیر بعض روایات میں بول و براز کے ساتھ آئی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان دو کے استثناء پر تو سب علماء کا اتفاق ہے اور ان دو کے علاوہ دوسری ضروریات جیسے اکل وشرب انکے بارے میں اختلاف ہے، اور آگے لکھتے ہیں اور بول و براز ہی کے ساتھ قے اور فصد جس کو ان کی ضرورت پیش آئے ملحق ہیں۔ الی آخر ماذکر فی البذل۔

کن کن حاجات کے لئے معتکف مسجد سے نکل سکتا ہے

کتب حنفیہ میں نورالایضاح وشرح المراقی میں "لا یخرج منه الا لحاجة شرعية كالجمعة والعيدين او حاجة طبعية كالبول والغائط وازالة نجاسة واغتسال من جنابة باحتلام او حاجة ضرورية كانهدام المسجد واداء شهادة تعينت عليه" اور پھر آگے اسی میں ہے: اور معتکف کا کھانا پینا اور اپنی ضرورت کی چیز کا خرید و فروخت ان سب چیزوں کا مسجد ہی میں ہونا ضروری ہے، ان اشیاء کے لئے خروج عن المسجد مفسد اعتکاف ہے، اور کہا گیا ہے کہ کھانے پینے کے لئے غروب کے بعد نکل سکتا ہے، یعنی جب کوئی کھانا پہنچانے والا نہ ہو کیونکہ اس صورت میں یہ نکلنا حوائج ضروریہ میں سے ہوگا۔ (بزیادۃ من الطحطاوی: ۵۸۰)

اور ہدایہ: ۲۲۵/ ۱ میں ہے: "ولو خرج من المسجد ساعة بغير عذر فسد اعتكافه عند ابي حنيفة وهو القياس وقالا لا يفسد حتى يكون اكثر من نصف يوم وهو الاستحسان لان في القليل ضرورة۔ اور کتب شافعیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص اعتکاف منذور میں کھانے پینے کی ضرورت ایسے ہی بول و براز یا حیض ومرض کی وجہ سے مسجد سے باہر آئے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا۔ (التنبیہ للشیرازی)

اور کتب مالکیہ میں طلب غذا کو مستثنیات میں شمار کیا ہے، لیکن کھائے مسجد میں داخل ہو کر، اسی طرح "الروض المربع" (فی فقه الحنابلة) میں طعام وشراب کو مسجد میں لانے کے لئے ضرورت کے وقت نکلنا جائز لکھا ہے۔ ففيه ولا يخرج المعتكف الا لما لا بد منه كاتيانه بمأكل ومشرب لعدم من ياتيه بهما۔"

آگے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث موقوف میں آرہی ہے "السنة على المعتكف ان لا يعود مريضا ولا يشهد جنازة"

حافظ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر معتکف

عیادۃ مریض یا صلاۃ جنازہ کے لئے مسجد سے نکلے تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا اور اسی کے قائل ہیں کوفیین اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ واسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر ان چیزوں کے لئے نکلنے کی شرط ابتداء اعتکاف میں لگالے تو پھر خروج سے اعتکاف باطل نہ ہوگا اور یہی ایک روایت ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے۔

حضرت شیخ "الابواب والتراجم" میں لکھتے ہیں: امام احمدؒ ابتداء اعتکاف میں جوازِ اشتراط کے قائل ہیں، لیکن امام مالکؒ نے اس کا انکار کیا ہے، جس کی تصریح مؤطا میں ہے، لیکن اس مسئلہ کو میں نے فروع حنفیہ میں نہیں پایا، بلکہ بعض عبارات میں اشارہ ملتا ہے، اس کے عدم جواز کی طرف، ہاں اگر بوقت نذر شرط لگائے، عیادت مریض یا صلوۃ جنازہ کے لئے خروج کی تب جائز ہے، "کما فی الدر المختار وغیرہ مختصرا"

معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ واحمد رحمہما اللہ تعالیٰ جواز اشتراط کے قائل ہیں لہٰذا شرط لگانے کی صورت میں نکلنا جائز ہوگا، اور حنفیہ اور مالکیہ اس کے قائل نہیں، ہاں حنفیہ نذر ماننے کے وقت جواز اشتراط کے قائل ہیں، لہٰذا اس صورت میں نکلنا جائز ہوگا، اور یہ مسئلہ ابتداء اعتکاف باب الاعتکاف کے شروع میں گذر چکا ہے کہ حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک خروج للجمعۃ قاطع اعتکاف نہیں ہے، بخلاف شافعیہ ومالکیہ کے، (الدر المنضود: ۲/۲۷۶/۴)

نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اَنْ اَعْتَكِفَ کا مطلب

{۲۰۰۰} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ عُمَرَ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اَنْ اَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۷۲، کتاب الصوم، باب الاعتکاف لیلا، حدیث نمبر: ۱۹۸۶۔ مسلم شریف: ۲/۵۰، کتاب الایمان والنذر، باب نذر الکافر ومایفعل فیہ الخ، حدیث نمبر: ۱۶۵۶۔

حل لغات: نذرت: نَذَرَ (ن) نَذْرًا ماننا، غیر واجب کو اپنے اوپر واجب کرنا، **الجاهلية،** اہل عرب کے وہ احوال جو اسلام سے پہلے تھے، جَھِلَ (س) جَھْلًا نہ جاننا، ان پڑھ ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں نے جاہلیت میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی نذر پوری کرو۔

تشریح: یہ سوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مقام جعرّانہ میں تھا غزوہ حنین کے بعد، جہاں پر غنائم حنین کو لاکر جمع کیا گیا تھا، اور وہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد ہوازن حاضر ہوا تھا قیدیوں کو آزاد کرنے کی درخواست کے لئے۔

زمانۂ جاہلیت کی نذر کا حکم

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمانۂ جاہلیت کی نذر اگر حکم اسلام کے موافق ہو تو اسلام قبول کرنے کے بعد اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ ان کا استدلال اسی روایت سے ہے کہ اس میں زمانہ جاہلیت کی نذر کو واجب الایفاء قرار دیا ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمانہ جاہلیت کی نذر صحیح ہی نہیں ہے، چونکہ کافر نذر ماننے کا اہل نہیں ہے، اس لئے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۵۶۹/۲، التعلیق: ۴۱۵/۲)

جہاں تک تعلق ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تو اس سے حکم استحبابی مراد ہے، حکم وجوبی مراد نہیں ہے۔

اور یا یہ کہا جائے گا کہ زمانۂ جاہلیت سے مراد وہ حالت ہے جو اسلام کی تبلیغ عام اور اسکے ظہور سے پہلے تھی، لہٰذا اب جاہلیت کی نذر سے ابتداء اسلام میں مسلمان ہو کر جو نذر مانی تھی وہ مراد ہے، مسلمان کی نذر چونکہ صحیح ہے، اسلئے ایفاء نذر کا حکم دیا۔ (نفحات التنقیح: ۲۰۶/۳)

صحت اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے یا نہیں؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مذکور میں جو اعتکاف اللیل کا ذکر آیا ہے اس سے علامہ طیبیؒ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اعتکاف کی صحت کے لئے روزہ شرط نہیں ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ (شرح الطیبی: ۲۱۰/ ۴)

نیز حضرت امام احمدؒ کی بھی مشہور روایت اسی کے مطابق ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعتکاف کے لئے صوم شرط ہے، امام احمدؒ کی دوسری روایت اسی کے مطابق ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۶۴/ ۳)

ان کا استدلال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے جو فصل ثانی میں آرہی ہے، اور اس میں ہے: "ولا اعتکاف الا بصوم"

حنفیہ کی طرف سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعتکاف کے سلسلہ میں اس کے علاوہ جو روایتیں منقول ہیں ان میں اعتکاف کے ساتھ روزہ کا بھی ذکر ہے، چنانچہ اس سلسلے کی ابوداوٗد شریف میں ایک روایت ہے: "عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا اَنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ جَعَلَ عَلَیْہِ اَنْ یَعْتَکِفَ فِیْ الْجَاھِلِیَّۃِ لَیْلَۃً اَوْ یَوْمًا عِنْدَ الْکَعْبَۃِ فَسَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِعْتَکِفْ وَصُمْ" (سنن ابی داؤد: ۱/ ۳۳۵)

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث باب میں جو اعتکاف اللیل کا ذکر ہے تو اس سے بھی مراد دن رات دونوں ہیں صرف رات کا اعتکاف مراد نہیں ہے، اس پر دلیل صحیح مسلم کی روایت ہے "اِنَّ عَبْدَ اللہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا حَدَّثَہٗ اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ بِالْجِعِرَّانَۃِ بَعْدَ اَنْ رَجَعَ مِنَ الطَّائِفِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللہِ اِنِّیْ نَذَرْتُ فِیْ الْجَاھِلِیَّۃِ اَنْ اَعْتَکِفَ یَوْمًا فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَکَیْفَ تَرٰی فَقَالَ اِذْھَبْ فَاعْتَکِفْ یَوْمًا" (ص: ۵۰/ ۲)

جس میں لیلۃ کی جگہ یوما مذکور ہے، اسی طرح ابوداوٗد شریف کی روایت جو ذکر کی گئی اس میں بھی یوم اور لیل دونوں کا ذکر ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ جن روایات میں صرف لیلۃ کا ذکر ہے تو اس سے "لیلۃ مع یومھا" مراد ہے، اور جن میں فقط یوم کا ذکر ہے تو اس سے "یوم مع لیلۃ" مراد ہے، اس سے روایت میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۷۰)

یا یہ کہا جائیگا کہ چونکہ ابھی بحث سابق میں یہ گذرا کہ یہ جاہلیت کی نذر ہونے کی وجہ سے ایفاء نذر کا حکم بطور استحباب کے تھا، بطور وجوب کے نہ تھا، اور اعتکافِ نفل کے لئے ہمارے نزدیک بھی راجح یہی ہے کہ اس میں صوم شرط نہیں ہے۔ (نفحات التنقیح: ۳/۲۰۷)

الفصل الثانی

اعتکاف کی قضاء

{۲۰۰۱} **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْتَکِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ یَعْتَکِفْ عَامًا فَلَمَّا کَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) وَرَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۶۵، ابواب الصوم، باب ماجاء فی الاعتکاف اذا خرج منہ، حدیث نمبر: ۸۰۳۔ ابوداؤد شریف: ۱/۳۳۴، کتاب الصیام، باب فی الاعتکاف، حدیث نمبر: ۲۴۶۳۔ ابن ماجہ شریف: ۱۲۶، کتاب الصیام، باب ماجاء فی الاعتکاف، حدیث نمبر: ۱۷۷۰۔

حل لغات: عَامًا: عَامَۃٌ کی جمع ہے بمعنی سال، المقبل: آنے والا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اعتکاف نہ فرما سکے

جب اگلا سال آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

تشریح: جن نفلی عبادت کی آدمی پابندی کرے وہ اگر کسی وجہ سے چھوٹ جائے تو ان کی قضا کی جا سکتی ہے۔

فلم یعتکف عاما: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف پابندی سے فرماتے تھے، ایک سال کسی عذر کی وجہ سے اعتکاف نہ فرما سکے۔

فلما کان العام المقبل الخ: یعنی جب اگلا سال آیا تو آنحضرت ﷺ نے پچھلے سال کے اعتکاف کی قضا فرماتے ہوئے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ پابندی سے کی جانے والی ہر عبادت اگر چھوٹ جائے تو ان کی قضا کی جائے۔ "دل الحدیث علی ان النوافل موقتة تقضی اذا فاتت لعوارض۔" (مرقاۃ: ۲/۵۷۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کیوں نہ اعتکاف فرما سکے اس کے بارے میں ابن ماجہ کی روایت میں یہ ہے "فسافر عاما" کہ ایک سال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان میں سفر میں تھے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ سفر فتح مکہ کا سفر تھا۔ (الدر المنضود: ۴/۲۷۰)

کیا قطع اعتکاف سے اس کی قضا لازم ہوتی ہے؟

حدیث شریف میں ایک مسئلہ ہے قضاء اعتکاف کا، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطا میں "قضاء الاعتکاف" کا ترجمہ قائم کیا ہے، ابن قدامہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ "یلزمه بالنیة مع الدخول فیه" کہ اگر اعتکاف کی نیت کرکے اس کو شروع کردے تو شروع کرنے سے واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا اس کا اتمام ضروری ہے، اور اگر قطع کیا تو قضاء لازم ہے، اور انہوں نے امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ لکھا ہے کہ ان دونوں کے نزدیک شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتا، شروع کرنے کے بعد اختیار ہے، اتمام اور ترک اتمام کا، اور حنفیہ کا مسلک ظاہر الروایۃ میں یہ ہے کہ اعتکاف نفل تو چونکہ مقدر بالزمان نہیں، اس لئے اس کی قضا لازم نہیں۔ اور عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف چونکہ

مقدر بالزمان ہے، اس لئے اس کی قضا واجب ہوگی، حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بقیہ عشرہ کی یعنی جتنے دن باقی رہ گئے ہوں اور طرفین کا مسلک یہ ہے کہ جس دن کا اعتکاف شروع کر کے قطع کیا ہے صرف اس دن کی قضاء واجب ہوگی، باقی عشرہ کی نہیں۔ (ملخصاً من الابواب والتراجم) اور وہ جو تیسری قسم ہے اعتکاف کی اس کی قضاء تو بالاتفاق واجب ہوگی۔ (الدر المنضود: ۲۷۲/۴)

اعتکاف شروع کرنے کا وقت

{۲۰۰۲} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِيْ مُعْتَكَفِهٖ۔ ﴿رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ﴾

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۳۳۴/۱، کتاب الصیام، باب فی الاعتکاف، حدیث نمبر: ۲۴۶۴۔ ابن ماجہ شریف: ۱۲۶، کتاب الصیام، باب ماجاء فیمن یبتدئ الخ، حدیث نمبر: ۱۷۷۱۔

حل لغات: اراد: اَرَادَ (افعال) ارادہ کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھتے پھر اپنے معتکف میں داخل ہو جاتے۔

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی ابتداء کس وقت سے ہوگی؟

تشریح: اس حدیث شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے وقت کی ابتداء بیان فرما رہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا فرما کر اپنے معتکف میں داخل ہوتے تھے، معتکف یعنی مسجد کا وہ خاص گوشہ جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعتکاف کے لئے تشریف فرما ہوتے تھے۔

اس حدیث شریف سے بظاہر یہ معلوم ہورہا ہے کہ عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی ابتداء اکیس تاریخ کی صبح سے ہوتی ہے، بعض علماء جیسے اوزاعیؒ، لیث بن سعدؒ کا مذہب یہی ہے، حالانکہ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کا عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا ارادہ ہو تو اس کو چاہئے کہ اکیسویں شب سے اعتکاف کی ابتداء کرے، لہٰذا بیس تاریخ کی شام کو احتیاطاً غروب شمس سے پہلے مسجد میں داخل ہو جائے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ ان کی ایک روایت ہو، ورنہ حافظ وغیرہ شراح نے ائمہ اربعہ کا اس میں کوئی اختلاف نہیں لکھا، بہر حال یہ حدیث ظاہر ائمہ اربعہ کے خلاف ہے۔

جمہور علماء نے اس حدیث شریف کی یہ تاویل کی ہے کہ مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معتکف خاص اور خلوت گاہ میں اس وقت (صبح کی نماز کے بعد) پہنچتے تھے، ابتداءِ وقت اعتکاف کو بیان کرنا مقصود نہیں، مسجد میں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شام ہی سے پہنچ جاتے تھے، مگر رات چونکہ خود زمان خلوت ہے، اس میں معتکف میں جانے کی حاجت نہ تھی، اور اس تاویل کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ اعتکاف سے جو اہم مقصود ہے یعنی لیلۃ القدر کا ادراک اور اس کا حصول یہ اکیسویں شب اس کا خاص مظنہ ہے، حتیٰ کہ امام شافعیؒ کا تو مشہور قول یہی ہے "ارجی اللیالی لیلۃ احدی وعشرین" کہ سب سے زیادہ شب قدر کی توقع اسی رات میں ہے۔

جمہور کے قول کی ایک لطیف دلیل

علامہ ابوالطیب سندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک اور معقول وجہ بیان کی وہ یہ کہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے بارے میں دو حدیثیں ہیں، دونوں بخاری کی ہیں، ایک حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ"، اس حدیث سے مدۃ اعتکاف کا دس راتیں ہونا معلوم ہو رہا ہے، کیونکہ عشر سے عشر لیالی مراد ہے جو کہ لیلۃ کی جمع ہے، اور مؤنث ہے، اور اسماء عدد کا قاعدہ یہ ہے کہ مذکر کے لئے مؤنث اور مؤنث کے

013 Babul eatikaf

لئے مذکر استعمال ہوتے ہیں۔ (حدیث شریف میں العشر بغیر تاء تانیث کے ہے، لہٰذا عشر سے لیالی عشرہ مراد ہوا) اور دوسری حدیث شریف ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ عَشْرَةَ اَيَّامٍ" دونوں حدیثوں کو جمع کرنے سے ثابت ہورہا ہے کہ عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں لیالی اور ایام کی تعداد برابر ہونی چاہئے، دونوں کی دس ہو یا نو، اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اکیسویں شب کو اعتکاف میں شامل کیا جائے ورنہ ایک صورت میں ایام کی تعداد نو اور لیالی کی آٹھ رہ جائے گی، اور جس صورت میں ایام کی تعداد دس ہوگی اس صورت میں راتیں نو رہ جائیں گی۔

اور بعض علماء نے حدیث الباب کی یہ توجیہ کی ہے کہ "صلی الفجر" میں فجر سے فجر عشرین مراد ہے، یعنی بیس تاریخ کی صبح گویا ایک دن پیشگی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ جاتے تھے، اختار هذا التوجيه القاضي ابو يعلى من الحنابلة كما في المنهل۔ (الدر المنضود: ۲۷۰/۴)

حالت اعتکاف میں عیادت کرنا

{۲۰۰۳} وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَيَمُرُّ كَمَا هُوَفَلَا يُعَرِّجُ يَسَاَلُ عَنْهُ۔ ﴿رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ﴾

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۳۳۵/۱، کتاب الصیام باب المعتکف یعود مریضا، حدیث نمبر: ۲۴۷۲۔ ابن ماجہ شریف: ۱۲۷، کتاب الصیام، باب فی المعتکف یعود مریضا الخ، حدیث نمبر: ۱۷۷۶۔

حل لغات: فیمر: مَرَّ (ن) مَرًّا گذرنا فلا یعرج: عَرَّجَ (تفعیل) ٹھہرنا۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں گزرتے ہوئے مریض کی عیادت کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرتے نہیں تھے، بس اس سے پوچھ لیتے تھے۔

تشریح: معتکف جب اپنی ضرورت سے نکلے اور راستے میں کوئی مریض مل جائے تو چلتے ہوئے اس مریض کی عیادت کی جاسکتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اعتکاف مسنون میں نماز جنازہ یا عیادت مریض کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر کسی اور ضرورت مبیحہ للخروج کی وجہ سے نکلا ہو اور راستہ میں چلتے چلتے کسی کا حال پوچھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس حدیث شریف میں بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہی فرمارہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعتکاف کے دوران مریض کی بیمار پرسی کرلیا کرتے تھے، لیکن اس حالت میں کہ چلتے رہتے تھے اور بیمار پرسی کے لئے ٹھہرتے نہیں تھے، جن احادیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حالت اعتکاف میں عیادت کرنا یا نماز جنازہ میں شرکت فرمانا آرہا ہے ان کی ایک توجیہ امام ابو یوسفؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ احادیث اعتکاف تطوع پر محمول ہیں۔ (بذل: ۱۹۰/ ۴، طیبی: ۲۵۶/ ۴)

اعتکاف کی حالت میں ان کاموں سے بچے

{۲۰۰۴} **وَعَنْهَا** قَالَتْ السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَّلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَّلَا يَمَسَّ الْمَرْاَةَ وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ۔ ﴿رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ﴾

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/ ۳۳۵، کتاب الصیام، باب المعتکف یعود المریض، حدیث نمبر: ۲۴۷۳۔

حل لغات: لایعود: عَادَ (ن) عَوْدًا وَعِيَادَةً مزاج پرسی کرنا، یمس: مَسَّ (س ن) مَسًّا چھونا، ولایخرج: خَرَجَ (ن) خُرُوْجًا نکلنا، لحاجۃ: ضرورت جمع حَاجَات۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے معتکف کو چاہئے کہ مریض کی عیادت نہ کرے، جنازے میں شریک نہ ہو، عورت کو نہ چھوئے، نہ صحبت کرے، کسی ضرورت سے نہ نکلے، الا یہ کہ جو اس کے لئے ضروری

ہو، روزے کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا اور اعتکاف جامع مسجد میں صحیح ہوتا ہے۔

تشریح: اعتکاف منذور کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ اس کے لئے روزہ شرط ہے، امام احمدؒ، امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کی ایک روایت اسی طرح ہے، ان کی دوسری روایت یہ ہے کہ اعتکاف منذور کیلئے بھی روزہ شرط نہیں۔ (معارف السنن: ۵/۵۱۵)

نفل اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے یا نہیں؟

اس میں حنفیہ کی روایتیں دونوں طرح کی ہیں، محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح اس کو دی ہے کہ نفل اعتکاف کے لئے بھی روزہ شرط ہے۔ (معارف السنن: ۵/۵۱۴)

لیکن دوسرے بہت سے فقہاء نے ظاہر الروایہ اس کو قرار دیا ہے کہ نفل اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں۔ (البحر الرائق: ۲/۳۰۰)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ اختلاف دوسرے اختلاف پر مبنی ہے کہ آیا نفل اعتکاف پورے ایک دن کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ تقدیر الاعتکاف بیوم والی روایت کے مطابق روزہ شرط ہوگا، اور عدم تقدیر والی روایت کے مطابق روزہ شرط نہیں ہوگا۔ (شامی: ۲/۱۴۱)

اعتکاف مسنون چونکہ عام طور پر روزہ کے ساتھ ہی ہوتا ہے، بغیر روزہ کے اس کا وجود بہت کم ہے، اسلئے کتب مذہب میں اس سے تعرض کم کیا گیا ہے، لیکن علامہ شامیؒ کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مسنون کیلئے بھی روزہ شرط ہے۔ (البحر الرائق مع منحۃ الخالق: ۲/۳۰۰)

تو حنفیہ کے نزدیک دو قسم کے اعتکافوں کے لئے روزہ شرط ہوا، زیر بحث حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں ہے: "لا اعتکاف الا بصوم" یہ بھی اعتکاف نذر اور اعتکاف مسنون پر محمول ہوگی۔

ولا اعتکاف الا فی مسجد جامع: اس بات پر ائمہ اربعہ کا تقریباً اتفاق ہے کہ مرد کے اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے، اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اعتکاف غیر نفل کے لئے کس قسم کی مسجد شرط ہے، اس میں امام صاحب کے نزدیک مسجد جماعت ہونا شرط ہے، یعنی ایسی مسجد ہو جس میں

013 Babul eatikaf

پانچ وقت کی نماز ادا کی جاتی ہو، جمہور کے نزدیک ہر قسم کی مسجد میں اعتکاف جائز ہے، خواہ اس میں پانچ وقت کی نماز ہوتی ہو یا نہ؟ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس پر جمعہ واجب ہو اس کے لئے ایسی مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے جس میں جمعہ ہوتا ہو، کیونکہ ان کے نزدیک خروج للجمعۃ سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔ (بذل: ۱۹۱/ ۴، طیبی: ۲۵۸/ ۴، التعلیق: ۴۱۶/ ۲)

الفصل الثالث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معتکف

{۲۰۰۵} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا اعْتَكَفَ طُرِحَ لَهٗ فِرَاشُهٗ اَوْ يُوْضَعُ لَهٗ سَرِيْرُهٗ وَرَآءَ اُسْطُوَانَةِ التَّوْبَةِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۱۲۷، کتاب الصیام، باب فی المعتکف یلزم مکانا الخ، حدیث نمبر: ۱۷۷۴۔

حل لغات: طرح: طَرَحَ (ف) طَرحًا ڈالنا، یوضع: وَضَعَ (ض) وَضعًا رکھنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے تو ستون توبہ کے پاس آپ کا بستر بچھا دیا جاتا یا آپ کی چارپائی رکھ دی جاتی۔

تشریح: اعتکاف کرنے والے کو چاہئے کہ اوڑھنے بچھانے کا ضروری سامان لے کر مسجد جائے تاکہ مسجد کے سامان استعمال کرنے کی نوبت نہ آئے، نیز موقع ہو تو مسجد کے ایک گوشے میں اپنی جگہ بنالے تاکہ عبادت کرنے میں یکسوئی حاصل ہو سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتکف کے محل کی تعیین

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

بچھونا بچھا دیا جاتا تھا، یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چارپائی بچھادی جاتی اسطوانہ توبہ کے پیچھے۔ اور بیہقی کی روایت میں ہے بجائے "وراء اسطوانة التوبه" کے "الی اسطوانة التوبة مما یلی القبلة یستند الیها" یعنی اسطوانہ توبہ سے ملا کر قبلہ کی جانب تاکہ اس پر ٹیک لگا سکیں (روبقبلہ ہوتے ہوئے) (من البذل)

مسجد نبوی شریف میں بعض اسطوانات ناموں کی تعیین کے ساتھ کتب تاریخ میں اور لوگوں کے درمیان مشہور ہیں، ان اسطوانات کی جو صف اول ہے، محراب نبوی سے متصل پہلے وہاں محراب کی بائیں جانب جو اسطوانہ ہے وہ اسطوانۂ عائشہ کے نام کے ساتھ موسوم ہے، اس کے بعد بجانب روضہ جو اسطوانہ ہے اس کا نام اسطوانۂ توبہ ہے، (اس کو اسطوانۂ توبہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ غزوۂ بنوقریظہ میں یہود جب قلعہ میں محصور ہوگئے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کے قتل کا فیصلہ فرمادیا، جس کا قصہ حدیث کی کتابوں میں مشہور ہے تو اس موقع پر حضرت ابولبابہ ابن المنذر رضی اللہ عنہ نے یہود کی طرف اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر فیصلہ کی طرف اشارہ کردیا، یعنی قتل کا فیصلہ ہوا ہے، پھر فوراً ان کو تنبہ ہوا کہ یہ تو ایک طرح کی خیانت ہوئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے میں نے پیش قدمی کردی، اور خلاف مصلحت ایک کام ہوا، تو انہوں نے وہاں سے واپس آکر از خود مسجد نبوی میں اپنے کو اس ستون سے باندھ لیا، چودہ روز کے بعد جب ان کی توبہ نازل ہوئی تب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو کھولا، یہ ہے اس کی وجہ تسمیہ۔)

اس پر اسطوانہ ابی لبابہ اور اسطوانہ توبہ لکھا ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس معتکف کے محل کی تعیین سے معلوم ہوا کہ یہ اسطوانہ حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت قریب تھا، بظاہر اسی بنا پر مسجد کے اس گوشہ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعتکاف کے لئے منتخب فرمایا تاکہ بوقت ضرورت حجرہ میں جانے آنے میں سہولت رہے۔ چنانچہ پیچھے روایت گذر چکی جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمارہی ہیں کہ "یدنی الی رأسه فارجله" کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معتکف میں بیٹھے بیٹھے اپنے سر مبارک کو میرے قریب کردیتے تھے، پس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے سر کے بالوں میں کنگھی کر دیا کرتی تھی۔ (الدر المنضود مع ہامشہ: ٢٧٣/٤)

اعتکاف کہاں کہاں اور کس مسجد میں درست ہے؟

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اعتکاف کسی کا بھی خواہ وہ مرد ہو یا عورت غیر مسجد میں درست نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور اصحاب رضی اللہ عنہم نے جب بھی اعتکاف کیا مسجد ہی میں کیا، پس اگر اعتکاف فی البیت جائز ہوتا تو اس کو کم از کم ایک مرتبہ کرتے، خصوصاً عورتوں کا مسئلہ چنانچہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک یہی ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کا اعتکاف مسجد بیت میں صحیح ہے، وہ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی طرح امام شافعیؒ کا بھی قول قدیم ہے، جو اصحاب شافعیؒ کے نزدیک ضعیف ہے، اور اس میں ایک تیسرا مذہب ہے جس کو بعض اصحاب مالک اور بعض اصحاب شوافع نے اختیار کیا کہ مرد ہو یا عورت دونوں کا اعتکاف مسجد بیت میں درست ہے، پھر جمہور علماء جو مسجد عام (یعنی مسجد شرعی) کے اشتراط کے قائل ہیں ان میں سے امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک اعتکاف ہر مسجد میں صحیح ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف مسجد جماعت میں، اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک اعتکاف خاص ہے، مسجد جامع کے ساتھ، یعنی جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو، اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ مشہور صحابی سے منقول ہے کہ اعتکاف کا اختصاص مساجد ثلاثہ کے ساتھ المسجد الحرام ومسجد المدینہ والمسجد الاقصیٰ۔ (الدر المنضود: ٢٧٤/٤)

اعتکاف کے دو مخصوص فائدے

{٢٠٠٦} وَعَن ابْنِ عَبَاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ

وَيُجْرٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔ ﴿رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ﴾

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۱۲۷، کتاب الصیام، باب فی ثواب الاعتکاف، حدیث نمبر: ۱۷۸۱۔

حل لغات: الذنوب: جمع ہے ذنب بمعنی گناہ، یجری: جری (ض) جاری جاری ہونا، الحسنات جمع ہے حسنة کی بمعنی نیکی۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے حق میں فرمایا وہ گناہوں سے رکا رہتا ہے اور اس کے لئے نیکیاں جاری رہتی ہیں جیسے ان تمام نیکیوں کے کرنے والے کے لئے۔

تشریح: یہ معتکف کی ایک بہت اہم خصوصیت ہے کہ وہ چوبیس گھنٹہ گناہوں سے بچنے کے ساتھ ساتھ چوبیس گھنٹے اس کے اعمال نامہ میں نیکیاں درج ہوتی ہی رہتی ہیں۔

قال في المعتكف الخ: یعنی اعتکاف کرنے والے کے حق میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ وہ حالت اعتکاف میں کوئی گناہ نہیں کرتا ہے، اور رات دن اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوتی رہتی ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۵۷۲)

یعنی اعتکاف کی وجہ سے جو نیکیاں نہیں کرسکتا جیسے: مریض کی عیادت کرنا، جنازہ میں شریک ہونا اور نماز جنازہ پڑھنا وغیرہ اس کا ثواب بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ (طیبی: ۴/۲۵۹)

کتاب فضائل القرآن

(قرآن کے فضائل کا بیان)

رقمِ الحدیث: ۲۰۰۷/تا ۲۰۸۲/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

کتاب فضائل القرآن

(قرآن کے فضائل کا بیان)

قرآن کریم کلام الٰہی ہے، اس کے فضائل ومناقب نصوص سے ثابت ہیں، بہ شمول چاروں کتابوں کے آسمان سے ایک سو چودہ صحیفے نازل ہوئے ہیں، ان میں صرف اور صرف قرآن کریم کو کلام الٰہی ہونے کا شرف حاصل ہے، اس کے علاوہ جتنی کتابیں ہیں وہ آسمانی کتاب یا صحیفے ضرور ہیں لیکن کلام الٰہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ جس طرح سے ذاتِ خدا قدیم اور حدوث سے پاک ہے اور پوری کائنات کا مسلم نظریہ ہے اسی طرح قرآن کریم کلام الٰہی ہونے کی بنیاد پر ہر طرح کی کمی بیشی، حذف واضافہ اور شک وشبہ سے پاک ہے اور پوری کائنات کا مسلم نظریہ ہے کہ قرآن کریم اول دن جس طرح سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا آج بھی اسی طرح سے محفوظ ہے اور تا قیامت محفوظ رہے گا، پوری کی پوری مخلوقات چاہ کر بھی اس میں شکوک وشبہات پیدا نہیں کر سکتی، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ خود خدا نے اپنے کلام (قرآن کریم) کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ عظیم ہستیاں جب کسی چیز کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہیں تو وہ اشیاء عظیم ہی ہوا کرتی ہیں، اس لئے جب ذات باری تعالیٰ نے خود اپنے کلام (قرآن کریم) کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے تو یہ کتاب عظیم الشان کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ لازوال بھی ہے اور اس کے فضائل ومناقب بے پناہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کے فضائل ومناقب بے انتہا ہیں۔

قرآن مجید کی عظمت و بزرگی اور اس کی فضیلت و رفعت کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ وہ خداوند عالم مالک ارض وسماء اور خالق لوح وقلم کا کلام ہے، جو کاروان انسانیت کے سب سے آخری اور سب سے عظیم راہنما رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، جو ظلم و جہل کی تاریکیوں میں مینارہ نور، کفر و شرک کے تابوت کی آخری کیل ہے جو ابدی نجات اور سرفرازی تک پہنچانے کے لئے حبل متین ہے۔ اور پوری انسانی برادری کے لئے خدا کی طرف سے اتارا ہوا سب سے آخری اور سب سے جامع قانون ہے۔

قرآن پڑھنا بندے کو خدا کا قرب بخشتا ہے، قلب کو عرفان الٰہی اور ذکر اللہ کے نور سے روشن کرتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق پیدا ہوتا ہے، کیونکہ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جب کوئی شخص کسی مصنف کی کتاب قدر اور توجہ سے پڑھتا ہے تو مصنف کا دل سرور سے بھر جاتا ہے، اور اس شخص سے ایک خاص تعلق اور لگاؤ پیدا ہوتا ہے، ایسا تعلق اور لگاؤ جو بہت سے قریبی عزیزوں، دوستوں سے بھی نہیں ہوتا، تو جب اللہ رب العزت اپنے کسی بندے کو اپنے کلام پاک کی تلاوت کرتے سنتا اور دیکھتا ہوگا تو اس بندے پر اس کو کیسا پیار آتا ہوگا۔ (مظاہر حق: ۲۸۶/ ۲، کتاب فضائل القرآن، نفحات التنقیح: ۲۰۹/ ۳)

لفظ قرآن کی تحقیق

لفظ قرآن کی تحقیق میں اختلاف ہے:

امام شافعیؒ سے یہ مروی ہے کہ قرآن کلام اللہ کا اسم علم ہے، نہ کسی چیز سے مشتق ہے اور نہ مہموز۔

امام اشعریؒ کی رائے یہ ہے کہ "قَرَنْتُ الشَّيْئَ بِالشَّيْئِ" سے مشتق ہے، چونکہ قرآن کی آیات اور حروف بھی آپس میں ملے ہوئے ہیں، اس لئے قرآن کہا گیا، اس قول کے مطابق لفظ قرآن غیر مہموز ہوگا اور اس کا نون اصلی ہوگا۔

اور زجاجؒ کے نزدیک "قرء" سے مشتق ہے، جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں، اور یہ فعلان کے وزن پر ہے، اس لئے کہ قرآن کریم نے سورتوں کو جمع کیا ہے، البتہ ہمزہ تخفیفاً کبھی ترک کیا جاتا ہے، اور

اس کی حرکت ماقبل کو دی جاتی ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری قول کو راجح قرار دیا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیات بھی اسی پر دال ہیں۔ جیسے: "اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ" وغیرہ۔ (روح المعانی: ۱/۸، الفائدۃ الثالثۃ، نفحات التنقیح: ۳/۲۰۹)

اور ایک قول یہ ہے کہ اصل میں "قُرْآنٌ" مصدر ہے "قَرَأَ يَقْرَأُ" سے۔ جس کے معنی ہیں پڑھنا۔

قرآن کریم کا بعض بعض سے افضل ہے

اس بات میں اختلاف ہے کہ قرآن کریم کا بعض حصہ بعض سے افضل ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام ابوالحسن اشعریؒ، قاضی ابوبکر باقلانی، ابن حبانؒ اور ایک روایت میں امام مالکؒ نے افضلیت کا انکار کیا ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ پورا کلام اللہ ہے، اور اگر بعض بعض سے افضل ہو جائے تو اس سے مفضل علیہ کے ناقص ہونے کا ایہام ہوتا ہے، حالانکہ کلام اللہ ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔

جب کہ جمہور کے نزدیک قرآن کے بعض حصے کو بعض پر فضیلت حاصل ہے، چنانچہ ظواہر نصوص اسی پر دال ہیں، اور صحیح وصریح احادیث کے مقابلے میں قیاس معتبر نہیں، نیز حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی تو بعض بعض سے افضل ہیں: "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ۔ الآیۃ" [یہ پیغمبر جو ہم نے (مخلوق کی اصلاح کیلئے) بھیجے ہیں ان کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔ (آسان ترجمہ) جب کہ اس افضلیت سے شان رسالت میں کوئی نقص نہیں آتا، لہٰذا یہاں بھی بعض کے بعض سے افضل ہونے سے نقص لازم نہیں آئے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر تم اپنے نور بصیرت سے آیۃ الکرسی اور آیۃ المداینہ میں اور سورۂ اخلاص اور سورۂ تبت کے درمیان فرق نہیں کر سکتے تو صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کرو، جن پر قرآن نازل ہوا ہے اور انہوں نے فرمایا: "یٰس قلب القرآن، وفاتحۃ الکتاب

أفضل سور القرآن، وآیۃ الکرسی سیدۃ آی القرآن، وقل ھو اللہ احد تعدل ثلث القرآن۔" (تفصیل کیلئے دیکھئے التعلیق الصبیح: ۳۰۲/۳، نفحات التنقیح: ۲۱۰/۳-۲۰۹)

پھر قائلین جواز کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ فضیلت کس لحاظ سے ہے؟ بعض کہتے ہیں: کہ اس کا تعلق الفاظ ومعانی سے نہیں بلکہ کثرت اجر وثواب سے ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بات نہیں بلکہ اسی اعتبار سے ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات پر جو دلالت آیۃ الکرسی اور آخر سورۂ حشر "وھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمن الرحیم۔ الآیۃ" اور سورۂ اخلاص میں پائی جاتی ہے وہ سورۂ تبت میں ظاہر ہے کہ نہیں ہے۔

اور امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "انہ لا یتنوع فی ذاتہ بل بحسب متعلقاتہ" بندے کے ذہن میں بھی پہلے سے یہی بات آتی تھی، اور میرے خیال میں اس کی تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ بعض قرآن کو بعض پر فوقیت فی حد ذاتہ اور کلام باری ہونے کے لحاظ سے تو ہے نہیں، اس حیثیت سے تو سب برابر ہے، البتہ سورتوں کے آثار اور خواص اور بندوں کی حاجات کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فوقیت ہو سکتی ہے، مثلاً تعوذ (جھاڑ پھونک) کے لحاظ سے معوذتین سے بڑھ کر کوئی سورت نہیں، ایسے ہی باری تعالیٰ کی صفات وکمالات اور وحدانیت جس کی معرفت کے ہم لوگ محتاج ہیں، ایسی احتیاج واقعۂ ابولہب کی معرفت کی طرف نہیں ہے، پس یہ بعض سورتوں کی بعض پر فضیلت مضامین کے تنوع کے ساتھ بندوں کی احتیاج کے لحاظ سے ہے، نہ کہ اداء معانی اور الفاظ وتعبیر کے لحاظ سے، کیونکہ اس میں یہ سب سورتیں برابر ہیں، چنانچہ "تبت یدا ابی لھب" کے اندر جو مضمون بیان کیا گیا ہے، یعنی دعاء بالخسران اس کے لئے اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی جو اس سورۃ میں موجود ہے، ایسے ہی بیانِ وحدانیت کے لئے جو طرز تعبیر واسلوب سورۂ اخلاص میں استعمال کیا گیا ہے، اس سے بہتر کوئی دوسری تعبیر نہیں ہو سکتی۔

(القسطلانی: ۴۴۳/۷، مرقاۃ: ۳۲۲/۴، الدر المنضود: ۲۰۱/۲)

قرآن پاک کی تلاوت

قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس لئے اتارا ہے کہ بندے اس کو پڑھیں۔ اس کے معانی میں غور کریں۔ اس کے احکام پر عمل کریں۔ ان میں مذکور قصص سے سبق وعبرت حاصل کریں اور اپنے دین و دنیا کے امور میں اس سے ہدایت ورہنمائی حاصل کریں۔

بلاشبہ قرآن کا پڑھنا، قرآن کی تلاوت کرنا ایسا عمل ہے جو دین وآخرت سے نہایت قریب کی وابستگی پیدا کرتا ہے۔ دنیاوی زندگی میں صلاح وتقویٰ اور خیر وفلاح کے راستے دکھاتا ہے۔ اور اگر یہ عمل کثرت کے ساتھ ہو اور خوب ہو تو احکام الٰہی اچھی طرح یاد اور مستحضر ہوتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ تلاوت کلام کو جزوِ زندگی بنانا چاہئے اور ہر تلاوت کے وقت مطمح نظر یہ ہونا چاہئے کہ قرآن کے پڑھنے کا اصل مقصد کلام الٰہی میں غور وفکر کرنا۔ دین وآخرت کے حقائق کو جاننا، سمجھنا، احکام الٰہی کو یاد کرنا تاکہ ان پر عمل کیا جائے اور سبق وعبرت حاصل کرنا ہے۔ نہ کہ محض حروف وآواز کو آراستہ کرنا اور رسم تلاوت کو پورا کرنا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور عمل اس پر نہ کرے تو قرآن اس کا دشمن ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے: "رب تال القرآن والقرآن یلعنہ" [یعنی بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔]

مطلب یہ کہ تلاوت میں اصل محض الفاظ قرآن کا پڑھنا نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا ہے۔ اور جو شخص قرآن پڑھتا تو ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا وہ گویا قرآن کی اہانت کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن پڑھنا اور اس پر عمل نہ کرنا اس کے حق میں آخرت کے نقصان وخسران کی دلیل ہوگا۔

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ تفکر وتذکر اور فہم معانی اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ آہستگی، وقار، ترتیل اور حضور دل کے ساتھ قرآن کریم پڑھا جائے۔ اسی لئے قرآن کریم کی تجوید لازم ہے۔ شعر:

والأخـــذ بالتجویـــد حتـــم لازم

مـــن لـــم یجـــود القـــرآن آثـــم (شاطبی)

[تجوید کو اختیار کرنا حتمی اور لازم ہے، جو شخص قرآن پاک کو تجوید سے نہ پڑھے گنہگار ہے۔]

اور قرآن کا کم پڑھنا مشروع ہوا ہے۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ قرآن کے حق کی ادائیگی کے لئے یہ کافی ہے کہ چالیس دن میں ایک قرآن ختم کیا جائے۔ بلکہ ایک سال میں قرآن ختم کرنا بھی کافی ہے۔ نیز عبادت (مثلاً تراویح وغیرہ) میں بھی ایک قرآن کم سے کم سات دن میں ختم کرنا چاہئے اور جس قدر اس سے زیادہ عرصہ میں ختم کرے افضل ہے۔

جو شخص عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے قرآن کے معانی نہ جانتا ہو اس کو بھی چاہئے کہ وہ حضور دل کے ساتھ قرآن کی تلاوت شروع کرے اور اپنے ذہن میں یہ خیال جمائے کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے وہ احکام ہیں جو دنیا والوں پر نازل فرمائے ہیں۔ نیز وہ اس عاجزی اور فروتنی کے ساتھ بیٹھ کر تلاوت کرے کہ گویا وہ قرآن پڑھ نہیں رہا ہے بلکہ احکم الحاکمین کا کلام براہ راست سن رہا ہے۔ (مظاہر حق: ص ۲/ ج ۳)

آدابِ تلاوت

قرآن کریم اللہ رب العزت کا براہ راست کلام اور بارگاہ الوہیت سے اترے ہوئے الفاظ کا مجموعہ ہے۔ اس کلام کی نسبت جس ذات کی طرف ہے وہ حاکموں کا حاکم، بادشاہوں کا بادشاہ اور پوری کائنات کا بلا شرکت غیر مالک ہے۔ لہٰذا اس کی تلاوت کے وقت وہی آداب ملحوظ ہونے چاہئے۔ جو اس کلام اور صاحب کلام کی عظمت شان کے مطابق ہو۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس موقع پر ''آداب تلاوت'' کا ذکر وضاحت سے بیان کر دیا جائے۔

سب سے پہلے مسواک کے ساتھ وضو کیجئے۔ اس کے بعد کسی اچھی جگہ متواضع اور روبقبلہ بیٹھئے، اپنے آپ کو کمتر و ذلیل اور عاجز جان کر اور قلب و دماغ کے حضور کے ساتھ بیٹھئے کہ گویا اللہ رب العزت

کے سامنے بیٹھ کر عرض و نیاز اور التجا کر رہے ہیں۔ پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر تلاوت کیجئے۔ دل میں یہ تصور جمائیے کہ میں خدا کا کلام بغیر کسی واسطہ کے سن رہا ہوں۔ قران کی آیتوں کو آہستہ آہستہ تدبر، تفکر اور ترتیل کے ساتھ پڑھئے۔ جہاں بندوں کے حق میں وعدہ ورحمت کی آیت آئے خوشدلی مسرت اور انبساط کے ساتھ دعا مانگئے اور اپنے لئے اللہ رب العزت سے مغفرت ورحمت طلب کیجئے۔ جہاں وعید وعذاب کے متعلق آیت آئے خدا سے پناہ مانگئے۔ جب اللہ رب العزت کی تنزیہہ اور تقدیس پر مشتمل آیت آئے تو تسبیح کیجئے۔ یعنی جس آیت میں اللہ تعالیٰ کی پاکی اور اس کی بڑائی و بزرگی کا بیان ہو اسے پڑھ کر سبحان اللہ کہئے۔ تلاوت کے درمیان الحاح وزاری اختیار کیجئے اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنالیجئے۔ حاصل یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن گویا بارگاہ الوہیت میں حاضری کا وقت ہے۔ اس لئے اس موقع پر اللہ رب العزت کی عظمت ورفعت کے احساس سے اپنے اوپر مکمل عاجزی، ذلت اور فروتنی طاری کیجئے۔ اس بات کی کوشش نہ کیجئے کہ قران جلد ختم ہو اور اس کی وجہ سے تیز پڑھنا شروع کر دیا جائے۔ کیونکہ غور وفکر کے ساتھ کم پڑھنا آدابِ تلاوت کا لحاظ کئے بغیر زیادہ پڑھنے سے بہتر ہے۔ پھر یہ کہ زیادہ پڑھنے سے ختم شماری کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ امر ممنوع ہے۔ لہٰذا آج کل جو یہ رسم چل گئی ہے کہ لوگ پورا قرآن ایک دن میں ختم کرنے یا زیادہ تیز تیز پڑھنے کو فخر یا کمال کی بات سمجھتے ہیں، یہ نہایت بری اور غفلت ونادانی کی بات ہے۔

بعض بزرگوں سے جو زیادہ پڑھنا ثابت ہے تو وہ ان کی کرامت ہے اس بارہ میں ان کی پیروی نہ کیجئے۔ حاصل یہ کہ تدبر، ذوق، حضورِ قلب اور آدابِ تلاوت کی رعایت کے ساتھ جس قدر بھی تلاوت کر پائیں اس کو غنیمت سمجھئے۔

جس مجلس میں لوگ کسی دوسرے کام میں مشغول ہوں یا شور وغوغا ہو وہاں تلاوت نہ کیجئے۔ ہاں اگر تلاوت ضروری ہی ہو اور کوئی دوسری جگہ میسر نہ ہو تو تلاوت کیجئے۔ مگر آہستہ آواز کے ساتھ، البتہ اگر لوگ تلاوت سننے کے مشتاق ہوں اور خاموش و پرسکون ہوں تو بآواز بلند تلاوت افضل ہوگی۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تلاوت سننے والا اور تلاوت کرنے والا دونوں اجر وثواب

میں یکساں شریک ہیں۔اسی طرح مصحف (قرآن) میں دیکھ کر پڑھنا بغیر دیکھے پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ اس طرح آنکھیں اور دوسرے اعصاب بھی عبادت میں شریک ہوتے ہیں اور حضور قلب بھی زیادہ میسر ہوتا ہے۔

قرآن کریم کو رحل یا کسی دوسری بلند چیز (مثلاً تکیہ) پر رکھئے تاکہ قرآن کی تعظیم وتکریم آشکارا ہو۔تلاوت کے دوران دنیوی کلام وگفتگو،کھانے پینے اور دوسرے سب کاموں سے باز رہئے۔اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو قرآن کو بند کر کے کلام وگفتگو کیجئے۔اس کے بعد پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر تلاوت شروع کیجئے۔غلط پڑھنے سے احتراز کیجئے۔ترتیل وتجوید کے ساتھ بے تکلف اور بے ساختہ پڑھئے۔غلط طریقہ سے آواز ولہجہ بنانے کی ضرورت نہیں۔تلاوت کے وقت کسی کی تعظیم نہ کیجئے۔ہاں عالم باعمل،استاد یا والدین کے لئے کھڑے ہوجانا اور ان کی تعظیم جائز ہے۔جب قرآن ختم ہونے کو ہو تو اپنے عزیز واقارب اور محبین ومتعلقین کو جمع کیجئے۔ان کی مجلس میں قرآن ختم کیجئے۔اور ان سب کو دعا میں شامل کیجئے۔کیونکہ وہ قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے۔قرآن ختم کرنے کے بعد پھر سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ "مفلحون" تک پڑھ کر قرآن بند کیجئے۔کیونکہ یہ افضل ہے۔

تکیہ لگا کر یا لیٹ کر قرآن پڑھنا اگرچہ جائز ہے لیکن افضل یہی ہے کہ مودب بیٹھ کر پڑھا جائے۔ اسی طرح راستہ چلتے قرآن پڑھنا جائز ہے۔اگر جنگل ہو تو بآواز بلند پڑھا جائے ورنہ بصورت دیگر بہ آواز آہستہ،نجس اور مکروہ جگہوں مثلاً حمام اور کمیلے وغیرہ میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔

قرآن کی تقطیع بہت چھوٹی نہ رکھی جائے اور نہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے متفرق کیا جائے تاکہ اس کے احترام وعظمت میں کمی واقع نہ ہو ہاں ضرورت کے تحت مثلاً بچوں کے پڑھنے کے لئے یا کسی مناسب آسانی وسہولت کے پیش نظر پارہ پارہ یا ہفت سورہ وغیرہ کی شکل میں کرنا جائز ہے۔

قرآن کی اتنی آیتوں کا یاد کرنا کہ جن سے نماز ہوجائے ہر مسلمان پر عین فرض ہے اور پورا قرآن شریف یاد کرنا فرض کفایہ ہے کہ اگر ایک شخص حفظ کرلے تو سب کے ذمہ سے فرض ساقط ہوجاتا ہے۔فقہاء لکھتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ اور کوئی ایک سورۃ یاد کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور باقی قرآن کا یاد کرنا اور اس کے

احکام کو جاننا اور سیکھنا نفل نماز سے اولیٰ ہے۔

مقصود سے قبل معلوم ہوتا ہے کہ کلام مجید پڑھنے کے کچھ آداب بھی لکھ دئے جائیں کہ: ع

بے ادب محروم گشت از فضل رب

[بے ادب اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔]

مختصر طور پر آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ کلام اللہ شریف معبود کا کلام ہے، محبوب ومطلوب کے فرمودہ الفاظ ہیں۔

جن لوگوں کا محبت سے کچھ واسطہ پڑا ہے، وہ جانتے ہیں کہ معشوق کے خط کی محبوب کی تقریر وتحریر کی کسی دل کھوئے ہوئے کے یہاں کیا وقعت ہوتی ہے، اس کے ساتھ جو شیفتگی وفریفتگی کا معاملہ ہونا چاہئے اور ہوتا ہے وہ قواعد وضوابط سے بالا تر ہے۔ ع

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

اس وقت اگر جمالِ حقیقی اور انعاماتِ غیر متناہی کا تصور ہو تو محبت موجزن ہوگی، اس کے ساتھ ہی وہ احکم الحاکمین کا کلام ہے۔ سلطان السلاطین کا فرمان ہے۔ اس سطوت وجبروت والے بادشاہ کا قانون ہے کہ جس کی ہمسری نہ کبھی بڑے سے بڑے سے ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے۔ جن لوگوں کو سلاطین کے دربار سے کچھ واسطہ پڑ چکا ہے، وہ تجربہ سے اور جن کو سابقہ نہیں پڑا وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سلطانی فرمان کی ہیبت قلوب پر کیا ہوسکتی ہے۔ کلامِ الٰہی محبوب وحاکم کا کلام ہے، اس لئے دونوں آداب کا مجموعہ اس کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جب کلام پاک پڑھنے کے لئے کھولا کرتے تھے بے ہوش ہوکر گر جاتے تھے اور زبان پر جاری ہو جاتا تھا: "هذا كلام ربي، هذا كلام ربي" [یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے۔] یہ ان آداب کا اجمال ہے اور ان تفصیلات کا اختصار ہے، جو مشائخ نے آدابِ تلاوت میں لکھے ہیں، جن کی کسی قدر توضیح بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جن کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ بندہ نوکر بن کر نہیں، چاکر بن کر

نہیں بلکہ بندہ بن کر آقا و مالک، محسن و منعم کا کلام پڑھے۔ صوفیا نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے کو قراءت کے آداب سے قاصر سمجھتا رہے گا، وہ قرب کے مراتب میں ترقی کرتا رہے گا اور جو اپنے کو رضا و عجب کی نگاہ سے دیکھے گا وہ ترقی سے دور ہوگا۔

آدابِ تلاوت

مسواک اور وضو کے بعد کسی یکسوئی کی جگہ میں نہایت وقار اور تواضع کے ساتھ روبقبلہ بیٹھے اور نہایت ہی حضورِ قلب اور خشوع کے ساتھ اس لطف سے جو اس وقت کے مناسب ہے، اس طرح پڑھے کہ گویا خود حق سبحانہ وعزّ اسمہ کو کلام پاک سنا رہا ہے۔ اگر وہ معنیٰ سمجھتا ہے تو تدبر اور تفکر کے ساتھ آیاتِ وعد ورحمت پر دعائے مغفرت ورحمت مانگے اور آیاتِ عذاب ووعید پر اللہ سے پناہ چاہے کہ اس کے سوا کوئی بھی چارہ ساز نہیں، آیاتِ تنزیہ وتقدیس پر سبحان اللہ کہے اور از خود تلاوت میں رونا نہ آوے تو بتکلف رونے کی سعی کرے۔

وألذ حالات الغرام لمغرم

شکواہ الھوی بالمدمع المھراق

ترجمہ: کسی عاشق کے لئے سب سے زیادہ لذت کی حالت یہ ہے کہ محبوب سے اس کا گلہ ہو رہا ہو اس طرح کہ آنکھوں سے بارش ہو۔

پس اگر یاد کرنا مقصود نہ ہو، تو پڑھنے میں جلدی نہ کرے۔ کلام پاک کو رحل یہ تکیہ یا کسی اونچی جگہ پر رکھے۔ تلاوت کے درمیان میں کسی سے کلام نہ کرے، اگر کوئی ضرورت پیش ہی آجاوے تو کلام پاک کو بند کر کے بات کرے اور پھر اس کے بعد "اعوذ باللہ" پڑھ کر دوبارہ شروع کرے۔ اگر مجمع میں لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھنا افضل ہے ورنہ آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے۔ مشائخ نے تلاوت کے چھ آداب ظاہری اور چھ باطنی ارشاد فرمائے ہیں۔

ظاہری آداب

اول: غایتِ احترام سے باوضورو بقبلہ بیٹھے۔

دوم: پڑھنے میں جلدی نہ کرے۔ ترتیل وتجوید سے پڑھے۔

سوم: رونے کی سعی کرے، چاہے بتکلف ہی کیوں نہ ہو۔

چہارم: آیاتِ رحمت وآیاتِ عذاب کا حق ادا کرے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

پنجم: اگر ریا کا احتمال ہو یا کسی دوسرے مسلمان کی تکلیف وحرج کا اندیشہ ہو تو آہستہ پڑھے ورنہ آواز سے۔

ششم: خوش الحانی سے پڑھے کہ خوش الحانی سے کلام پاک پڑھنے کی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے۔

باطنی آداب

اول: کلام پاک کی عظمت دل میں رکھے کہ کیسا عالی مرتبہ کلام ہے۔

دوم: حق سبحانہ وتقدس کی علوِ شان اور رفع وکبریائی کو دل میں رکھے، جس کا کلام ہے۔

سوم: دل کو وساوس وخطرات سے پاک رکھے۔

چہارم: معانی کا تدبر کرے اور لذت کے ساتھ پڑھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب تمام رات اس آیت کو پڑھ کر گذار دی: "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (سورۂ مائدہ:۱۱۸)

ترجمہ: اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر مغفرت فرمادے تو تو عزت وحکمت والا ہے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رات اس آیت کو پڑھ کر صبح کر دی: "وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا

الْمُجْرِمُوْنَ" (سورۂ یٰسین:۵۹)

ترجمہ: او مجرمو! آج قیامت کے دن فرمانبرداروں سے الگ ہوجاؤ۔

پنجم: جن آیات کی تلاوت کر رہا ہے دل کو ان کے تابع بنادے۔

مثلاً اگر آیت رحمت زبان پر ہے دل سرورِ محض بن جاوے اور آیت عذاب اگر آ گئی ہے تو دل لرز جائے۔

ششم: کانوں کو اس درجہ متوجہ بنادے کہ گویا خود حق سبحانہ تقدس کلام فرمارہے ہیں اور یہ سن رہا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ محض اپنے لطف وکرم سے مجھے بھی ان آداب کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور تمہیں بھی۔

قرآن شریف شروع کرنے سے پہلے کی دعاء

جب قرآن شروع ہو تو پہلے یہ دعا پڑھئے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّ ھٰذَا کِتَابُکَ الْمُنَزَّلُ مِنْ عِنْدِکَ عَلٰی رَسُوْلِکَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَکَلَامُکَ النَّاطِقُ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّکَ جَعَلْتَہٗ ھَادِیاً مِّنْکَ لِخَلْقِکَ وَحَبْلاً مُتَّصِلاً فِیْمَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ عِبَادِکَ اَللّٰھُمَّ فَاجْعَلْ نَظْرِیْ فِیْہِ عِبَادَۃً وَقِرَائَتِیْ فِکْراً وَفِکْرِیْ فِیْہِ اِعْتِبَاراً اِنَّکَ اَنْتَ الرَّؤُفُ الرَّحِیْمُ رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَحْضُرُوْنِ۔

[اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیری یہ کتاب تیری طرف سے تیرے رسول پر اتاری گئی ہے۔ جن کا نام نامی محمد ابن عبد اللہ ہے۔ رحمت ہو اللہ کی ان پر، ان کی اولاد پر، ان کے اصحاب پر اور ان کے تمام تابعداروں پر، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ تیرا کلام ناطق ہے تیرے رسول کی زبان پر۔ اس کلام کو

تو نے اپنی طرف سے اپنی مخلوق کے لئے ہدایت کرنے والا بنایا ہے۔اور اس کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ متصل بنایا ہے۔لہٰذا اے اللہ! تو میری نظر کو اس میں عبادت گذار، میری قرأت کو اس میں بافکر اور میرے فکر کو اس میں عبرت پذیر بنا۔بلا شبہ تیری ذات بڑی مہربان ہے۔اور تو بڑا رحم کرنے والا ہے۔اے میرے رب! میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ کا طلبگار ہوں کہ میرے پاس شیاطین آئیں۔]

اس دعا کے بعد "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" پڑھئے اور پھر یہ دعا مانگئے۔

اَللّٰھُمَّ بِالْحَقِّ اَنْزَلْتَہٗ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ اَللّٰھُمَّ عَظِّمْ رَغْبَتِیْ فِیْہِ وَاجْعَلْہُ نُوْراً لِبَصَرِیْ وَشِفَاءً لِصَدْرِیْ وَذَھَاباً لِھَمِّیْ وَحُزْنِیْ وَبَیِّضْ بِہٖ وَجْھِیْ وَارْزُقْنِیْ تِلاَوَتَہٗ وَفَھْمَ مَعَانِیْہِ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

[اے اللہ! تو نے قرآن کو حق کے ساتھ اتارا اور یہ حق کے ساتھ اترا۔اے اللہ! قرآن میں میری رغبت بڑی بنا۔اسے میری آنکھوں کا نور، میرے سینے کے لئے شفا اور میرے فکر وغم کے دور ہونے کا سبب بنا۔اس کے ذریعہ میرے چہرہ کو روشن ومنور فرما اور اپنی رحمت کے صدقہ اے ارحم الراحمین! اس کی تلاوت مجھے نصیب کرا اور اس کے معنی کی سمجھ مجھے عطا فرما۔]

تلاوت کے بعد کی دعا

ہر روز تلاوت کے بعد ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھئے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلِ الْقُرْآنَ لَنَا فِیْ الدُّنْیَا قَرِیْناً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ شَافِعاً وَّفِی الْقَبَرِ مُوْنِساً وَّفِی الْقِیَامَۃِ صَاحِباً وَّعَلَی الصِّرَاطِ نُوْراً وَّفِی الْجَنَّۃِ رَفِیْقاً وَّمِنَ النَّارِ سِتْراً۔

[اے اللہ! قرآن پاک کو میرے لئے دنیا میں ہمنشیں، آخرت میں شافع، قبر میں غم خوار، قیامت میں مونس، پل صراط پرنور، جنت میں رفیق اور آگ سے پردہ بنا۔]

پھر آپ اپنے دینی اور دنیوی مقاصد وعزائم کیلئے جو بھی دعا چاہیں مانگیں۔ ان شاء اللہ آپ کی ہر درخواست مجیب الدعوات کی بارگاہ میں شرف قبولیت کے ساتھ نوازی جائے گی۔

ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ''حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن ختم کرتے تو کھڑے ہو کر دعا مانگتے۔'' اسی طرح بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص قرآن پڑھے، اللہ کی حمد وثنا کرے، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجے اور پھر اپنے رب سے اپنی بخشش چاہے تو بلاشبہ اس نے بہتر طریقہ سے خیر وبھلائی مانگی۔''

بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن ختم فرماتے تو کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد وثنا کرتے۔'' (مظاہر حق جدید: ۳ تا ۶ / ۳)

﴿الفصل الاوّل﴾

قرآن سیکھنے اور سکھانے والا سب سے بہتر ہے

{۲۰۰۷} وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ۔ ﴿رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۵۲، کتاب فضائل القرآن، باب خیر کم من الخ، حدیث نمبر: ۴۸۳۶۔

حل لغات: خیر اصل میں أخیر تھا بمعنی بھلائی، نیکی جمع اخیار، علّم (تفعیل) سکھلانا۔

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھلایا۔

تشریح: خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ: وہ لوگ سب سے بہتر ہیں، جو قرآن کریم کو اس طور پر سیکھیں جو اس کے سیکھنے کا حق ہے، یعنی اس کے اصول وفروع، علوم وفنون اور حقوق ومعارف سیکھنے کے بعد دوسروں کو سکھائے، تو ایسا شخص حضرات انبیائے کرام کے بعد سب سے بہتر آدمی ہے، اس لئے کہ قرآن کریم تمام کلاموں میں سب سے بہتر کلام ہے تو جو شخص سب سے بہتر کلام کے ساتھ منسلک ہو کر رہے گا وہ سب سے بہتر مانا جائے گا۔ (مرقاۃ: ۴/ ۳۳۳)

فائدہ: قرآن پاک الفاظ اور معانی کے مجموعے کا نام ہے، اس لئے جس طرح سے اس کے الفاظ کو پڑھنا پڑھانا فضیلت کی بات ہے، ایسے ہی اس کے معانی کے پڑھنے پڑھانے پر بھی فضائل کا اطلاق ہوتا ہے، جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی صراحت کی ہے۔ "قال الامام النووی رحمہ اللہ فی الفتاوی تعلم قدر الواجب من القرآن والفقہ سواء فی الفضل واما الزیادۃ علی الواجب فالفقہ افضل۔ (مرقاۃ: ۴/ ۳۳۳)

اشکال وجواب

تم نورالانوار میں پڑھ چکے ہو کہ قرآن لفظ اور معنی کے مجموعہ کا نام ہے۔ "وھو اسم للنظم والمعنی جمیعاً" اس حدیث شریف میں خادم القرآن کی فضیلت بیان کی گئی ہے، پس یہ خدمت یا صرف الفاظ قرآن کی ہوگی ان کو پڑھنا، پڑھانا، یاد کرانا، ان کی تصحیح وتجوید اور یا یہ خدمت قرآن کے معنی کی ہوگی کہ اس کے معنی ومعارف کو سمجھنا اور سمجھانا، تفسیر وتشریح کرنا اس سے احکام کا استنباط کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور یا یہ خدمت دونوں کو جامع ہوگی لہٰذا یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حدیث کا مصداق صرف مکتب کے حافظ جی ہیں پھر اس تعلیم کے مراتب ہیں حقوق تعلیم کی ادائیگی اور کمالِ اخلاص کے اعتبار سے، اور ظاہر ہے کہ اس کے فردِ اکمل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ "ثم الاشبہ فالاشبہ"

بعض شروح میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے اس حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ قاری ومقری فقیہ (عالم دین) سے افضل ہو حالانکہ علم اور علماء کے فضائل میں سیکڑوں احادیث وارد ہیں، جواب یہ ہے کہ اس حدیث شریف میں خطاب صحابۂ کرام کو ہو رہا ہے (گو حکم عام ہے) جو کہ قرآن کریم کو فہم معنی کے ساتھ پڑھتے تھے، تو اب جو شخص عالم وفقیہ ہونے کے ساتھ قاری ومقری بھی ہو ظاہر ہے کہ وہ افضل ہوگا، اس سے جو صرف عالم وفقیہ ہو، چنانچہ "ابواب الامامۃ" میں گذر چکا ہے "واقرأھم کان اعلمھم" کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو جتنا بڑا قاری ہوتا تھا اتنا ہی بڑا وہ عالم ہوتا تھا، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ خیریت وافضلیت کا مدار نفع متعدی کی کثرت اور اس کی قلت پر ہے۔ (لحدیث خیر الناس من ینفع الناس) [انسانوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو انسانوں کو نفع پہنچائے۔] لہٰذا جس کا نفع اور فیض زیادہ ہوگا اس کا مرتبہ بھی زیادہ ہوگا۔ (اور ظاہر ہے کہ عالم فقیہ کا فیض اعم واشمل ہے قاری محض کے فیض سے)

اور یا یہ کہا جائے کہ یہاں "من" مقدر ہے، "ای من خیرکم" اس سے حصر ختم ہو جائے گا جیسا کہ اس نوع کی اور بعض احادیث میں یہ جواب دیا جاتا ہے۔ (الدر المنضود: ۶۰۲ / ۲)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ "فضائل قرآن مجید" میں تحریر

فرماتے ہیں:

کلامِ پاک چونکہ اصل دین ہے، اس کی بقاء واشاعت ہی پر دین کا مدار ہے، اس لئے اس کے سیکھنے اور سکھانے کا افضل ہونا ظاہر ہے، کسی توضیح کا محتاج نہیں البتہ اس کی انواع مختلف ہیں، کلام اس کا یہ ہے کہ مطالب ومقاصد سمیت سیکھے اور ادنی درجہ اس کا یہ ہے کہ فقط الفاظ سیکھے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کا دوسرا ارشاد حدیث مذکور کی تائید کرتا ہے جو سعید بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً منقول ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو حاصل کرلے اور پھر کسی دوسرے شخص کو جو کوئی اور چیز عطا کیا گیا ہو، اپنے سے افضل سمجھے تو اس نے حق تعالیٰ شانہ کے اس انعام کی جو اپنے کلام پاک کی وجہ سے اس پر فرمایا ہے، تحقیر کی ہے۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جب کلامِ الٰہی سب کلاموں سے افضل ہے جیسا کہ مستقل احادیث میں آنے والا ہے تو اس کا پڑھنا پڑھانا، یقیناً سب چیزوں سے افضل ہونا ہی چاہئے۔ ایک دوسری حدیث شریف سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کلام پاک کو حاصل کر لیا اس نے علوم نبوت کو اپنی پیشانی میں جمع کر لیا۔ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے کلام پاک کی محبت قلب میں ہو۔ شرح احیاء میں ان لوگوں کی فہرست میں جو قیامت کے ہولناک دن میں عرش کے سایہ کے نیچے رہیں گے، ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے ہیں، نیز ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو بچپن میں قرآن شریف سیکھتے ہیں اور بڑے ہو کر اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔

قرآن پڑھنے اور پڑھانے کی فضیلت

{۲۰۰۸} وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ إِلٰى بُطْحَانَ أَوِ الْعَقِيْقِ فَيَأْتِيَ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ فِيْ غَيْرِ إِثْمٍ وَلَا قَطْعِ رَحِمٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُلُّنَا نُحِبُّ

ذٰلِکَ قَالَ أَفَلَا یَغْدُوْا أَحَدُکُمْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَیُعَلِّمُ أَوْ یَقْرَءُ آیَتَیْنِ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ نَاقَتَیْنِ وَثَلَاثٌ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ ثَلَاثٍ وَأَرْبَعٌ خَیْرٌ لَہٗ مِنْ أَرْبَعٍ وَمِنْ أَعْدَادِھِنَّ مِنَ الْاِبِلِ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۲۷۰، باب فضل قراءۃ القرآن فی الصلوۃ الخ، کتاب فضائل القرآن۔ حدیث نمبر: ۸۰۳۰۔

حل لغات: الصفۃ: مسجد نبویؐ میں ایک چبوترے کا نام ہے، کہا جاتا ہے ''صفۃ المسجد'' مسجد کا سایہ دار چبوترہ۔ یَغْدُوَ : غَدا (ن) غُدُوًّا صبح کے وقت جانا، بُطْحَانَ: ''بائ'' پرضمہ اور ''طا'' پر جزم ہے مدینہ منورہ کے قریب ایک کشادہ نالے کا نام ہے، بضم الموحدۃ وسکون الطاء اسم وادٍ بالمدینۃ سمی بذٰلک لسعتہ وانبساطہ من البطح (مرقات ۴/ ۳۳۴) العقیق: سرخ پتھر مقامات کا نام، واحد۔ عقیقۃ، ناقتین: ناقۃ کی تثنیہ بمعنی اونٹنی، کوماوین کوماء کا تثنیہ بمعنی بڑے کوہان والی اونٹنی جمع کُوْمٌ، اِثْم: جمع آثام، ماثم۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں باہر آئے کہ ہم صفہ میں تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ روزانہ بطحان یا عقیق جا کر گناہ اور تعلق توڑے بغیر دو بڑے کوہان والی اونٹنیاں لائے تو ہم نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کو ہم میں سے ہر ایک پسند کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا تم میں سے جو شخص مسجد جا کر قرآن کریم کی دو آیتیں خود سیکھتا ہے یا دوسرے کو سکھاتا ہے تو یہ اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہیں، تین آیتیں تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں یعنی آیتوں کی تعداد اونٹنیوں کی تعداد سے بہتر ہے۔

تشریح: ''صفہ'' وہ سایہ دار چبوترہ ہے جو مسجد نبوی کے ساتھ بنا ہوا تھا، جہاں غریب مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم رہتے تھے، جن کا نہ گھر تھا اور نہ بیوی بچے اور وہ ہمہ وقت بارگاہ رسالت سے اکتساب فیض کرتے تھے، گویا وہ اسلام کی سب سے پہلی اقامتی اور تربیتی درسگاہ تھی، جس کے معلم اول خود سرکار

رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے، اور طلبہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ان کی تعداد مختلف اوقات میں الگ الگ رہی ہے، بعض نے دو سو بعض نے ساڑھے تین سو بعض نے کچھ کم بعض نے کچھ زیادہ بتائی ہے۔ "الصفة مكان في مؤخر المسجد اعد لنزول الغرباء فيه من لا مأوى له ولا اهل ... وكانوا يكثرون تارة حتى يبلغوا نحو المأتين۔ (مرقاة: ۴/۳۳۳)

فقال ايكم يحب ان يغدو: اى يذهب فى الغدوة وهو اول النهار۔ (مرقاة: ۴/۳۳۴)
یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبح کے وقت جا کر، صبح کے وقت جانے میں یہ حکمت ہے کہ آدمی جب سویرے بازار جاتا ہے تو سامان عمدہ ملتا ہے اور دیر سے جانے کی صورت میں چھنٹا ہوا مال ملتا ہے۔

الى بطحان او العقيق: ظاہر تو یہی ہے کہ "او" تنویع کے لئے ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ راوی نے شک کی بنیاد پر "او" کا اضافہ کر دیا ہے، دونوں روایتیں صحیح مانی جا سکتی ہیں کوئی تضاد نہیں ہے۔ "او" تنویع کے لئے مانا جائے تو بطحان اور عقیق یہ دونوں دو جگہ کے نام ہیں جہاں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں یومیہ بازار لگا کرتا تھا۔ (مرقاة: ۴/۳۳۴)

فيأتى بناقتين كوماوين: کوماوین اصل میں کومائین تھا، ہمزہ کو واو سے بدل دیا گیا ہے اس کے اصل معنی بلندی کے آتے ہیں اور کوہان چونکہ بلند ہوتا ہے اس لئے بڑے کوہان والی اونٹنیوں کو 'کوم' کہا جانے لگا، جو کوماء کی جمع ہے، تثنیہ کوماء ان قلبت الهمزة واوا واصل الكوم العلو الخ۔ (مرقاة: ۴/۳۳۴)

فى غير اثم ولا قطع رحم: یعنی بغیر چوری اور غصب کے یا ایسے طریقے سے جن کی بنیاد پر تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔

ومن اعدادهن من الابل: یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے کی تعداد بتانا چاہتے ہیں کہ ۵/ آیتوں کے سیکھنے سکھانے کا ثواب ۵/ بڑے کوہان والی اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ (مرقاة: ۴/۳۳۴)

بطحان: باء کے ضمہ اور طاء کے سکون کے ساتھ مدینہ منورہ کی ایک وادی کا نام ہے، بطح سے ماخوذ ہے، جس کے معنی کشادگی کے ہیں، چونکہ وہ وادی بھی وسیع اور کشادہ تھی اس لئے اس کو بطحان کہا گیا ہے۔

عقیق: سے مراد عقیق اصغر ہے، وہ بھی ایک وادی کا نام ہے جو مدینہ کے مضافات میں دو تین میل پر ہے۔ ان دونوں جگہوں پر اس زمانہ میں اونٹوں کے بازار لگا کرتے تھے، اور چونکہ یہ سب سے قریب جگہوں میں سے ہیں اس لئے ان دونوں کا ذکر فرمایا۔ (طیبی: ۲۱۵/ ۴، مرقاۃ: ۳۳۴/ ۴)

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اونٹ چونکہ خیار مال العرب ہے، اس لئے سمجھانے کے لئے بطور تمثیل اونٹوں کا ذکر کیا ورنہ تو دنیا کی تمام چیزیں بھی ایک آیت کے مقابلہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتیں۔ (ایضاً، والتعلیق الصبیح: ۳/ ۳، نفحات التنقیح: ۲۱۱/ ۳)

حدیث شریف میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تعلم قرآن اور اشتغال بامر الدین سے دنیوی معاش میں بھی خیر و برکت ہوتی ہیں۔ کمافی قولہ تعالیٰ: "وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا۔ وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ۔" (سورۃ الطلاق: ۲/ ۳)

اشکال مع جواب

یہاں ظاہراً یہ اشکال ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت بھی دنیا و مافیہا سے افضل ہے۔ اونٹ کے ساتھ تو کوئی مناسبت ہی نہیں ہو سکتی، پھر اس کے ذریعہ افضلیت قرآن کیسے بیان کی گئی؟

تو اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں،

(۱)...... قرآن کریم کی ایک آیت کو اونٹنی سے بہتر کہنے میں دنیا و مافیہا سے بہتر ہونے کا منافی نہیں ہے، کیونکہ یہاں اصل یہ ہے کہ لوگ جو دنیا کے مال و متاع حاصل کرنے میں محنت و مشقت برداشت کرتے ہیں، اس سے امر دین میں اشتغال بہت بہتر ہے، اور چونکہ اہل عرب کو ہان والے اونٹ کو پسند کرتے تھے، اس لئے خاص کرکے اس کو بیان کیا۔

(۲)......مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم وقرأت سے دنیوی امور میں بھی خیر وبرکت ہوتی ہے، رزق بڑھتا ہے، اور آخرت کے معاملہ میں تو خیر من الدنیا وما فیہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرأت قرآن وتعلیم قرآن میں لوگوں کو ترغیب دینا مقصود ہے۔

تلاوت قرآن کی فضیلت

{۲۰۰۹} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَیُحِبُّ أَحَدُکُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰی أَهْلِهٖ أَنْ یَّجِدَ فِیْهِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَثَلَاثُ اٰیَاتٍ یَقْرَأُبِهِنَّ أَحَدُکُمْ فِیْ صَلَاتِهٖ خَیْرٌ لَهٗ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۲۷۰، باب فضل قراءۃ القرآن فی الصلوۃ الخ، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۰۲۔

حل لغات: رجع: رَجَعَ (ض) رُجُوْعًا: واپس آنا، لوٹنا، اهل: کنبہ، جمع أَهْلُوْنَ، أَهَلَ (ن) أَهْلًا الرجل: شادی ہونا۔ یجد: وَجَدَ (ض) وَجْدًا: پانا، خلفات: جمع ہے خلفة کی بمعنی گابھن اونٹنی، عظام: واحد عظْمٌ: بڑی چیز کا بڑا ہونا، سمان: واحد سمین بمعنی موٹا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ جب وہ اپنے کنبے میں لوٹ کر آئے تو وہاں تین حاملہ، بڑی اور موٹی اونٹنیاں پائے، ہم نے کہا جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص اپنی نماز میں قرآن کریم کی تین آیتیں پڑھے گا تو وہ اس کے لئے تین حاملہ، بڑی اور موٹی اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔“

تشریح: قرآن کریم کی تلاوت سے دینی اور دنیوی ہر طرح کے فائدے ہوتے ہیں۔

اذا رجع الی اھلہ ان یجد فیہ: یعنی آدمی باہر سے گھر آئے تو وہ اپنے گھر میں اونٹنی پائے تو اس کو بڑی خوشی ہوگی، ایسے ہی قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کو خوش ہونا چاہیے اس کا بدلہ آج نہیں تو ضرور کل ملے گا۔

ماہر قرآن کی فضیلت

{۲۰۱۰} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۳۵، سورۂ عبس، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۹۳۷۔ مسلم شریف: ۱/ ۲۶۹، باب فضیلۃ حافظ القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۷۹۸۔

حل لغات: الماهر: اسم فاعل بمعنی حاذق، کامل فن۔ مَهَرَ (ف، ن) مَهْرًا و مَهَارَةً، حاذق ہونا، تجربہ کار ہونا۔ السفرة: سافر کی جمع ہے بمعنی کاتب، مسافر سَفَرَ (ن) سُفُوْرًا: سفر کے لئے روانہ ہونا۔ الکتاب لکھنا۔ الکرام جمع ہے کریم کی بمعنی بزرگ، البررة جمع ہے بار کی بمعنی نیکوکار۔ یتتعتع: تَتَعْتَعَ فی الکلام: ہکلانا۔ شَاق: شَقَّ (ن) شَقًّا و مشقةً: دشوار ہونا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ماہر قرآن ان فرشتوں کے ساتھ ہے جو لکھنے والے بزرگ اور نیکوکار ہیں اور جو شخص قرآن کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور وہ اس پر مشکل ہے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔''

تشریح: الماهر بالقرآن: ماہر قرآن سے کیا مراد ہے؟

اس سلسلے میں ایک قول تو یہ ہے کہ جو شخص بہترین حافظ اور قاری ہے وہ ماہر قرآن ہے۔

''ان یرید به جودة الحفظ او جودة اللفظ وان یرید به کلیهما''

دوسرا قول یہ ہے کہ حافظ وقاری ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے جملہ علوم وفنون سے واقف ہواور وہ قرآن پر عمل بھی کرتا ہو وہ ماہر قرآن ہے۔(مرقاۃ:۳۳۶/۴)

مع السفرۃ الکرام البررۃ: سفرہ "سافر" کی جمع جیسے کاتب کی جمع کتبہ وزناً ومعنًی سفر بمعنی کتابت سے ماخوذ ہے، یعنی وہ فرشتے جو لوح محفوظ سے صحیفے نقل کرتے ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ منشی سے کیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ملائکہ رسل ہیں، یعنی وہ فرشتے جو انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ اور سفیر ہوتے ہیں، اس صورت میں سفر بمعنی سفیر ہوگا، جس کا مصدر سفارۃ ہے۔(منہل)

اور بررۃ، بَارٌّ کی جمع ہے، بمعنی نیکوکار۔لہٰذا اس کے معنی ہوئے صلحاء واتقیاء جو شخص ماہر قرآن ہے وہ ان ملائکہ کے ساتھ ہوگا، ملائکہ کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی قرآن شریف کو لوح محفوظ سے نقل کرنے والے ہیں اور یہ بھی اس کا نقل کرنے والا اور پہنچانے والا ہے تو گویا دونوں ایک ہی مسلک پر ہیں یا یہ کہ حشر میں ان کے ساتھ اجتماع ہوگا۔(فضائل قرآن مجید)

یا کبھی کبھی منازل جنت میں معیت ہونا مراد ہے۔

و یتتعتع فیہ: جو شخص ثقل زبان کی وجہ سے الفاظ قرآن بسہولت ادا نہیں کر پاتا یا یاد کی کمی کی وجہ سے بسہولت پڑھ نہیں سکتا اس کے لئے دو اجر ہیں، ایک اجر قرأت اور دوسرا اجر مشقت۔باقی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا رتبہ ماہر القرآن سے بڑھ جائے، ماہر کا مرتبہ تو بہت اونچا ہے جو اوپر بیان کیا جا چکا۔(مرقاۃ:۳۳۶/۴،طیبی:۲۱۷/۴،الدر المنضود:۶۰۳/۲)

اشتغال بالقرآن کی فضیلت

{۲۰۱۱} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا عَلَی اثْنَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْقُرْآنَ فَھُوَ یَقُوْمُ بِہٖ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّھَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَھُوَ یُنْفِقُ مِنْہُ

اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ۔ ﴿متفق علیہ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۵۱، باب اغتباط صاحب القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۳۴۔

مسلم شریف: ۱/ ۲۷۲، باب فضل من یقوم بالقرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۱۵۔

حل لغات: حسد: حَسَدَ (ن، ض) حَسَدًا: رشک کرنا، رجل آدمی جمع رجال۔ یقوم: قَامَ (ن) قَوْمًا: کھڑا ہونا، قامہ بہ کسی کام کو بہتر طریقے سے انجام دینا، : ینفق: أَنْفَقَ (افعال) خرچ کرنا، اللیل رات جمع لیالِیْ، النَّهَارِ: دن جمع أَنْهُر

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ رشک صرف دو آدمی پر جائز ہے ایک وہ آدمی جسے اللہ نے قرآن کریم عطا کیا اور وہ اس میں رات دن مشغول رہتا ہے اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ نے مال دیا اور وہ رات دن اس کو خرچ کرتا ہے۔“

تشریح: خادم قرآن اور قاسم مال یہ دونوں بڑے خوش نصیب ہیں، عام طور پر ان میں ہر طرح کی خوبیاں جمع ہو جایا کرتی ہیں، اس لئے رشک کیا جا سکتا ہے، تو یہ دو طرح کے لوگ ہیں جن پر رشک کرنا چاہئے۔

لا حسد: یہاں حسد سے مراد غبطہ یعنی رشک ہے، اور رشک کہتے ہیں اس تمنا کو جو چیز دوسرے کو حاصل ہے وہ اس کے پاس باقی رہتے ہوئے ویسی ہی چیز مجھے مل جائے، اس میں چونکہ کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں ہے اس لئے جائز ہے۔ لا حسد ای لا غبطۃ۔

آتاہ اللّٰہ القرآن: یعنی اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو بھی قرآن کریم کی خدمت کا موقع دیا ہے خواہ پڑھنے کی شکل میں یا پڑھانے کی صورت میں یا کسی اور طریقے سے اور وہ اس میں لگا رہتا ہے تو اس کی قدر و منزلت کا عالم یہ ہے کہ ایسے شخص پر رشک کیا جا سکتا ہے۔

رجل آتاہ اللّٰہ مالا الخ: یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال حلال دیا اور وہ اس مال کو خیر کی جگہوں میں رات دن یعنی خوب خوب خرچ کرتا ہے۔

حسد کی تعریف مع اقسام

حسد کے معنی ہیں دوسرے سے نعمت کے زوال اور اپنے لئے اس نعمت کے حصول کی تمنا کرنا۔ چنانچہ حضرت میرکؒ فرماتے ہیں کہ حسد کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......حسد حقیقی

(۲)......حسد مجازی

حسد حقیقی تو یہی ہے کہ کسی شخص سے نعمت کے زائل ہو جانے کی خواہش وتمنا کرنا۔ حسد کی یہ قسم احکام قرآنی اور تعلیمات حدیث کے پیش نظر تمام علماء امت کے نزدیک متفقہ طور پر حرام ہے۔

حسد مجازی کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر اپنے لئے اس کے حصول کی خواہش وتمنا کرنا، بغیر اس آرزو کے کہ وہ دوسرے شخص سے زائل ہو۔ مجازی حسد کی قسم غبطہ کہلاتی ہے، جسے رشک بھی کہا جاتا ہے، حسد مجازی اگر دنیاوی امور کے سلسلہ میں ہو تو مباح ہے، اور اگر دینی امور کے سلسلہ میں ہو تو پھر مستحب ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۶۷)

قرآن پڑھنے والے کی مثال

{۲۰۱۲} وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ لَارِيْحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيْحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَقْرَأُ

الْقُرْاٰنَ وَيَعْمَلُ بِهٖ كَالْاُتْرُجَّةِ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِىْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهٖ كَالتَّمْرَةِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۵۱، باب فضل القرآن علی سائر الکلام، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۲۹۔ مسلم شریف: ۱/ ۲۶۹، باب فضیلۃ حافظ القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۷۹۷۔

حل لغات: الاترجۃ: لیموں، سنترہ کے مثل ایک عمدہ پھل، ریحھا: ریح ہوا جمع رِیاح، طیب: خوشبو جمع اَطْیاب۔ طعمھا: طعم مزہ جمع طُعُوْمٌ۔ التمرۃ: کھجور، جمع تُمُوْر۔ حلو: میٹھا ہونا۔ المنافق: نَافَقَ (مفاعلت) دل میں کفر چھپا کر زبان سے ایمان ظاہر کرنا، الحنظلۃ: پھر پھیندوا، ایک پھل ہے جو کڑواہٹ میں ضرب المثل ہے، المر: کڑوا، مَرَّ (س، ن) مَرَارَۃٌ: کڑوا ہونا۔ الریحانۃ: ایک خوشبودار پھل۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال ترنج کی سی ہے کہ اس کی خوشبو اچھی اور اس کا ذائقہ عمدہ، اور قرآن نہ پڑھنے والے کی مثال کھجور کی سی ہے کہ اس میں خوش بو نہیں لیکن مزہ میٹھا ہے اور قرآن نہ پڑھنے والے منافق کی مثال حنظل کی سی ہے کہ اس میں خوش بو ہے نہیں اور پرسے ذائقہ کڑوا اور قرآن پڑھنے والے منافق کی مثال اس پھل کی سی ہے جس کی خوش بو اچھی اور مزہ کڑوا ہو، دوسری روایت میں ہے قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے مومن ترنج کے مانند ہیں اور قرآن نہ پڑھنے اور عمل کرنے والے مومن کی مثال کھجور کی طرح ہے۔

تشریح: قرآن کریم پڑھنے والے کے اندر خوشبو اور ذائقہ ہے، اور نہ پڑھنے والے کے اندر نہ خوشبو ہے اور نہ ذائقہ ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعمال کی تشبیہ ان چیزوں سے دی ہے جو زمین سے اگتی اور اور درخت سے نکلتی ہیں، اور دونوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ جیسے یہ چیزیں ثمرات الارض والاشجار ہیں تو اسی طرح اعمال بھی ثمرات النفوس ہیں۔

پھر یہ تشبیہ اور تمثیل جو درحقیقت ایک ایسی صفت ہے جس کا ظہور محسوس کی شکل میں بیان کئے بغیر ممکن نہیں، حدیث مذکور میں بہت جامع اور احسن طریقے سے اس کو بیان کیا گیا ہے، کیونکہ کلام اللہ ظاہر میں بھی تاثیر کرتا ہے، اور باطن میں بھی۔ اور لوگ اس تاثیر کے قبول کرنے میں متفاوت ہیں، چنانچہ انسان یا تو مؤمن ہوگا یا غیر مؤمن، پھر مومن یا تلاوت قرآن کریم کا پابند ہے یا نہیں، پہلی مثال ترنج کی طرح ہے، جس کے ظاہر میں بھی قرآن نے تاثیر کی ہے اور باطن میں بھی۔ تو جیسے ترنج ظاہری اور باطنی بے شمار فضائل کا حامل ہے، اسی طرح یہ مومن بھی ہے اور دوسرے کی مثال کھجور کی طرح ہے، جس کے ظاہر میں عدم تلاوت کی وجہ سے تاثیر نہیں ہوئی، البتہ باطن میں ایمان کا اثر ہے جیسے کھجور میں ظاہری وصف خوشبو نہیں۔ البتہ باطنی وصف مٹھاس ہے، اور غیر مومن یا تو منافق حقیقی ہوگا جو قرآن نہیں پڑھتا اور اس کا ظاہر و باطن دونوں قرآن کی تاثیر سے خالی ہے، جس کی مثال حنظلہ ہے جس کی نہ خوشبو ہے اور نہ مٹھاس یعنی بے فائدہ ہے اور یا ملحق بالمنافق یعنی ریاکار ہوگا جو قرآن زبان سے تو پڑھتا ہے، لیکن دل سے نہیں پڑھتا، یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس کو مقصود نہیں، اس کے ظاہر میں قرأت قرآن کی وجہ سے تاثیر ہوتی ہے، لیکن باطن میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی، جیسے خوشبودار پھل کہ خوشبو تو اچھی ہو لیکن بدمزہ اور بدذائقہ۔ (طیبی: ۲۱۹/۴، مرقاۃ: ۸/۳۳۸/۴)

واضح رہے کہ اثبات قرأت جو "یقرأ" فعل مضارع کے صیغہ سے ہوا ہے اور نفی قرأت "لا یقرأ" سے ہوئی ہے اس سے مراد دوام اور استمرار ہے کہ جس کی عادت قرآن پڑھنے کی ہو یا عادت قرآن کریم کے نہ پڑھنے کی ہو، چنانچہ فعل مضارع میں کبھی استمرار ہی مراد ہوتا ہے، جیسے "فلان يقري الضيف" کے معنی ہیں فلاں مہمان نوازی کرتا رہتا ہے۔ "ويحمي الحريم" اور ہر قابل حفاظت چیز کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ (نفحات التنقيح: ۳/۳۱۳، التعليق: ۳/۶)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ فضائل قرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

مقصود اس حدیث شریف سے غیر محسوس شے کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دینا ہے تاکہ ذہن میں فرق کلام پاک کے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں سہولت سے آجاوے، ورنہ ظاہر ہے کہ کلام پاک کی حلاوت اور

مہک سے کیا نسبت ترنج و کھجور کو؟ اگر چہ ان اشیاء کے ساتھ تشبیہ میں خاص نکات بھی ہیں جو علوم نبویہ سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت نبی کریم ﷺ کے علوم کی وسعت کی طرف مشیر ہیں۔ مثلاً ترنج ہی کو لے لیجئے۔ منہ میں خوشبو پیدا کرتا ہے، معدہ کو صاف کرتا ہے، ہضم میں قوت دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ منافع ایسے ہیں کہ قرأت قرآن شریف کے ساتھ خاص مناسبت رکھتے ہیں۔ مثلاً منہ کا خوشبودار ہونا، باطن کا صاف کرنا، روحانیت میں قوت پیدا کرنا، یہ منافع تلاوت میں ہیں۔ جو پہلے منافع کے ساتھ بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں۔ ایک خاص اثر ترنج میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس گھر میں ترنج ہو وہاں جن نہیں جاسکتا، اگر یہ صحیح ہے تو پھر کلام پاک کے ساتھ خاص مشابہت ہے۔ بعض اطباء سے میں نے سنا ہے کہ ترنج سے حافظہ بھی قوی ہوتا ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے احیاء میں نقل کیا ہے کہ تین چیزیں حافظہ کو بڑھاتی ہیں: مسواک اور روزہ اور تلاوت کلام اللہ شریف کی۔

قرآن پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے میں فرق

{۲۰۱۳} وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ۔ ﴿رَوَاہُ مُسْلِمٌ﴾

حواله: مسلم شریف: ۱/۲۷۲، باب فضل من یقوم بالقرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۱۷۔

حل لغات: یرفع: رفع، (ف) رفعاً بلند کرنا، اقوام قوم کی جمع ہے بمعنی جماعت۔

ترجمه: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ کتنے لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے کتنے لوگوں کو پست کرتا ہے۔''

تشریح: قرآن کریم پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں عزت و سربلندی عطا فرماتا ہے اور جو نہ قرآن کریم پڑھتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کرتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ دنیا اور

آخرت میں ذلیل وخوار کردیتا ہے۔

ان اللّٰہ یرفع بھذا الکتاب: یعنی جو شخص قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہوئے اس کو پڑھ کر اس پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں عزت وسربلندی عطا کرتا ہے، اس لئے کہ یہ کلام اللہ ہے، جو کلام اللہ کا حق ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سب سے اونچے طبقے میں پہنچا دیتا ہے۔ جیسا کہ اعلان خداوندی ہے: "یُضِلُّ بِهٖ کَثِیْرًا وَیَهْدِیْ بِهٖ کَثِیْرًا۔ الآیۃ" [اللہ تعالیٰ اس مثال سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے۔(آسان ترجمہ)"وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا" [اور ہم وہ قرآن نازل کر رہے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت کا سامان ہے۔ البتہ ظالموں کے حصے میں اس سے نقصان کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہیں ہوتا۔(آسان ترجمہ)(مرقاۃ:۸/۳۳۸ /۴)

قرآن سننے کے لئے فرشتوں کا اژدحام

{۲۰۱۴} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ اُسَیْدَ بْنَ حُضَیْرٍ قَالَ بَیْنَمَا ھُوَ یَقْرَأُ مِنَ اللَّیْلِ سُوْرَۃَ الْبَقَرَۃِ وَفَرَسُہٗ مَرْبُوْطَۃٌ عِنْدَہٗ اِذَا جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَکَتَ فَسَکَنَتْ فَقَرَأَ فَجَالَتْ فَسَکَتَ فَسَکَنَتْ ثُمَّ قَرَأَفَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَکَانَ ابْنُہٗ یَحْیٰ قَرِیْبًا مِنْھَا فَاَشْفَقَ اَنْ تُصِیْبَہٗ وَلَمَّا اَخَّرَہٗ رَفَعَ رَأْسَہٗ اِلَی السَّمَاءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّۃِ فِیْھَا أَمْثَالُ الْمَصَابِیْحِ فَلَمَّا اَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِقْرَأْ یَا ابْنَ حُضَیْرٍ اِقْرَأْ یَا ابْنَ حُضَیْرٍ قَالَ فَاَشْفَقْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنْ تَطَأَ یَحْیٰ وَکَانَ مِنْھَا قَرِیْبًا فَانْصَرَفْتُ اِلَیْہِ وَرَفَعْتُ رَأْسِیْ اِلَی السَّمَاءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّۃِ فِیْھَا اَمْثَالُ الْمَصَابِیْحِ فَخَرَجْتُ حَتّٰی لَا اَرَاھَا قَالَ وَتَدْرِیْ مَاذَاکَ؟ قَالَ لَا قَالَ تِلْکَ الْمَلَائِکَۃُ دَنَتْ بِصَوْتِکَ وَلَوْ

قَرَأْتَ لَاَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ اِلَيْهَا لَا تَتَوَارٰى مِنْهُمْ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِيْ مُسْلِمٍ عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ بَدَلَ فَخَرَجَتُ عَلٰى صِيْغَةِ الْمُتَكَلِّمِ۔

حوالہ: بخاری شرفی: ۲/ ۷۵۰، باب نزول السکینۃ والملائکۃ الخ، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۲۷۔ مسلم شریف: ۱/ ۲۶۹، باب نزول السکینۃ لقرأۃ القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۷۹۶۔

حل لغات: فرسہ گھوڑا، گھوڑی اس کی جمع غیر لفظ سے خَيْلٌ آتی ہے، مربوطة: اسم مفعول ہے بمعنی باندھا ہوا، (ن،ض) جالت: جال (ن) جولا، چکر لگانا، گھومنا، فاشفق، شفق: شفق (س) شفقًا مہربان ہونا، اشفق (افعال) خوف کرنا، الظلة: سائبان ہر سایہ دار، جمع: ظلل، وظلال، المصابیح، جمع ہے مصباح کی بمعنی چراغ، أصبح، أصبح (افعال) صبح میں داخل ہونا، حدث (تفعیل) بیان کرنا، تطا، وطی (س) وطأ پیر سے روندنا، عرجت: عرج (س، ن) عروجا سیڑھی میں چڑھنا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ رات میں سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے، اور ان کی گھوڑی جو قریب ہی بندھی ہوئی تھی، اچانک اچھلنے لگی، تو یہ خاموش ہو گئے تو وہ گھوڑی بھی رک گئی، پھر پڑھا تو وہ گھوڑی اچھلنے لگی، تو انھوں نے پڑھنا موقوف کر دیا، اس لئے کہ ان کا لڑکا یحیٰ اس گھوڑے کے قریب میں تھا تو وہ ڈر گئے کہ یہ گھوڑی بچے کو تکلیف نہ پہونچا دے، جب انھوں نے بچے کو وہاں سے ہٹا کر سر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا تو دیکھتے ہیں کہ آسمان میں سائے کی طرح کوئی چیز ہے جس میں چراغ جل رہے ہیں، جب صبح ہوئی تو انھوں نے اس واقعہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابن حضیر! تمہیں پڑھتے رہنا چاہئے تھا تو انھوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ڈر گیا کہ یحیٰ کو روند نہ دے چونکہ وہ گھوڑی کے قریب تھا، اس لئے میں ان کی طرف متوجہ ہوا اور میں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا

تو کیا دیکھتا ہوں کہ سائے کے مانند کوئی چیز ہے جس میں چراغ جل رہے ہیں، پھر میں گھر سے باہر نکلا لیکن وہ منظر نظر نہیں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو وہ کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ فرشتے تھے تمہاری آواز سننے کے لئے قریب آئے تھے اگر تم پڑھتے رہتے تو اسی طرح صبح ہو جاتی لوگ فرشتوں کو دیکھتے اور ان فرشتوں میں سے کوئی نظروں سے اوجھل نہ ہوتا، بخاری اور مسلم نے یہ روایت کی ہے؛ لیکن الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم میں ہے کہ وہ سب فضاء میں چڑھ گئے۔

تشریح: قرآن میں بے پناہ جاذبیت اور کشش ہے۔ جو پڑھنے، سننے اور سمجھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم پڑھنے والے کو فرشتے پروانہ وار آ کر گھیر لیتے ہیں، جس کا مشاہدہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا جیسا کہ اس حدیث شریف میں مذکور ہے۔

ان اسید بن حضیر: اسید اور حضیر دونوں اسم تصغیر ہیں۔

قال: اس قال کے فاعل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

هو يقرأ من الليل: یعنی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ رات کے کسی حصے میں قرآن کریم پڑھ رہے تھے۔

و فرسه مربوطة عنده: فرس چونکہ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے مستعمل ہے اس لئے مربوطة مونث کا صیغہ مستعمل ہوا۔ (مرقاۃ: ۸/۳۳۸/۴)

اذ جالت الفرس: یعنی گھوڑی نے اچھلنا کودنا اور چکر کاٹنا شروع کر دیا۔

گھوڑے کے اچھلنے کودنے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت اسید رضی اللہ عنہ رات کے بعض حصے میں قرآن حکیم پڑھ رہے تھے، تو قرأت سننے کے لئے فرشتے نیچے آئے تھے، ان کو دیکھ کر گھوڑا خوف کی وجہ سے بدکتا اور کودتا تھا، یہی وجہ تھی کہ تلاوت کلام پاک کے بند ہونے پر فرشتے اوپر جاتے تھے اور گھوڑا کودنا چھوڑ دیتا تھا۔ (مرقاۃ: ۹/۳۳۹/۴)

اقرأ يا ابن حضير اقرأ يا ابن حضير: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اس لفظ کا

مقصد زمانہ ماضی میں طلب زیادتی ہے، گویا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس عجیب وغریب حالت کا استحضار کر کے حضرت ابن حضیر رضی اللہ عنہ کو پڑھنے کی ترغیب دے رہے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے: ''ھلا زدت'' تم نے قرأت میں اضافہ کیوں نہیں کیا؟ اس پر دلیل یہ ہے کہ آگے خود حضرت ابن حضیر رضی اللہ عنہ جواب میں فرماتے ہیں: ''أشفقت یا رسول الله! ان تطأ یحییٰ'' میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں گھوڑا یحییٰ کو کچل نہ ڈالے، کیونکہ یحییٰ گھوڑے کے قریب ہی تھا۔ (طیبی: ۲۲۱/ ۴)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ یہاں پڑھنے سے اب واقعہ بیان کرنے کے وقت پڑھنا مراد نہیں، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی اصل حالت کا استحضار کر کے یہ فرمایا: گویا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابن حضیر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کہ ان پر فرشتے سائبان کی طرح جمع ہوئے ہیں تو ان کو حکم دے رہے ہیں کہ برابر پڑھتے رہئے، تاکہ فرشتوں کے سننے اور ان کے موجود ہونے سے آپ پر برکت نازل ہوتی رہے۔ (فتح الباری: ۶۴/ ۹)

حاصل یہ ہے کہ ''إقرأ'' کا امر استمرار فی العمل کے لئے ہے، یعنی تمہیں قرأت کو جاری رکھنا چاہئے تھا، موقوف نہیں کرنا چاہئے تھا، علامہ طیبی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہما دونوں کی توجیہ کا یہی مطلب ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادل کے ساتھ وجہ تشبیہ یہ ہے کہ ملائکہ قرآن کریم سننے کے لئے بہت کثرت سے آئے تھے تو جب حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو ایسا محسوس ہوا کہ پردہ کے مانند کوئی چیز ہے جو ان کے اور آسمان کے درمیان حائل ہے اسی چیز کو بادل سے تعبیر کیا۔

اور اس میں جو چراغ جل رہے تھے وہ دراصل ان فرشتوں کے چہرے تھے جو چراغ کی مانند روشن ومنور تھے۔ (مرقاۃ: ۳۳۹/ ۴)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ کے خوف کو زائل کرنے اور ان کو اپنے بلند مرتبہ سے آگاہ کرنے کی غرض سے ان کو بتادیا کہ یہ فرشتے قرآن پاک سننے کی غرض سے آئے تھے اور تاکید کی کہ آئندہ اگر ایسی صورت حال پیش آئے تو اطمینان سے رہنا گھبرانا نہیں اور زیادہ پڑھنا۔ (نفحات التنقیح: ۲۱۴/ ۳)

تلاوت قرآن نزول رحمت کا سبب ہے

{۲۰۱۵} وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَجُلٌ یَقْرَأُ سُوْرَةَ الْکَهْفِ وَإِلٰی جَانِبِہٖ حِصَانٌ مَرْبُوْطٌ بِشَطَنَیْنِ فَتَغَشَّتْہُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُوْ وَتَدْنُوْ وَجَعَلَ فَرَسُہٗ یَنْفِرُ فَلَمَّا أَصْبَحَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ ذٰلِکَ لَہٗ فَقَالَ تِلْکَ السَّکِیْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۴۹، باب فضل سورۃ الکھف، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۲۰۔

مسلم شریف: ۱/ ۲۶۸، باب نزول السکینۃ لقراءۃ القرآن، حدیث نمبر: ۷۹۵۔

حل لغات: جانبہ: انسان کا پہلو، گوشہ جمع جوانب، مربوط اسم مفعول ہے بمعنی باندھا ہوا ربط (ن، ض) ربطا باندھنا۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص سورہ کہف پڑھ رہا تھا۔ اس کے قریب ایک گھوڑا دو رسیوں سے بندھا ہوا تھا کہ اس کو ایک بدلی نے ڈھانپ لیا اور وہ قریب سے قریب تر ہونے لگی تو اس کے گھوڑے نے اچھل کود کرنا شروع کر دیا، جب صبح ہوئی تو انہوں نے آ کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رحمت تھی جو تلاوتِ قرآن کی وجہ سے اتری تھی۔

تشریح: وإلی جانبہ: یعنی اس کے دائیں یا بائیں جانب۔

بشطنین: شطن کا تثنیہ ہے۔ بمعنی لمبی رسی۔ جمع اشطان۔

فقال تلک السکینۃ: مراد یا تو طمانیت ہے، جس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، یا رحمت ہے یا وقار ہے یا رحمت کے فرشتے مراد ہیں۔ (مرقاۃ: ۴/ ۳۴۰)

فضائل قرآن مجید میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ تحریر

فرماتے ہیں:

سکینہ کا نازل ہونا متعدد روایات میں وارد ہوا ہے، اس کے مصداق میں مشائخ حدیث کے چند قول ہیں، لیکن ان میں کوئی ایسا اختلاف نہیں کہ جس سے آپس میں کچھ تعارض ہو بلکہ سب کا مجموعہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سکینہ کی تفسیر یہ نقل کی گئی ہے کہ وہ ایک خاص ہوا ہے جس کا چہرہ انسان کے چہرہ جیسا ہوتا ہے۔

علامہ سدی سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ جنت کے ایک طشت کا نام ہے جو سونے کا ہوتا ہے، اس میں انبیاء کے قلوب کو غسل دیا جاتا ہے۔

بعض نے کہا ہے: کہ یہ خاص رحمت ہے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پسند کیا ہے کہ اس سے سکونِ قلب مراد ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ: طمانیت مراد ہے۔

بعض نے اس کی تفسیر وقار سے کی ہے تو کسی نے ملائکہ سے۔

بعض نے اور بھی اقوال کہے ہیں۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے "فتح الباری" میں یہ ہے کہ سکینہ کا اطلاق سب پر آتا ہے۔

نووی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جو جامع ہے طمانیت رحمت وغیرہ کو اور ملائکہ کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔

یہ کلام اللہ شریف میں ارشاد ہے: "فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ" (سورۂ توبہ: ۴۰)

دوسری جگہ ارشاد ہے: "هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ" (سورۂ فتح: ۴)

ایک جگہ ارشاد ہے: "فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" (سورۂ بقرہ)

غرض متعدد آیات شریفہ میں اس کا ذکر ہے۔ اور احادیث مبارکہ میں متعدد روایات میں اس کی بشارت فرمائی گئی ہے۔

احیاء میں نقل کیا ہے کہ ابن ثوبان رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے کسی عزیز سے اس کے ساتھ افطار کا وعدہ کیا،

مگر دوسرے روز صبح کے وقت پہنچے، انہوں نے شکایت کی تو کہا: کہ اگر میرا تم سے وعدہ نہ ہوتا تو ہرگز نہ بتاتا کہ کیا مانع پیش آیا۔ مجھے اتفاقاً دیر ہوگئی تھی حتیٰ کہ عشاء کی نماز کا وقت آ گیا، خیال ہوا کہ وتر بھی ساتھ ہی پڑھ لوں کہ موت کا اطمینان نہیں، کبھی رات میں مرجاؤں اور وہ ذمہ پر باقی رہ جائیں، میں دعاء قنوت پڑھ رہا تھا کہ مجھے جنت کا ایک سبز باغ نظر آیا جس میں ہر نوع کے پھول وغیرہ تھے، اس کے دیکھنے میں ایسا مشغول ہوا کہ صبح ہوگئی۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو بزرگوں کے حالات میں درج ہیں۔ لیکن ان کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب ماسوا سے انقطاع ہو جاوے اور اسی جانب توجہ کامل ہو جاوے۔

ملائکہ کا ڈھانکنا بھی متعدد روایات میں وارد ہوا ہے۔

اسید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ کا مفصل قصہ کتب حدیث میں آتا ہے کہ انہوں نے تلاوت کرتے ہوئے اپنے اوپر ایک ابر سا چھایا ہوا محسوس کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ ملائکہ تھے، جو قرآن شریف سننے کے لئے آئے تھے۔ ملائکہ کے اژدہام کی وجہ سے ابر سا معلوم ہوتا تھا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ ابر سا محسوس ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ سکینہ تھا، یعنی رحمت جو قرآن شریف کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔ مسلم شریف میں یہ حدیث زیادہ مفصل آئی ہے۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت

{۲۰۱۶} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُعَلّٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّیْ فِی الْمَسْجِدِ فَدَعَانِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ اُجِبْہُ ثُمَّ اَتَیْتُہٗ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنِّیْ كُنْتُ اُصَلِّیْ قَالَ اَلَمْ یَقُلِ اللّٰہُ اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ اَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِی الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَلَمَّا اَرَدْنَا اَنْ نَخْرُجَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّكَ قُلْتَ لَاُعَلِّمَنَّكَ اَعْظَمَ سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ھِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ

اُوْتِيْتُهٗ- ﴿رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۴۹، باب فضل فاتحۃ الکتاب، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۱۵۔

حل لغات: فدعانی: د عا(ن) د عوۃ، بلانا، لم اجبہ ا جاب (افعال) جواب دینا، اعلمک، ء لم (س) جاننا، علّم (تفعیل) سکھانا، تخرج، خرج (ن) خروج انکلنا، فأخذ: اخذ (ن) ا خذ ا پکڑنا، اردنا، اراد (ن) أرادالشیء طلب کرنا، أراد (افعال) چاہنا، المثانی جمع المثنی کی بمعنی قرآن کریم کی آیتیں اسی کے معنی دہرانے کے آتے ہیں اور چونکہ سورۂ فاتحہ نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے اس لئے اس سورۃ کو سبع المثانی کہا جاتا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید بن معلّٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، اس وقت میں جواب نہیں دے سکا، پھر میں نے آکر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نماز پڑھ رہا تھا اس لئے میں آنجناب کا جواب نہیں دے سکا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اللہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ جب اللہ اور رسول بلائیں تو جواب دو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پہلے کہ ہم مسجد سے نکلیں میں تمہیں قرآن کریم کی ایک بہت بڑی سورت سکھلاؤں گا اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا جب ہم نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا ہے کہ تمہیں قرآن کریم کی ایک بہت بڑی سورت سکھلاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلاتے ہوئے فرمایا "الحمد للہ رب العالمین" یہ سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

تشریح: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ابن الملک کے حوالے سے اس حدیث شریف کے شان ورود کے بارے میں فرماتے ہیں: کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد کے پاس سے گذرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے۔ میں نے سمجھا کہ کوئی واقعہ پیش آیا ہے اس لئے بیٹھ گیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: "قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ" [اے پیغمبر! ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔] (آسان ترجمہ)

میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر سے اتریں، ہم کعبے کی طرف منہ کر کے دو رکعت نماز پڑھتے ہیں تاکہ ہم اولیت کا شرف حاصل کریں۔ تو اس درمیان کہ میں نماز پڑھ رہا تھا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے بلایا۔ اس وقت میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ میں نماز سے فارغ ہوا۔ چنانچہ ایک نسخہ میں "حتی صلیت" کے الفاظ آئے ہیں۔ پھر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عذر پیش کرنے کی غرض سے عرض کیا: یارسول اللہ! اس وقت میں نماز پڑھ رہا تھا اس لئے جواب نہیں دے سکا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اللہ و رسول کو جواب دو جب تمہیں بلائیں اور ان کے حکم کی اطاعت کرو۔'' (مرقاۃ: ۳۴۰/ ۴)

اجابۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوٰۃ کا حکم

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں جواب دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ جیسا کہ نماز میں "السلام علیك ایها النبی" کہہ کر آپ کو خطاب کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ "السلام علیك ایها النبی" خطاب اس لئے ہے کہ تشہد کے الفاظ انشاءً پڑھے جاتے ہیں حکایۃً نہیں پڑھے جاتے۔

چنانچہ تنویر الابصار میں تصریح ہے: "ویقصد بالفاظ التشهد الانشاء لا الاخبار" (ص: ۳۷۷/ ۱، باب صفة الصلوٰۃ) باقی یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر نہیں تو خطاب بے فائدہ ہوا کیونکہ صلوۃ وسلام ملائکہ کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچتا ہے، جیسا کہ خط میں خطاب کے صیغے لکھے جاتے ہیں مخاطب روبرو موجود نہیں ہوتا لیکن خط مخاطب تک پہنچتا ہے۔ (الطیبی: ۲۲۳/ ۴)

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دینے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی اس لئے کہ نماز بھی ایک اطاعت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جواب دینا بھی اطاعت ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کسی ایسے کام کے لئے بلایا ہے جس میں تاخیر نہیں ہوسکتی تو مصلی کو نماز توڑنے کا حق ہے؛ لیکن ظاہر حدیث سے قول اول کی تائید ہوتی ہے۔(مرقاۃ: ۳۴۰/ ۴)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس تفصیل کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جواب دینا مطلقاً واجب ہے، جیسا کہ آیت کریمہ کے اطلاق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ باقی بطلان صلوۃ یا عدم بطلان صلوۃ پر یہ حدیث دلالت نہیں کرتی۔ البتہ دوسرے دلائل کے اطلاق کی وجہ سے اصل بطلان ہے۔(مرقاۃ: ۳۴۱/ ۴)

ثم قال الا أعلمک سورۃ فی القرآن: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چونکہ سورۂ فاتحہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت کی حامل ہے۔ الفاظ کے اختصار کے باوجود معانی وفوائد کی کثرت کے اعتبار سے وہ قرآن کریم کا جزو اعظم ہے۔ قرآن حکیم میں حمد وثنا، امر ونہی اور وعد وعید کے جو مضامین ہیں ان پر سورۂ فاتحہ مشتمل ہے۔ اسی وجہ سے سورۂ فاتحہ کو "ام القرآن" بھی کہا گیا ہے۔ اور یہ خصوصیت دوسری سورتوں میں نہیں۔(طیبی: ۲۲۲/ ۴)

حتی کہ بعض عارفین کا کہنا ہے کہ کتب مقدمہ کے تمام مضامین قرآن مجید میں ہیں اور قرآن کریم کے تمام مضامین سورۂ فاتحہ میں ہیں اور سورۂ فاتحہ میں جو کچھ ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور بسم اللہ کے تمام مضامین "با" کے نقطے کے تحت ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید "با" کے نقطہ سے نقطۂ توحید کی طرف اشارہ ہو جس پر سلوک کا مدار ہے۔(مرقاۃ: ۳۴۱/ ۴)

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کے تمام مضامین "با" کے تحت ہیں اور وجہ یہ بتائی ہے کہ تمام علوم کا اصلی مقصد بندے کا اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا ہے اور "با" بھی الصاق کے لئے ہے جس کے معنی ہی تعلق جوڑنے کے ہیں۔(نفحات التنقیح: ۲۱۶/ ۳)

سبع مثانی کی وجہ تسمیہ

المثانی: مثناۃ کی جمع ہے اور مثناۃ اسم ظرف ہے، یامثنیۃ کی جمع اور اسم فاعل ہے۔ بہرحال اس کا موصوف محذوف ہے۔یعنی آیات یا سور، حدیث مذکور سے یہ معلوم ہوا کہ سبع مثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے، اسی طرح محی السنہ بغویؒ نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حسن بصریؒ، عطاءؒ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

مثانی کہنے کی وجہ متعدد بیان کی گئی ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت حسنؒ اور قتادہؒ کے نزدیک نماز میں بار بار یعنی ہر رکعت میں اس کو پڑھا جاتا ہے۔اس لئے مثانی کہا گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے دو حصے ہیں نصف تو اللہ کے لئے ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ثناء کی گئی ہے اور نصف دعا ہے جو بندہ کے لئے ہے۔

حسن بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ سورۂ فاتحہ دو مرتبہ نازل ہوئی۔ایک بار مکہ شریف میں اور دوسری بار مدینہ پاک میں۔ ہر مرتبہ ستر ہزار فرشتے سورۂ فاتحہ کے جلوس میں تھے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مثانی کا معنی ہے منتخب چھانٹی ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اس امت کے لئے چھانٹ کر رکھ لی تھی کسی دوسری امت کو عطا نہیں فرمائی اس لئے اس کو مثانی کہا ہے۔

ابوزید بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ثنیت العنان" کے معنی ہیں میں نے لگام پھیر دیا، موڑ دیا۔ یہ سورۃ بھی شریروں کو شرارت سے پھیر دیتی ہے۔بعض نے کہا کہ "مثانی" ثناء سے ہے۔اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی ثناء کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عظیم صفات کا بیان ہے۔

اور قرآن مجید کا اطلاق سورۂ فاتحہ پر اہمیت کے لئے ہے۔ "من قبیل اطلاق الکل علی الجزء" (نفحات التنقیح: ۳/۷۱۲)

سورۂ فاتحہ کے اسماء

(۱)ام القرآن، (۲)ام الکتاب، (۳)السبع المثانی۔ (۴)الوافیۃ، (۵)الکافیۃ،

(٦)الشافیۃ، (٧)سورۃ الشفاء، (٨)سورۃ الاساس، (٩)سورۃ الصلوٰۃ، (١٠)سورۃ السوال، (١١)سورۃ الشکر، (١٢)سورۃ الدعاء۔ (بذل من التفسیر الکبیر، الدر المنضود: ۲/۶۰۴)

یہ سب سورۂ فاتحہ کے اسماء ہیں۔ اس سورۂ کے بہت سے نام ہیں۔ "و کثرۃ الاسماء تدل علی شرف المسمیٰ"

سورۂ بقرہ کی فضیلت

{۲۰۱۷} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَأُ فِیْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ۔ ﴿رَوَاهُ مُسْلِمٌ﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۶۵، باب استحباب صلوۃ النافلۃ فی بیتہ، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۸۰۔

حل لغات: بیوتکم جمع ہے بیت کی بمعنی گھر، مقابر: جمع ہے مقبرہ کی بمعنی قبرستان، ینفر نفر (ض) نفرا نفرت کرنا، ناپسند کرنا، بھاگنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ بے شک شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

تشریح: سورۂ بقرہ میں بڑی تاثیر ہے، یہی وجہ ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے وہاں شیطان و جنات کا اثر نہیں ہوتا۔

لاتجعلوا بیوتکم مقابر: یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ ذکر واشغال بھی جاری رکھیں تاکہ وہ گھر آباد رہے، لیکن جب گھروں میں یہ چیزیں نہیں ہوتی ہیں تو وہ گھر قبرستان کی طرح معلوم ہوتا ہے، جیسے کہ قبرستان میں مردے کسی طرح کی کوئی

عبادت نہیں کرتے ہیں۔

ان الشیطان ینفر الخ: جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے وہاں شیطان وجنات کا اثر نہیں ہوتا ہے۔اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا بہت زیادہ تذکرہ ہے۔اس کی برکت سے جنات بھاگ جاتے ہیں۔نیز قرآن کریم کی تلاوت گھروں میں خیر و برکت کا باعث ہے۔اس لئے کہا گیا کہ قرآن کریم کی تلاوت وغیرہ کرتے رہیں۔

قیامت کے دن قرآن کریم کا شفیع ہونا

{۲۰۱۸} وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِقْرَؤُا الْقُرْآنَ فَاِنَّہٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَفِیْعًا لِاَصْحَابِہٖ اِقْرَؤُا الزَّھْرَاوَیْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ فَاِنَّھُمَا تَاْتِیَانِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کَاَنَّھُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَیَایَتَانِ اَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَافٍ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِھِمَا اِقْرَؤُا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَھَا بَرْکَةٌ وَتَرْکَھَا حَسْرَةٌ وَلَا یَسْتَطِیْعُھَا الْبَطَلَةُ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۲۷۰، باب فضل قراءة القرآن سورة البقرة، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۰۴۔

حل لغات: شفیعا سفارش کرنے والا، جمع شفعاء شفع (ف) شفاعة سفارش کرنا، الزهراوین: الزهراء کا تثنیہ ہے بمعنی روشن جمع زهر، غمامتان: تثنیہ ہے غمام کی بمعنی بادل۔ جمع غمائم، غیایتان: تثنیہ ہے بمعنی ہر وہ چیز جو انسان پر سایہ انداز ہو جمع غیایات۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ تم لوگ قرآن کریم پڑھا کرو اسلئے کہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے شفیع بن کر آئیگا، دو روشن یعنی سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھا کرو اس لیے کہ یہ دونوں قیامت کے دن دو

بادل، یا دو سایہ یا پرندوں کی دو صفوں کی طرح آئیں گی یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے کے بارے میں جھگڑیں گی، سورۂ بقرہ پڑھا کرو اس لیے کہ اس کالازم پکڑنا برکت ہے اور اس کو چھوڑ دینا افسوس ہے اور اہل باطل ہی اس کے پڑھنے کی ہمت نہیں رکھتے۔

تشریح: سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو جگمگاتی ہوئی سورتیں فرمایا گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں سورتیں نور وہدایت اور زیادہ ثواب کی وجہ سے روشن ہیں اور اس نورانیت میں دوسری سورتوں کی بنسبت ایسی ہیں جیسے سورج اور چاند کی نورانیت دوسرے ستاروں کے مقابلہ میں ہے۔ (مرقاۃ: ۴/۳۴۲)

ان سورتوں کی برکات کو بروز قیامت متشکل طور پر ظاہر ہونے کو تین صورتوں میں بیان کیا گیا:

(۱)...... پہلی صورت یہ بیان کی گئی کہ یہ سورتیں قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے حق میں گویا ابر کی دو ٹکڑیاں ہوں گی جو میدان حشر میں آفتاب کی گرمی سے بچاؤ کے لئے ان پر سایہ کریں گی۔

(۲)...... دوسری صورت یہ بیان کی گئی کہ یا وہ سایہ کرنے والی دو چیزیں ہوں گی لیکن گھنے ہونے میں بادل سے کم ہوں گی، اپنے پڑھنے والوں کے سروں پر بالکل قریب ہوں گی جیسا کہ امراء اور سلاطین کے سروں پر چھتری وغیرہ کا سایہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح اس صورت میں ان کے سروں پر سایہ بھی ہوگا اور روشنی بھی ہوگی۔

(۳)...... تیسری صورت یہ ہے کہ وہ پرندوں کی صف باندھے ہوئے دو ٹکڑیاں ہوں گی، جن کا سایہ بھی ہوگا اور جو اپنے پڑھنے والوں کے لئے اس بات کی وکالت وسفارش کریں گی کہ انہیں آخرت کی تمام ابدی سعادتوں سے نوازا جائے۔ "تحاجان عن أصحابهما" کنایہ ہے مبالغة في الشفاعة سے۔ (ایضاً)

إقرأوا سورة البقرة فإن أخذها بركة الخ: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ کے پڑھنے کا حکم دینا یہ تخصیص بعد تعمیم ہے۔ یعنی اولاً تو مطلق قرآن کریم پڑھنا کا حکم دیا اور یہ بتادیا کہ قیامت کے دن قرآن شفیع ہوگا پھر سورۂ بقرہ وآل عمران کے پڑھنے کا حکم دیا اور قیامت کے دن کی

گرمی سے نجات کا باعث قرار دیا۔ پھر تیسری مرتبہ صرف سورۂ بقرہ کے پڑھنے کا حکم دیا۔ اور اس کی تین خصوصیات بتائیں۔ ایک تو اس کی تلاوت پابندی سے کرنا اور اس کے معانی میں تدبر کرنا اور اوامر ونواہی پر عمل کرنا۔ برکت سے مراد منفعت عظیمہ ہے۔ دوسری یہ کہ اس کا چھوڑ دینا قیامت کے دن ندامت کا باعث ہے۔ تیسری یہ کہ اصل باطل اور کسلمند لوگ اس کے حصول اور پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (طیبی: ۲۲۵/۴)

و لا یستطیعها البطلة: قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بطلة سے مراد سحرۃ یعنی ساحر ہیں، اس لئے کہ جو فعل وہ کرتے ہیں وہ باطل ہے تو گویا ان کے فعل کے نام سے ان کو مسمیٰ کیا گیا۔

اور چونکہ وہ حق سے بھٹکے ہوئے اور اپنے باطل کام میں انہماک کی وجہ سے وساوس کے پیچھے ہوئے ہیں اس لئے سورۂ بقرہ کے پڑھنے اور حفظ کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ (ایضاً)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ اس سے مراد کسلمند اور سست لوگ ہیں جو اس سورت کے پڑھنے اور معانی میں تدبر کرنے اور اس کے اوامر اور نواہی پر عمل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ (نفحات التنقیح: ۲۱۸/۳)

قرآن پر عمل کرنے کی فضیلت

{۲۰۱۹} وَعَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُؤْتٰى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَآلِ عِمْرَانَ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ اَوْ كَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا۔ ﴿رَوَاهُ مُسْلِم﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۲۷۰/۱، باب فضل قرأة القرآن و سورة البقرة، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۰۶۔

حل لغات: یعملون: عمل (س) عملا عمل کرنا، تقدمہ: قدم (ن) قدوما آگے بڑھنا، شرق پھٹن جمع اشراق۔

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن قرآن اور اس پر عمل کرنے والے کو لایا جائے گا جس کی اگوائی سورہ بقرہ اور آل عمران اس طور پر کریں گی گویا کہ یہ دونوں بادل کی دو ٹکڑیاں ہیں، یا سایہ ہیں جن کے درمیان ایک پھٹن ہے یا پرندوں کی دو صفیں ہیں یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے کے بارے میں جھگڑیں گی۔

تشریح: یقول یوتی بالقرآن: یعنی قیامت کے دن قرآن کریم کو اسی کی شکل میں لایا جائے گا۔ یا اس کا ثواب لایا جائے گا محدثین نے دونوں طرح کے اقوال لکھے ہیں۔

الذین کانوا یعملون: یعنی قرآن کریم پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ اس پر عمل کرے۔ عمل کرنے ہی کی صورت میں فائدے کا ظہور ہوگا ورنہ صرف پڑھ لینا اور عمل نہ کرنا وبال جان ہے۔ "دل علی أن من قرأ ولم یعمل بہ لم یکن من اھل القرآن ولا یکون شفیعا لھم بل یکون القرآن حجۃ علیھم۔" (مرقاۃ: ۴/۳۴۳)

آیت الکرسی سب سے عظیم آیت

{۲۰۲۰} وَعَنْ أُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِیْ أَیُّ آیَۃٍ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالیٰ مَعَکَ اَعْظَمُ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِیْ اَیُّ آیَۃٍ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالیٰ مَعَکَ اَعْظَمُ قُلْتُ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ قَالَ فَضَرَبَ فِیْ صَدْرِیْ وَقَالَ لِیَھْنِکَ الْعِلْمُ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ۔ (رَوَاہُ المسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۲۷۱، باب فضل سورۃ الکھف و آیۃ الکرسی، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۱۰۔

حل لغات: تدری: دریٰ (ض) درایۃ، جاننا، لیھنک: ھنیء (س) ھنأ خوش کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے ابو المنذر کیا تم جانتے ہو تمہاری نظر میں کتاب اللہ کی سب سے عظیم کونسی آیت ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو المنذر: کیا تم جانتے ہو تمہاری نظر میں کتاب اللہ کی سب سے عظیم کونسی آیت ہے؟ میں نے کہا، "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" ابی بن کعب نے کہا فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر مار کر فرمایا اے ابو المنذر! تمہارا علم خوشگوار ہو۔ تمہیں علم مبارک ہو۔

تشریح: یا ابا منذر: یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

أتدری أی آیۃ الخ: یعنی اجر کے اعتبار سے کتاب اللہ کی سب سے بڑی آیت کونسی ہے؟

قلت اللّٰہ و رسولہ اعلم: ابتداءً جواب ادباً نہیں دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی ارشاد فرمائیں اور یا اس لئے کہ یہ سوچا ہو کہ ممکن ہے جس آیت کو میں اعظم سمجھتا ہوں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک ایسا نہ ہو۔

قال یا ابا المنذر الخ: انہوں نے لا علمی کا اظہار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات دوبارہ پوچھی۔ شاید اس دفع توجہ ڈال دی ہو جس کا فائدہ ان کو ہوا۔

قلت: اللّٰہ لا الٰہ الا ھو۔ الآیۃ: میں نے کہا: سب سے عظیم آیت ''آیت الکرسیٰ'' ہے۔

اس کو سب سے اعظم اس لئے قرار دیا گیا کہ اس میں توحید، تعظیم الٰہی، اسماءِ حسنیٰ اور صفات باری جیسے عظیم اور عالی مضامین کا بیان ہے۔

و قال لیھنک العلم یا ابا المنذر: العلم ترکیب میں فاعل ہے فعل مذکور کا۔

اے ابوالمنذر تمہیں تمہارا علم مبارک ہو۔ "لیھن" امر کا صیغہ ہے۔ اور بعض نسخوں میں "لیھنئ" ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اور وہی اصل بھی ہے۔ یہاں کتاب میں تخفیفا اس کو حذف کر دیا گیا۔ ای لیکن العلم هنیئا لك۔ هنئ اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو بسہولت بغیر مشقت کے حاصل ہو۔

هنؤ یهنؤ هناً باب کرم سے اور هنئ یهنأ باب سمع سے وهنأ یهنأ باب ضرب سے آتا ہے۔ اور اسی سے تهنئة بھی آتا ہے جو کہ تعزیۃ کی ضد ہے۔ کسی کو مبارکباد دینا اور کسی کی خوشی پر اظہار مسرت کرنا۔

فائدہ: شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ افسر اعلیٰ اور استاذ کے لئے مناسب ہے کہ وہ گاہے گاہے اپنے شاگرد اور ماتحت سے جس میں صلاحیت دیکھے امتحاناً کوئی سوال کرے تاکہ اس کی فضیلت اور خوبی دوسرے پر ظاہر ہو اور وہ بھی اس سے منتفع ہو نیز استاذ یا کسی اور بڑے کا اپنے فضلاء اصحاب اور لائق شاگردوں کی تعظیم کرنا۔ اور ایسے ہی کسی کے سامنے اس کی مدح کرنا جب کہ اس میں مصلحت ہو اور کوئی مضرت کا پہلو نہ ہو۔ (جیسے ممدوح کا اعجابِ نفس میں مبتلا ہونا) (الدر المنضود: ۶۰۶/۲)

آیت الکرسی کی برکت

{۲۰۲۱} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ وَكَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِیْ اٰتٍ فَجَعَلَ یَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ وَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَعَلَیَّ عِیَالٌ وَلِیْ حَاجَةٌ شَدِیْدَةٌ قَالَ فَخَلَّیْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ مَافَعَلَ اَسِیْرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! شَكَا حَاجَةً شَدِیْدَةً وَعِیَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ

وَسَيَعُوْدُ فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ سَيَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهٗ فَجَاءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعْنِيْ فَاِنِّيْ مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ لَا اَعُوْدُ فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَااَبَاهُرَيْرَةَ مَافَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ قَالَ اَمَّا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهٗ فَجَاءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا اٰخِرُ ثَلَاثِ مَرَّاتٍ اِنَّكَ تَزْعَمُ لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ قَالَ دَعْنِيْ اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ اَللّٰهُ لَااِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ حَتّٰى تَخْتِمَ الْاٰيَةَ۔ فَاِنَّكَ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَافَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ زَعَمَ اَنَّهٗ يُعَلِّمُنِيْ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُنِيْ اللّٰهُ بِهَا قَالَ اَمَا اِنَّهٗ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ وَتَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلَاثِ لَيَالٍ قُلْتُ لَا قَالَ ذَاكَ شَيْطَانٌ۔ ﴿رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۳۱۰، باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل الخ، کتاب الوکالۃ، حدیث نمبر: ۲۲۵۴۔

حل لغات: یَحْثُوْ (ن) حَثًّا بھرنا، جمع کرنا، الطعام: خوراک جمع اطعمۃ۔ خلیتُ: خلیٰ (تفعیل) چھوڑنا، اسیر قیدی جمع اسراء اساری۔ البارحۃ: گذشتہ رات، سیعود: عاد (ن) عودًا لوٹنا، فرصدتہ: رصد (ن) رصدًا و رصدًا انتظار کرنا، تزعم: زعم (ف) زعمًا پختہ ارادہ کرنا، وعدہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صدقہ اور فطرہ کی نگرانی پر مامور فرمایا۔ (میں وہیں موجود تھا اتنے میں) ایک آنے والے نے کھانا کو جمع کرنا شروع کر دیا، چنانچہ میں نے اس کو پکڑ کر کہا: میں تجھے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ضرور لے جاؤں گا۔ اس نے کہا: میں محتاج ہوں، میرے بچے ہیں اور مجھے شدید ضرورت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: چنانچہ میں نے اس کو چھوڑ دیا، جب صبح ہوئی تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! گذشتہ رات کے قیدی کو کیا کیا؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! اس نے شدید ضرورت اور بال بچے کی شکایت کی تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چوکنا رہو، اس نے جھوٹ بولا اور وہ عنقریب لوٹے گا۔ میں انتظار کرنے لگا۔ چنانچہ اس نے آکر غلّہ کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اس کو پکڑ کر کہا: میں تجھے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ضرور لے جاؤں گا، اس نے کہا: مجھے چھوڑ دیجئے، اس لئے کہ میں محتاج ہوں، میرے بچے ہیں، میں نہیں آؤں گا، مجھے رحم آگیا۔ چنانچہ میں نے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ابو ہریرہ! تو نے اپنے قیدی کے ساتھ کیا کیا؟ میں نے کہا یارسول اللہ! اس نے شدید ضرورت اور بال بچے کی شکایت کی، مجھے رحم آگیا۔ چنانچہ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چوکنا رہو اس نے جھوٹ کہا ہے اور وہ عنقریب لوٹے گا۔ میں انتظار کرنے لگا، چنانچہ اس نے آکر پھر غلّہ کو جمع کرنا شروع کر دیا، میں نے اس کو پکڑ کر کہا: میں تجھے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ضرور لے جاؤں گا۔ اس لئے کہ یہ تیسرا موقعہ ہے اور تو نے نہ آنے کا پختہ وعدہ کیا تھا، اور تو پھر آگیا، اس نے کہا: آپ مجھے چھوڑ دیجئے۔ میں آپ کو چند کلمات سکھلاؤں گا۔ جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو فائدہ پہونچائے گا۔ جب آپ اپنے بستر پر آئیں تو آیۃ الکرسی یعنی "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" آخر تک پڑھ لیا کریں۔ بے شک ایک نگہبان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ساتھ رہے گا۔ اور صبح تک آپ کے پاس کوئی شیطان نہیں آئے گا۔ چنانچہ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: آپ نے اپنے قیدی کے ساتھ کیا کیا؟

میں نے کہا: اس نے مجھے چند کلمات سکھانے کا وعدہ کیا جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ مجھے فائدہ پہونچائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ خبردار! اس نے سچ کہا حالانکہ وہ جھوٹا ہے کیا تم جانتے ہو کہ تین رات سے کس سے مخاطب تھے میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ شیطان تھا۔

تشریح: آیۃ الکرسی پڑھ لینے سے آدمی کی جان ومال، عزت وآبرو کی ہر طرح کے جناتی اثرات سے حفاظت کی جاتی ہے۔

وکلنی رسول اللہ ﷺ بحفظ زکوۃ رمضان: یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو صدقۂ فطر کے اموال کی حفاظت کے لئے نگہبان بنایا تاکہ بعد میں فقراء کے درمیان تقسیم کیا جاسکے۔ مابقیہ مضامین ترجمہ سے واضح ہے۔

اشکال مع جواب

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن ایک شیطان کو پکڑ کر چھوڑ دیا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت باطل نہ ہو جائے، تو پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس شیطان کو کیسے روک کے رکھا جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام سے مشابہت لازم آتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس کو باندھنے کا ارادہ کیا تھا وہ شیطانوں کا سردار تھا کہ اس پر قابو پانے سے تمام شیطانوں پر قادر ہونا لازم آتا ہے اور اسی سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔ اور یہاں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں خاص ایک شیطان مراد ہے، جس پر قابو پانے سے مشابہت سلیمان لازم نہیں آتی۔ لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شیطان اپنی اصلی شکل میں آیا تھا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس انسانی شکل میں آیا تھا۔ پہلی صورت میں مشابہت لازم آتی ہے۔ اور دوسری صورت میں مشابہت لازم نہیں آتی۔ فلا اشکال لہ۔

(درس مشکوۃ: ۲۱۴/ ۲، التعلیق: ۱۱/ ۳)

سورۂ فاتحہ اور بقرہ کی آخری آیت کی فضیلت

{۲۰۲۲} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ بَيْنَمَا جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِيْضًا مِنْ فَوْقِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ هٰذَا بَابٌ مِنَ السَّمَاءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ اِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ اِلَى الْاَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ اِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ اَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ اُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِنْهُمَا اِلَّا اُعْطِيْتَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۲۷۱، باب فضل الفاتحۃ و خواتیم سورۃ البقرۃ، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۰۶۔

حل لغات: قاعد: اسم فاعل ہے قَعَدَ (ن) قعدًا و قعودًا بیٹھنا، نقیضًا: آواز۔ فرفع: رَفَعَ (ف) رَفْعًا اٹھانا، او پر کرنا ملک: فرشتہ جمع مَلَائِک۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے (جبرئیل نے) اوپر سے ایک آواز سنی، انھوں نے سر اٹھا کر کہا یہ آسمان کا دروازہ ہے جو آج ہی کھلا ہے، آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا ہے، اس دروازے سے ایک فرشتہ اترا ہے آج سے پہلے وہ کبھی نہیں اترا ہے۔ اس فرشتے نے آکر سلام کیا اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں نور کی بشارت ہو۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک نور سورۃ فاتحہ اور دوسرا نور سورۃ بقرہ کی آخری آیت ہے جو ان دونوں کو پڑھ کر دعا کرے گا اس کی دعا قبول ہوگی۔

تشریح: قرآن میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیت دونوں چیزیں بڑی اہم ہیں،

اس لئے ان دونوں کا ورد رکھنا چاہئے تاکہ یہ دونوں قیامت کے دن نور بن کر اگوائی کریں۔

قاعد: قاعدٌ جبرئیل کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ ہاں لیکن بعض نسخوں میں قاعداً منصوب ہے، اس صورت میں قاعدا سے پہلے کان مقدر ماننا پڑے گا۔

فسمع نقیضا من فوقہ: یعنی آسمان سے کسی چیز کے ٹوٹنے یا دروازہ کھولنے کی آواز آئی۔

فرفع رأسہ فقال الخ: تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اوپر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا کہ یہ آسمان میں ایک دروازہ ہے آج ہی پہلی دفعہ کھلا ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔

فنزل عنہ ملک الخ: اور یہ نہیں کہ صرف دروازہ کھلا ہے بلکہ اس دروازے سے ایک فرشتہ بھی اترا ہے جو زمین پر پہلی دفعہ آ رہا ہے، اس سے پہلے وہ کبھی بھی نہیں آیا ہے۔

فسلم فقال أبشر الخ: چنانچہ وہ فرشتہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہوئے گویا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دو ایسے نور کی بشارت ہو جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ اور وہ دو نور ہیں: سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیت۔ ان دونوں کو نور کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت اور آیتیں قیامت کے روز روشنی کی شکل میں ہوں گی جو شخص ان دونوں کو پڑھ کر دعاء کرے گا اس کی دعا قبول ہوگی۔

فائدہ: سورۂ بقرہ کی آخری آیت سے مراد "آمن الرسول" سے لے کر آخری آیت تک ہے۔

والمراد آمن الرسول کذا قیل وتبعہ ابن حجر۔ (مرقاۃ: ۷/۳۴۷/۴)

سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

{۲۰۲۳} وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاٰیَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ مَنْ قَرَأَبِھِمَا فِیْ لَیْلَۃٍ کَفَتَاہُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۴۹/۲، باب فضل البقرۃ، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۱۸۔

مسلم شریف: ۲۷۱/۱، باب فضل الفاتحۃ وخواتیم سورۃ البقرۃ، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۰۷۔

حل لغات: لیلۃ: رات جمع لَیَالٍ۔ کفتاہ: کَفٰی (ض) کِفَایۃ۔ کافی ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھے گا اس کے لئے وہ کافی ہونگی۔“

تشریح: جو شخص رات کو سوتے وقت ان دونوں آیتوں کا ورد رکھتا ہے وہ انسان وجنات کی شرارت سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

الآیتان من آخر سورۃ البقرۃ: سورۃ بقرہ کی دو آیت سے مراد ”آمن الرسول“ سے آخیر سورت تک ہے۔

من قرأبھما فی لیلۃ کفتاہ: یعنی جو شخص رات کو ان دونوں آیتوں کو پڑھے گا اس کے لئے اس اعتبار سے کافی ہیں کہ کوئی انسان یا جنات اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، یا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں کو پڑھ لینے کی صورت میں رات بھر تہجد کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ بعضوں نے کہا قرآن کریم کی تلاوت کے لئے کافی ہوجائیں گی اور بعض نے کہا ہر برائی سے حفاظت کے لئے کافی ہوجائیں گی۔ لیکن ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں، سب جمع ہو سکتے ہیں۔ (فتح الباری: ۶۸/۹)

سورہ کہف کی پہلی دس آیتوں کی فضیلت

{۲۰۲۴} **وَعَنْ** اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَشْرَ اٰیَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُوْرَۃِ الْکَھْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ۔ ﴿رَوَاہُ مُسْلِمٌ﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۲۷۱/۱، باب فضل سورۃ الکھف وآیۃ الکرسی، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۰۹۔

حل لغات: حَفِظَ (س) حفظًا الکتاب زبانی یاد کرنا۔ عصم: عَصَمَ (ض) عَصْمًا بچانا، الدجال: ایک آدمی کانام جوآخری زمانے میں ظاہر ہوگا جمع دَجَّالُوْنَ۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جوشخص سورۃ کہف کی پہلی دس آیتوں کو یاد کرے گا وہ دجال سے محفوظ رہے گا۔''

تشریح: جس شخص کوسورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں یاد ہوں گی وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔

من حفظ الخ: حفظ سے مراد زبانی یاد کرنا ہے، یعنی جوشخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کو زبانی یاد رکھے گا اس کے لئے یہ فضیلت ہے۔

عصم من الدجال: یعنی دجال کے شرور وفتن سے محفوظ رہے گا۔

دجال سے مراد یا تو وہ دجال ہے جو آخری زمانہ میں پیدا ہوگا یا پھر ہر وہ جھوٹا اور فریبی مراد ہے جو اپنے جھوٹ اور فریب سے لوگوں کو پریشان کرتا ہے۔ (التعلیق: ۱۲/ ۳)

سورۂ اخلاص کی فضیلت

{۲۰۲۵} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَعْجِزُكُمْ اَنْ يَقْرَأَ فِيْ لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ قَالُوْا وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ قَالَ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ يَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۵۰، باب فضل قل ھو اللہ احد، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۲۴۔

مسلم شریف: باب فضل قرأة قل ھو اللہ احد، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۱۱۔

حل لغات: یعجز: عَجَزَ عاجز ہونا، لیلة: رات۔ جمع لیالی۔ تعدل: عَدَلَ (ض) عَدْلًا برابر کرنا۔

ترجمہ: ان ہی سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی شخص ایک رات میں تہائی قرآن پڑھنے سے عاجز ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کوئی شخص رات بھر میں تہائی قرآن کیسے پڑھے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" تہائی قرآن کے برابر ہے۔''

سورۂ اخلاص کے ثلث قرآن ہونے کا مطلب

تشریح: سورۂ اخلاص کے ثلث قرآن کے مساوی قرار دینے کی علماء نے مختلف وجوہ لکھی ہیں۔

(۱)......ابوالعباس بن سریج نے فرمایا: کہ قرآن کریم کی تین قسمیں ہیں:

(الف)......ایک ثلث تو اس میں احکام کا ہے۔

(ب)......دوسرا ثلث وعدوعید کا ہے۔

(ج)......اور تیسرا ثلث اسماء اور صفات پر مشتمل ہے۔

اور سورۂ اخلاص اس تیسری قسم پر مشتمل ہے اس لئے اس کو ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس توجیہ کو احسن قرار دیا ہے۔

(۲)......علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تین طرح کی ہے۔

الف......اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت۔

ب......اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کی معرفت۔

ج......اللہ تعالیٰ کے افعال کی معرفت۔

سورۂ اخلاص اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت پر مشتمل ہے۔ اس لئے اس کو ثلث القرآن قرار دیا۔

(۳)......امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ قرآن کریم کی مہمات تین ہیں:

الف......اللہ تعالیٰ کی معرفت۔

ب......آخرت کی معرفت۔

ج......اور صراط مستقیم کی معرفت۔

اصل معارف یہی تین ہیں، باقی توابع ہیں، اور سورۂ اخلاص ان میں سے ایک یعنی اللہ کی معرفت پر مشتمل ہے۔ اس لئے اس کو ثلث القرآن کہا گیا۔

(۴)......امام مازری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ قرآن کریم تین مضامین پر مشتمل ہے۔

الف......قصص۔ ب......احکام۔ ج......اللہ تعالیٰ کے اوصاف

سورۂ اخلاص میں تیسرا مضمون ہے اسلئے اس کو ثلث قرآن قرار دیا گیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں۔ سب جمع ہو سکتی ہیں۔ سورۂ اخلاص کو ثلث قرآن کے مساوی قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ثواب ثلث قرآن کی تلاوت کے ثواب کے برابر ہوتا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۰۳/ ۱۷، فتح الباری: ۵۷/ ۹)

اشکال مع جوابات

اشکال: اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی تین بار سورۂ اخلاص کی تلاوت کرلے تو اس کو پورے قرآن کا ثواب ملے گا تو پھر پورے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جوابات: (۱)......اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ثواب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ثواب اصلی اور دوسرا ثواب تضعیفی و فضلی۔ سورۂ اخلاص کی تلاوت جو شخص کرتا ہے اس کو اس کا اجر اصلی بھی ملتا ہے اور اس اجر اصلی کو بڑھا چڑھا کر اتنا کر دیا جاتا ہے کہ ثلث قرآن کے ثواب اصلی کے مساوی ہو جاتا ہے۔ تو اس کا اجر اصلی اور تضعیفی مل کر قرآن مجید کے ثلث کے اجر اصلی کے مساوی ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کا اجر اصلی ثلث قرآن کے اجر اصلی کے برابر ہوتا ہے۔ یا اس کا اجر تضعیفی ثلث قرآن کے اجر تضعیفی کے برابر ہے۔ یا اس کا اجر اصلی اور تضعیفی مل کر ثلث قرآن کے اجر اصلی اور تضعیفی کے برابر ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۲۳/ ۱)

(۲)...... دوسرا جواب یہ ہے کہ سورۂ اخلاص کی تلاوت کا ثواب اس لحاظ سے ثلث قرآن کے مساوی ہے کہ وہ مضامین قرآن میں سے ایک قسم پر مشتمل ہے۔ تو کوئی سورۂ اخلاص ایک مرتبہ پڑھے گا تو ایک ثلث کا ثواب ملے گا دوسری مرتبہ پڑھے گا تو اسی ثلث کا ثواب ملے۔ باقی دو مضامین کا ثواب سورۂ اخلاص کے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

(۳)...... تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۂ اخلاص کی قرأت اور تعلم کے لئے فرمایا کہ اس کا ثواب زیادہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ سورۂ اخلاص کا تین مرتبہ پڑھنا پورے قرآن کریم کی تلاوت کے برابر ثواب ہے۔ لہٰذا اگر دو سو مرتبہ بھی سورۂ اخلاص پڑھی جائے تب بھی پورے قرآن کے برابر نہیں ہوسکتی ہے۔ یہی رائے ہے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اسحق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کی۔ (مرقاۃ:۳۴۹/۴، التعلیق:۱۳/۳)

سورۂ اخلاص سے محبت

{۲۰۲۶} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا عَلٰى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِأَصْحَابِهٖ فِي صَلَاتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَلُوْهُ لِاَيِّ شَيْئٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فَسَأَلُوْهُ فَقَالَ لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَأَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف:۲/۱۰۹۷، باب ماجاء فی دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم امۃ الی توحید اللہ، حدیث نمبر:۷۰۲۸۔ مسلم شریف:۱/۲۷۱، باب فضل قرأۃ قل ھو اللہ احد، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر:۸۱۳۔

حل لغات: بعث: بَعَثَ (ف) بَعْثًا بھیجنا، رجلا: آدمی جمع رِجَال۔ سریۃ دستہ فوج، جمع سَرَایا۔ أصحاب: جمع صاحب کی بمعنی ساتھی، فیختم: خَتَمَ (ض) خَتْمًا ختم کرنا، پورا کرنا، رجعوا:

رَجَعَ (ض) رُجُوْعًا: واپس ہونا، لوٹنا۔ یصنع: صَنَعَ (ف) صَنْعًا بنانا، کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو کسی سریہ پر بھیجا وہ اپنے ساتھیوں کی امامت کے دوران نماز کو "قل ھو اللہ احد" سے مکمل کرتا تھا۔ جب وہ لوگ واپس ہوئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے معلوم کرو کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ لوگوں نے ان سے دریافت انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کی صفت ہے اور میں اس کو پڑھنا پسند کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو بتلادو کہ اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے۔

تشریح: بعث رجلا علی سریۃ: یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو کسی جماعت کا امیر بنا کر بھیجا۔

وکان یقرأ لأصحابه فی صلاتھم: چونکہ یہ لشکر کے امیر تھے اس لئے امامت بھی یہی کرتے تھے۔

فیختم بقل ھو اللہ احد: لیکن انہوں نے یہ انداز اپنایا کہ ہر رکعت میں سورۂ اخلاص کی قرأت شروع کردی جو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑا عجیب لگا۔

فلما رجعوا ذکروا ذلک الخ: جب یہ حضرات اپنی مہم سے واپس آئے تو ان امیر محترم کے طریقۂ کار کا تذکرہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا۔

فقال سلوہ لأی شیء یصنع ذلک: تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟

قال لأنھا صفۃ الرحمن الخ: انہوں نے جواب دیا کہ اس میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کی صفت سے مجھے چونکہ محبت ہے اس لئے میں اس سورت کو نماز میں بار بار پڑھا کرتا ہوں۔

فقال النبی ﷺ الخ: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ان کو

اطلاع دے دو کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔ اور اللہ کا دوست اور محبوب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ثواب خوب بڑھاتا ہے اور اس کو ہر طرح کے انعامات سے نوازتا ہے۔ (التعلیق: ۳/۱۳)

ایضاً

{۲۰۲۷} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنِّیْ اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ قَالَ اِنَّ حُبَّکَ اِیَّاهَا اَدْخَلَکَ الْجَنَّةَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی الْبُخَارِیُّ مَعْنَاهُ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۱۴، باب ماجاء فی سورة الاخلاص، ابواب فضائل القرآن، کتب خانہ رشیدیہ دھلی، حدیث نمبر: ۲۹۰۱۔ بخاری شریف: ۱/۱۰۷، کتاب الاذان، باب الجمع بین السورتین فی رکعة، حدیث نمبر: ۷۶۶۔

حل لغات: السورة: سورت، جمع: سُوَر، ادخلک: دَخَلَ (ن) دُخُوْلًا داخل ہونا، اَدْخَلَ (افعال) داخل کرنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سورت یعنی قل ھو اللہ احد سے محبت کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سورت سے تمہاری محبت تم کو جنت میں داخل کرے گی۔

تشریح: جو شخص سورۂ اخلاص کا ورد رکھے گا یہ سورت اس شخص کو جنت میں داخل کرے گی۔

ان رجلا: اس آدمی (صحابی) کا نام کلثوم تھا۔ قال میرك اسمه کلثوم۔ (مرقاۃ: ۴/۳۵۰)

انی احب ھذہ السورۃ: یعنی میں سورۂ اخلاص کو پڑھتا بھی ہوں اور سنتا بھی ہوں۔ مجھے دونوں صورتوں میں مزہ آتا ہے۔

قال إن حبک ایا ھا الخ: اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کو بشارت دی کہ تم کو چونکہ سورۂ اخلاص سے محبت ہے اس لئے اس سورت کی محبت تم کو جنت میں داخل کر کے دم لے گی۔

اشکال مع جواب

ماقبل کی حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا: "اخبروہ ان اللہ یحبہ" کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو محبوب رکھتے ہیں اور اس حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا ہے: یہ سورت اس کو جنت میں داخل کرادے گی، بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض نظر آتا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اس حدیث شریف کا جواب ماقبل والی حدیث کے جواب کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو محبوب رکھنے کا انجام اور نتیجہ جنت میں داخل کرنا ہی ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں رہا۔ (التعلیق: ۱۳/۳)

معوذتین کی فضیلت

{۲۰۲۸} وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَمْ تَرَ اٰيَاتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ ﴿رَوَاهُ مُسْلِمٌ﴾

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۷۲، باب فضل قرأۃ المعوذتین، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۸۱۴۔

حل لغات: انزلت: نَزَلَ (ض) نُزُوْلًا اترنا، انزال (افعال) اتارنا، اعوذ: عاذَ (ن) عَوْذًا پناہ لینا۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آج کی رات ایسی آیتیں اتاری گئی ہیں کہ اس طرح کی آیتیں کبھی نہیں دیکھی گئیں۔"

تشریح: انسان وجنات کی شرارت سے پناہ مانگنے میں معوذتین سے اچھی دوسری کوئی چیز نہیں ہے۔

الم تر: یہ خطاب عام ہے۔

لم یر مثلھن قط: یعنی لوگوں کی بدنظری، سحر، جادو، ٹونا، ٹوٹکا اور جنات کی شرارت سے حفاظت کے سلسلے میں ان آیات سے بڑھ کر کوئی دوسری آیت نہیں ہے۔(التعلیق:۱۴/۳)

بعض سورتیں پڑھ کر اپنے بدن پر دم کرنا

{۲۰۲۹} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ کُلَّ لَیْلَۃٍ جَمَعَ کَفَّیْہِ ثُمَّ نَفَثَ فِیْھِمَا فَقَرَأَ فِیْھِمَا قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ یَمْسَحُ بِھِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِہٖ یَبْدَأُ بِھِمَا عَلٰی رَأْسِہٖ وَوَجْھِہٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِہٖ یَفْعَلُ ذٰلِکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَمَّا اُسْرِیَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَابِ الْمِعْرَاجِ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۵۰، باب فضل المعوذات، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۲۶۔ ولم اجد فی مسلم۔

حل لغات: أوی: أوی (ض) اَوِیًّا پناہ لینا، آنا، فراشہ: بچھونا جمع افرشۃ: کفیہ: تثنیہ ہے کف کی، ہتھیلی جمع، اکُف: نفث: نَفْثًا پھونکنا، دم کرنا، الفلق: فَلَقَ (ض) فَلْقاً پھاڑنا، یمسح: مسح (ف) مَسْحًا پھیرنا، جسدہ: بمعنی بدن جمع اجساد۔ وجہ: چہرہ جمع وُجُوہ۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ ہر رات کو جب اپنے بستر پر آتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے پھر ان میں پھونک مارتے، اور

ان میں "قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس" پڑھ کر دم کرتے پھر جہاں تک ہوتا ان دونوں کو اپنے بدن پر پھیرتے، ہاتھ کا پھیرنا سر، چہرہ اور بدن کے اگلے حصے سے شروع کرتے۔ اس عمل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ فرماتے۔

تشریح: نفث: اس دم کو کہتے ہیں جس میں پھونک کے ساتھ ساتھ کچھ تھوک بھی نکل آئے۔

فقرأ فیهما الخ: اس حدیث شریف کے ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے دم کرتے اس کے بعد یہ تینوں سورتیں پڑھتے تھے، حالانکہ اس بات کا قائل کوئی نہیں ہے، اس لئے یہی کہا جائے گا کہ اس حدیث شریف کی تشریح یہ ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہاتھوں کو جمع کیا، پھر دم کرنے کا ارادہ کیا، ابھی دم کیا نہیں ہے بلکہ ارادہ کے بعد کچھ پڑھا اس کے بعد ہتھیلیوں پر دم کر کے تمام بدن پر پھیرا۔ فالمعنی جمع کفیه ثم عزم علی النفث فیهما فقرأ فیهما۔ (مرقاۃ: ۴/۳۴۱)

الفصل الثانی

قیامت کے دن عرش کے نیچے رہنے والی چیزیں

{۲۰۳۰} وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْقُرْآنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ لَهٗ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَالْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ تُنَادِي اَلَا مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

حواله: شرح السنة: ۷/ ۲۹۰، باب ثواب صلة الرحم واثم من قطعها، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۳۴۳۳۔

حل لغات: تحت: نیچے جمع تُحوت۔ العرش: شاہی تخت جمع عُروش، عَرَش (ن ض)

عَرْشًا تخت بنانا۔ **الامانة:** اَمِنَ (س) اَمنًا مطمئن ہونا، **الرحم:** رشتہ داری جمع اَرحام۔ **وصله:** وَصَلَ (ض) وَصْلًا رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا، مہربانی کرنا۔

ترجمه: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے نیچے ہونگی۔(۱) قرآن کریم جو بندوں سے جھگڑے گا اس کا ظاہر بھی ہے باطن بھی۔(۲) امانت (۳) رشتہ داری، یہ پکارے گی خبردار جس شخص نے مجھے ملایا اللہ اس کو ملائے گا اور جس شخص نے مجھے توڑا اللہ تعالیٰ اس کو توڑے گا۔''

تشریح: قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تین چیزوں کا عرش کے نیچے ہونا یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان چیزوں کو ایک خاص مقام اور قرب حاصل ہے۔ جس کی بنیاد پر ان کو اختیار کرنے والا اجروثواب سے محروم نہیں ہوگا اور ان کو ترک کرنے والا اور ان سے اعراض کرنے والا عذاب اور سزا سے محفوظ نہیں ہوگا۔

جیسا کہ بادشاہ اور سلطان کے مقربین سے ملنا اور شکرگذار ہونا یا ان سے اعراض کرنا اور شکایت کرنا بے اثر اور بے معنی نہیں ہوتا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تینوں کو مختص بالذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان جس چیز کا قصد کرتا ہے تو یا وہ چیز اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان دائر ہوگی کسی اور سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یا اس کے درمیان اور عامۃ الناس کے درمیان دائر ہوگی اور یا اس کا تعلق اس کے ساتھ اور اس کے اقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ ہوگا۔

اور ان تین چیزوں میں ''قرآن کریم'' بندے کے اللہ تعالیٰ سے جڑنے کا واسطہ ہے۔ جو شخص قرآن کریم کے احکام کی رعایت کرے گا اور اس کے ظاہر اور باطن کی اتباع کرے گا اس نے اپنے رب سے تعلق قائم کیا اور ربوبیت کے حقوق اداء کئے اور عبودیت کی ذمہ داریاں پوری کردیں۔

دوسری چیز ان میں سے ''امانت'' ہے۔ جس کا تعلق عامۃ الناس سے ہے کیونکہ ان کے اموال، اعراض اور ان کے تمام حقوق آپس میں امانت ہیں جو ان حقوق کی پاسداری کرے گا وہ عدل کو فروغ

دینے والا اور ظلم سے اعراض کرنے والا ہوگا۔اور تیسری چیز جس کا تعلق اپنے رشتہ داروں اور اقارب سے ہے وہ ”صلہ رحمی ہے“، تو جو اپنے رشتہ داروں سے دنیوی اور اخروی امور میں حسن سلوک کریگا وہ صلہ رحمی کے حقوق اداء کرنے والا اور ان سے بری الذمہ ہوگا۔(طیبی:۲۳۹/۴،مرقاۃ:۳۵۳/۴)

القرآن یحاج العباد له ظهر وبطن: [قرآن پاک بندوں سے جھگڑے گا۔]اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں قران کریم کے احکام پر عمل نہ کیا ہو قیامت کے روز قرآن کریم ان سے جھگڑے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو سزا دلوائے گا لیکن جن لوگوں نے اپنی دنیاوی زندگی میں قرآن کریم کی تعظیم بھی کی ہو اور اس پر عمل بھی کیا ہو تو قرآن حکیم ان کی طرف سے جھگڑا کرے گا یعنی بارگاہ رب العزت میں ان کی طرف سے وکالت کرے گا اور ان کی شفاعت کرے گا۔

قرآن کے لئے ظاہر اور باطن ہے، بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قرآن کریم کے کچھ معنی بالکل ظاہر ہیں۔یعنی احکام وغیرہ جن کو اکثر لوگ سمجھتے ہیں اور ان میں سے کسی غور وفکر اور تأمل کی ضرورت نہیں اور کچھ معنی اس طرح خفی ہیں جنہیں سمجھنے کے لئے غور وفکر اور تأمل کی ضرورت ہے اور ایسے مخفی اشارات پر موقوف ہیں جنہیں خواص مقربین اور علماء عاملین ہی سمجھ سکتے ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ظہر سے مراد قرآن حکیم کی ظاہری تلاوت ہے اور بطن سے مراد اس میں غور وفکر کرنا ہے۔

اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ظہر سے مراد ان قصوں کا ظاہر ہے جن میں کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب اور عقاب آیا ہے۔جبکہ بطن سے مراد وہ عبرت اور تنبیہ ہے جو امت میں ان قصوں کے پڑھنے اور سننے والے کو حاصل ہوتی ہے۔

علامہ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وجہ اچھی ہے؛لیکن اس صورت میں ظہر اور بطن صرف قرآن کریم کے قصص کے ساتھ مختص ہوگا۔جب کہ قرآن کریم قصص کے علاوہ پر بھی مشتمل ہے۔لہذا سب سے احسن وجہ یہ ہے کہ ظہر سے مراد وہ ہو جس پر ایمان لانے اور اس کے مقتضاء پر عمل کرنے میں تمام مکلفین برابر ہوں۔اور بطن سے مراد وہ حصہ ہو جس کو سمجھنے میں عباد اپنے علم وفہم کے تفاوت کی بناء پر

014 Kitab Fazailil Quraan

متفاوت ہوں۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ "یحاج العباد" کے بعد "ظهر وبطن" اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لایا گیا کہ جولوگ قرآن پر عمل نہیں کرتے ان سے قیامت کے دن قرآن حکیم کے بارے میں ہر شخص کی سمجھ اور اس کے علم کے بقدر ہی مواخذہ ہوگا۔ (التعلیق الصبیح: ۱۴/۳، بحوالہ نفحات التنقیح: ۲۲۱/۳-۲۲۰)

اس حدیث پاک کی توضیح فرماتے ہوئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ فضائل قرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

ان چیزوں کے عرش کے نیچے ہونے سے مقصود ان کا کمالِ تقرب ہے، یعنی حق سبحانہ وتقدس کے عالی دربار میں بہت ہی قریب ہوں گی۔ کلام اللہ شریف کے جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کی رعایت کی، اس کا حق ادا کیا، اس پر عمل کیا، ان کی طرف سے دربارِ حق سبحانہ تقدس میں جھگڑے گا اور شفاعت کرے گا۔ ان کے درجے بلند کرائے گا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ قرآن شریف بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے گا کہ اس کو جوڑا مرحمت فرمائیں، تو حق تعالیٰ شانہ کرامت کا تاج مرحمت فرمادیں گے، پھر وہ زیادتی کی درخواست کرے گا تو حق تعالیٰ شانہ اکرام کا پورا جوڑا مرحمت فرماویں گے۔ پھر وہ درخواست کرے گا کہ یااللہ! آپ اس شخص سے راضی ہوجائیں، تو حق سبحانہ وتقدس اس سے رضا کا اظہار فرمائیں گے اور جب کہ دنیا میں محبوب کی رضا سے بڑھ کر کوئی بھی بڑی سے بڑی نعمت نہیں ہوتی۔ تو آخرت میں محبوب کی رضا کا مقابلہ کون سی نعمت کرسکتی ہے؛ اور جن لوگوں نے اس کی حق تلفی کی ہے ان سے اس بارے میں مطالبہ کرے گا کہ میری کیا رعایت کی؟ میرا کیا حق ادا کیا؟

شرح احیاء میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ سال میں دومرتبہ ختم کرنا قرآن شریف کا حق ہے۔ اب وہ حضرات جو کبھی بھول کر بھی تلاوت نہیں کرتے، ذرا غور فرمالیں کہ اس قوی مقابل کے سامنے کیا جواب دہی کریں گے۔ موت بہرحال آنے والی چیز ہے، اس سے کسی طرح مفر نہیں۔

قرآن شریف کے ظاہر اور باطن ہونے کا مطلب ظاہر یہ ہے کہ ایک ظاہری معنی ہیں جن کو ہر شخص سمجھتا ہے اور ایک باطنی معنی ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھتا، جس کی طرف حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد نے اشارہ کیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس شخص نے خطا کی۔

بعض مشائخ نے ظاہر سے مراد اس کے الفاظ فرمائے ہیں کہ ان کی تلاوت میں ہر شخص برابر ہے اور باطن سے مراد اس کے معانی و مطالب ہیں۔ جو حسب استعداد مختلف ہوتے ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر علم چاہتے ہو تو قرآن پاک کے معانی میں غور وفکر کرو کہ اس میں اولین وآخرین کا علم ہے۔ مگر کلام پاک کے معنی کے لئے جو شرائط وآداب ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ ہمارے اس زمانہ کی طرح سے جو شخص عربی کے چند الفاظ کے معنی جان لے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بغیر کسی لفظ کے معنی جانے اردو ترجمہ دیکھ کر اپنی رائے کو اس میں داخل کردے۔

اہل فن نے تفسیر کے لئے پندرہ (۱۵) علوم پر مہارت ضروری بتلائی ہے۔ وقتی ضرورت کی وجہ سے مختصراً عرض کرتا ہوں، اس سے معلوم ہو جاوے گا کہ بطن کلام پاک تک رسائی ہر شخص کو نہیں ہو سکتی۔

اول: لغت جس سے کلام پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہو جاویں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو جائز نہیں کہ بدون معرفت لغاتِ عرب کے کلام پاک میں کچھ لب کشائی کرے اور چند لغات کا معلوم ہو جانا کافی نہیں، اس لئے کہ بسا اوقات لفظ چند معانی میں مشترک ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک دو معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔

دوسرے: نحو کا جاننا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اعراب کے تغیر وتبدل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔

تیسرے: صَرْف کا جاننا ضروری ہے۔ اس لئے کہ بنا اور صیغوں کے اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔

ابن فارس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس شخص سے علم صرف فوت ہوگیا اس سے بہت کچھ فوت ہوگیا۔

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ اعجوباتِ تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کلام پاک کی آیت "یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ" (سورۃ اسرائ:۷۱)[جس دن کہ پکاریں گے ہم ہر شخص کو اس کے مقتدا اور پیشرو کے ساتھ۔]اس کی تفسیر صرف کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کی کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کو اس کی ماؤں کے ساتھ۔امام کا لفظ جو مفرد تھا اس کو ام کی جمع سمجھ گیا، اگر وہ صرف سے واقف ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ ام کی جمع امام نہیں آتی۔

چوتھے: اشتقاق کا جاننا ضروری ہے، اس لئے کہ لفظ جب کہ دو مادوں سے مشتق ہو تو اس کے معنی مختلف ہوں گے، جیسا کہ مسیح کا لفظ ہے کہ اس کا اشتقاق مسح سے بھی ہے، جس کے معنی چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں اور مساحت سے بھی ہے، جس کے معنی پیمائش کے ہیں۔

پانچویں: علم معانی کا جاننا ضروری ہے۔جس سے کلام کی ترکیبیں معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔

چھٹے: علم بیان کا جاننا ضروری ہے، جس سے کلام کا ظہور وخفا، تشبیہ وکنایہ معلوم ہوتا ہے۔

ساتویں: علم بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔

یہ تینوں فن علم بلاغت کہلاتے ہیں، مفسر کے اہم علوم میں سے ہیں، اس لئے کہ کلام پاک جو سراسر اعجاز ہے، اسی سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔

آٹھویں: علم قراءت کا جاننا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ مختلف قراءتوں کی وجہ سے مختلف معنی معلوم ہوتے ہیں اور بعض معنی کی دوسرے معنی پر ترجیح معلوم ہو جاتی ہے۔

نویں: علم عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے۔اس لئے کہ کلام پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے ظاہری معنی کا اطلاق حق سبحانہ وتقدس پر صحیح نہیں، اس لئے ان میں کسی تاویل کی ضرورت پڑے گی جیسے کہ "يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ" (سورۂ فتح:۱۰)

دسویں: اصولِ فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ جس سے وجوہِ استدلال واستنباط معلوم ہوسکیں۔

گیارہویں: اسبابِ نزول کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ شانِ نزول سے آیت کے معنی زیادہ واضح

ہوں گے اور بسا اوقات اصل معنی کا معلوم ہونا بھی شانِ نزول پر موقوف ہوتا ہے۔

بارہویں: ناسخ و منسوخ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ منسوخ شدہ احکام معمول بہا سے ممتاز ہوسکیں۔

تیرہویں: علم فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

چودہویں: ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو قرآنِ پاک کی مجمل آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔

ان سب کے بعد پندرہواں علم وہبی ہے جو حق سبحانہ وتقدس کا عطیہ خاص ہے، اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے، جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے: "مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ" [جب کہ بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے، تو حق تعالیٰ شانہ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا۔]

اسی کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اشارہ فرمایا: جب کہ ان سے لوگون نے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کو کچھ خاص علوم عطا فرمائے ہیں یا خاص وصایا جو عام لوگوں کے علاوہ آپ کے ساتھ مخصوص ہیں؟

انہوں نے فرمایا: کہ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس نے جنت بنائی اور جان پیدا کی، اس فہم کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جس کو حق تعالیٰ شانہ اپنے کلام پاک کے سمجھنے کے لئے کسی کو عطا فرمادیں۔

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ علومِ قرآن اور جو اس سے حاصل ہو وہ ایسا سمندر ہے کہ جس کا کنارہ نہیں، یہ علوم جو بیان کئے گئے، مفسر کے لئے بطور آلہ کے ہیں، اگر کوئی شخص ان علوم کی واقفیت بغیر تفسیر کرے تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے، جس کی ممانعت آئی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے علم عربیہ طبعاً حاصل تھے اور بقیہ علوم مشکوۃ نبوت سے مستفاد تھے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شاید تجھے خیال ہو کہ علم وہبی کا حاصل کرنا بندہ کی قدرت سے باہر ہے، لیکن حقیقت ایسی نہیں بلکہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ ان اسباب کا حاصل کرنا ہے جس پر حق تعالیٰ شانہ اس کو مرتب فرماتے ہیں، مثلاً علم پر عمل اور دنیا سے بے رغبتی وغیرہ وغیرہ۔

"کیمیائے سعادت" میں لکھا ہے کہ قرآن شریف کی تفسیر تین شخصوں پر ظاہر نہیں ہوتی۔

اول: وہ جو علوم عربیہ سے واقف نہ ہو۔

دوسرے: وہ شخص جو کسی کبیرہ پر مصر ہو یا بدعتی ہو کہ اس گناہ اور بدعت کی وجہ سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے معرفت قرآن سے قاصر رہتا ہے۔

تیسرے: وہ شخص کہ کسی اعتقادی مسئلہ میں ظاہر کا قائل ہو اور کلام اللہ شریف کی جو عبارت اس کے خلاف ہو اس سے طبیعت اچٹتی ہو، اس شخص کو بھی فہم قرآن سے حصہ نہیں ملتا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُمْ۔

قرآن کو ترتیل سے پڑھنے کی فضیلت

{۲۰۳۱} **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا۔ ﴿رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ﴾

حوالہ: مسند احمد: ۲/۱۹۲، حدیث نمبر: ۶۷۹۹۔ ترمذی شریف: ۲/۱۱۹، ابواب فضائل القرآن، باب من الاجر، حدیث نمبر: ۲۹۱۴۔ ابوداؤد شریف: ۱/۲۰۶، باب کیف یستحب الترتیل فی القرأة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۴۶۴۔

حل لغات: صاحب: ساتھی جمع اصحاب۔ ارتق: رَقِیَ (س) رقیًا، ارتقی (افتعال) پہاڑ پر چڑھنا۔ رتل: رتَّلَ (تفعیل) القرآن قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ الدنیا: موجودہ زندگی جمع دُنٰی۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے دن صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا، پس تیری منزل وہاں ہوگی جہاں تو آخری آیت پڑھے گا۔“

تشریح: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ اس حدیث پاک کی توضیح فرماتے ہوئے فضائل قرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

صاحب القرآن سے بظاہر حافظ مراد ہے۔

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تفصیل سے اس کو واضح کیا ہے کہ یہ فضیلت حافظ ہی کے لئے ہے۔ ناظرہ خواں اس میں داخل نہیں۔

اول: اس وجہ سے کہ صاحب قرآن کا لفظ بھی اس طرف مشیر ہے۔

دوسرے: اس وجہ سے کہ مسند احمد کی روایت میں ہے: "حَتّٰى يَقْرَأَ شَيْئًا مَعَهٗ" [یہاں تک کہ پڑھے جو کچھ قرآن شریف اس کے ساتھ ہے۔] یہ لفظ اس امر میں زیادہ ظاہر ہے کہ اس سے حافظ مراد ہے۔ اگرچہ محتمل وہ ناظرہ خواں بھی ہے جو کہ قرآن شریف بہت کثرت کے ساتھ پڑھتا ہو۔

''مرقاۃ'' میں لکھا ہے: کہ وہ پڑھنے والا مراد نہیں، جس کو قرآن لعنت کرتا ہو، یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ بہت قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ وہ قرآن کو پڑھتے ہیں اور قرآن ان کو لعنت کرتا ہے، اس لئے اگر کسی شخص کے عقائد وغیرہ درست نہ ہوں تو قرآن شریف کے پڑھنے سے اس کی مقبولیت پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ خوارج کے بارے میں بکثرت اس قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

ترتیل سے تلاوت کرنا

ترتیل کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ ترتیل لغت میں صاف اور واضح طور سے پڑھنے کو کہتے ہیں اور شرع شریف میں کئی چیز کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرنے کو کہتے ہیں:

اول: حرفوں کو صحیح نکالنا، یعنی اپنے مخرج سے پڑھنا تاکہ ''طا'' کی جگہ ''تا'' اور ''ضاد'' کی جگہ ''ظا'' نہ نکلے۔

دوسرے: وقوف کی جگہ پر اچھی طرح سے ٹھہرنا۔ تاکہ وصل اور قطع کلام بے محل نہ ہو جاوے۔

تیسرے: حرکتوں میں اشباع کرنا،یعنی زبر زیر پیش کو اچھی طرح ظاہر کرنا۔

چوتھے: آواز کو تھوڑا سا بلند کرنا تاکہ کلام پاک کے الفاظ زبان سے نکل کر کانوں تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اثر کریں۔

پانچویں: آواز کو ایسی طرح سے درست کرنا کہ اس میں درد پیدا ہو جاوے اور دل پر جلدی اثر کرے کہ درد والی آواز دل پر جلدی اثر کرتی ہے اور اس سے روح کو قوت اور اَثر زیادہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اطباء نے کہا ہے: کہ جس دوا کا اثر دل پر پہنچانا ہو،اس کو خوشبو ملا کر دیا جائے کہ دل اس کو جلدی کھینچتا ہے اور جس دوا کا اثر جگر میں پہنچانا ہو اس کو شیرینی میں ملایا جائے کہ جگر مٹھائی کا جاذب ہے۔اسی وجہ سے بندہ کے نزدیک اگر تلاوت کے وقت خوشبو کا خاص استعمال کیا جاوے تو دل پر تاثیر میں زیادہ تقویت ہوگی۔

چھٹے: تشدید اور مد کو اچھی طرح ظاہر کیا جاوے کہ اس کے اظہار سے کلام پاک میں عظمت ظاہر ہوتی ہے اور تاثیر میں اعانت ہوتی ہے۔

ساتویں: آیاتِ رحمت وعذاب کا حق ادا کرے، جیسا کہ تمہید میں گذر چکا۔

یہ سات چیزیں ہیں جن کی رعایت ''ترتیل'' کہلاتی ہے،اور مقصود ان سب سے صرف ایک ہے، یعنی کلامِ پاک کا فہم وتدبر۔

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کلام اللہ شریف کس طرح پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا: کہ سب حرکتوں کو بڑھاتے تھے،یعنی زبر زیر وغیرہ کو پورا نکالتے تھے اور ایک ایک حرف الگ الگ ظاہر ہوتا تھا۔ترتیل سے تلاوت مستحب ہے۔اگرچہ معنی نہ سمجھتا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں ترتیل سے ''اَلْقَارِعَةُ'' اور ''اِذَا زُلْزِلَتِ'' پڑھوں، یہ بہتر ہے اس سے کہ بلا ترتیل سورۂ بقرہ اور آلِ عمران پڑھوں۔

شراح اور مشائخ کے نزدیک حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ قرانِ پاک کی ایک ایک آیت پڑھتا جا اور ایک ایک درجہ اوپر چڑھتا جا۔اس لئے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے درجات

کلام اللہ شریف کی آیات کے برابر ہیں، لہٰذا جو شخص جتنی آیات کا ماہر ہوگا اتنے ہی درجے اوپر اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص تمام کلام پاک کا ماہر ہوگا وہ سب سے اوپر کے درجے میں ہوگا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ قرآن پڑھنے والے سے اوپر کوئی درجہ نہیں، پس قراء آیت کی بقدر ترقی کریں گے۔

اور علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل فن کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کی آیات چھ ہزار ہیں، لیکن اس کے بعد کی مقدار (یعنی تعداد) میں اختلاف ہے اور اتنے اقوال نقل کئے ہیں: ۲۰۴، ۱۴، ۱۹، ۲۵، ۳۶۔

شرح احیاء میں لکھا ہے کہ ہر آیت ایک درجہ ہے جنت میں، پس قاری سے کہا جاوے گا کہ جنت کے درجات پر اپنی تلاوت کے بقدر چڑھتے جاؤ، جو شخص قرآن پاک تمام پورا کرلے گا وہ جنت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچے گا اور جو شخص کچھ حصہ پڑھا ہوا ہوگا وہ اس کی بقدر درجات پر پہنچے گا۔ بالجملہ منتہائے ترقی منتہائے قرأت ہوگی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: کہ بندہ کے نزدیک حدیث بالا کا مطلب کچھ اور معلوم ہوتا ہے، "فَإِنْ كَانَ صَوَابًا فَمِنَ اللهِ وَإِنْ كَانَ خَطَأً فَمِنِّيْ وَمِنَ الشَّيْطَانِ وَاللهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْهُ بَرِيْئَانِ۔" [اگر درست ہو تو حق تعالیٰ شانہ کی اعانت سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری اپنی تقصیر سے ہے] حاصل اس مطلب کا یہ ہے کہ حدیث بالا سے درجات کی وہ ترقی مراد نہیں جو آیات کے لحاظ سے فی آیت ایک درجہ ہے، اس لئے کہ اس ترقی میں ترتیل سے پڑھنے نہ پڑھنے کو بظاہر کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ جب ایک آیت پڑھی جائے ایک درجہ کی ترقی ہوگی، عام ہے کہ ترتیل سے وہ یا بلا ترتیل، بلکہ اس حدیث شریف میں بظاہر دوسری ترقی باعتبار کیفیت مراد ہے، جس میں ترتیل سے پڑھنے نہ پڑھنے کو دخل ہے، لہٰذا جس ترتیل سے دنیا میں پڑھتا تھا اسی ترتیل سے آخرت میں پڑھ سکے گا اور اس کے موافق درجات میں ترقی ہوتی رہے گی۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث شریف نقل کی ہے کہ اگر دنیا میں بکثرت تلاوت کرتا رہا،

تب تو اس وقت بھی یاد ہوگا ورنہ بھول جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماویں کہ ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو والدین نے دینی شوق میں یاد کرادیا تھا، مگر وہ اپنی لاپرواہی اور بے توجہی سے دنیا ہی میں ضائع کردیتے ہیں اور اس کے بالمقابل بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص قرآن پاک یاد کرتا ہوا اور اس میں محنت و مشقت برداشت کرتا ہوا مر جائے وہ حفاظ کی جماعت میں شمار ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہ کے یہاں عطا میں کمی نہیں، کوئی لینے والا ہو۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

جو دل قرآن سے خالی

{۲۰۳۲} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهٖ شَيْئٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱۱۹/۲، ابواب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۱۳، سنن الدارمی: ۵۲۱/۲، باب فضل من قرأ القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۳۳۰۶۔

حل لغات: جوف: خالی جگہ، پیٹ، جمع اجْوَاف مراد دل ہے، الخرب: ویران جگہ خَرِبَ (س) خَرْبًا ویران ہونا۔ البیت گھر جمع بیوت۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”وہ شخص جس کے دل میں قرآن کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے وہ اجڑے ہوئے گھر کی طرح ہے۔“

تشریح: ان الذی لیس فی جوفه الخ: ”دل“ انسانی جسم کا سب سے

اہم حصہ ہے، جب اس میں کوئی بھی آیت نہیں ہے یعنی اس شخص کو سرے سے قرآن کریم کی کوئی آیت یادنہیں ہے تو وہ دل ویران اور بے رونق ہے۔ ظاہراً دیکھنے میں آدمی آراستہ اور پیراستہ ضرور نظر آئے لیکن حقیقت میں وہ ویران جگہ اور ویران گھر کی طرح ہے کہ اس میں کسی قسم کے سکون واطمینان کا نام ہی نہ ہوگا۔

فی جوفہ: جوف سے مراد دل ہے۔ وقال الطیبی اطلق الجوف واریدبہ القلب۔ (مرقاۃ: ۴/۳۵۴)

نیز اس سے یا تو حفظ مراد ہے۔ یا مطلقاً مراد ہے خواہ یاد ہو یا دیکھ کر پڑھتا ہو اور غیر آباد گھر کے ساتھ تشبیہ دینے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جس طرح غیر آباد گھر میں ہر قسم کے جانور کتے، بلی آتے جاتے ہیں۔ سانپ بچھو بھی رہتے ہیں۔ اسی طرح اس شخص کے دل میں ہر قسم کے شیاطین آزادانہ طور پر داخل ہو کر گناہ ومعاصی کراتے رہتے ہیں۔ (درس مشکوۃ: ۲/۲۱۴، التعلیق: ۳/۱۵، الطیبی: ۴/۲۹۳)

مشغولیت بالقرآن کی فضیلت

{۲۰۳۳} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی: مَنْ شَغَلَہُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِکْرِیْ وَمَسْأَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا أُعْطِیَ السَّائِلِیْنَ وَفَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۲۰، ابواب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۲۶۔ دارمی: ۲/۵۳۳، کتاب فضائل القرآن، باب فضل کلام اللہ علی سائر الکلام الخ، حدیث نمبر: ۳۳۵۶۔ شعب الایمان للبیھقی: ۲/۳۵۳، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی ادمان تلاوتہ، حدیث نمبر: ۲۰۱۵۔

حل لغات: الرب: پالن ہار، جمع ارباب، شغله: شَغَلَ (ف) شُغْلًا مشغول کرنا۔ اعطیته: عطا (ن) عَطْوًا لینا، اعطی (افعال) دینا، خلقه: مخلوق جمع خَلَائق۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن کریم نے جس شخص کو میرے ذکر اور میری دعا سے مشغول رکھا میں اس کو اس سے افضل دوں گا جو سائلین کو دیا جاتا ہے اور کلام اللہ کو تمام کلاموں پر ایسے ہی برتری حاصل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوقات پر۔''

تشریح: من شغله القرآن: یعنی جو شخص قرآن کریم پڑھنے، اس کو پڑھانے، اور اس سے مسائل واحکام مستنبط کرنے یا اس پر عمل کرنے میں اس قدر مشغول ہو گیا کہ وہ نہ ہی دوسرے وظائف پڑھ سکا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگنے کی فرصت ہو سکی۔ ایسی صورت میں وہ چیزیں جو ان امور کے عدم انجام دہی کی صورت میں مانگ سکتا تھا اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں سے بھی عمدہ عنایت کرے گا۔

وفضل کلام الله تعالی الخ: عرب کا مشہور مقولہ ہے کہ ''کلام الملوك مَلِك الکلام'' [کہ بادشاہ کا کلام بھی کلام کا بادشاہ ہوتا ہے۔] اس لئے اللہ تعالیٰ کا کلام بھی ''کلام اللہ'' ہونے کے ناطے تمام کلاموں پر ایسی ہی فوقیت رکھتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس تمام مخلوقات پر۔ یعنی جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلے میں مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں ہے ایسے ہی کلام اللہ کے مقابلے میں دوسرے کلام کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قرآن کریم قدیم غیر مخلوق ہے۔ (التعلیق: ۱۵/ ۳)

قرآن کریم کے ایک حرف پڑھنے کا ثواب

{۲۰۳۴} وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ

بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ، اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۱۹/۲، باب ماجاء فیمن قرأ حرفا من القرآن، ابواب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۱۰، دارمی: ۵۲۱/۲، باب فضل من قرأ القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۳۳۰۸۔

حل لغات: حرفا: حرف جمع حروف۔ حسنة: نیکی جمع حسنات۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ”الم“ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام دوسرا حرف ہے اور میم تیسرا حرف ہے۔“

تشریح: من قرأ حرفا من کتاب اللہ: یعنی کوئی شخص قرآن کریم سے ایک حرف بھی پڑھتا ہے تو اس کو کم سے کم دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ عمل کرنے والے کی نیت اور خلوص کے مطابق بہت زیادہ بڑھا کر بھی ثواب دیتا ہے۔ ”من جاء بالحسنة فله عشر امثالها“ [جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ہے۔] (آسان ترجمہ) ”والله يضاعف لمن يشاء“ (سورۂ بقرہ) [اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔] (آسان ترجمہ)

لا اقول الم حرف: آگے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی اہمیت کے پیش نظر مزید وضاحت فرمائی کہ ”الم“ ایک حرف نہیں۔ بلکہ یہ ایک لفظ ہے اور اس میں تین حروف ہیں۔ اگر کوئی شخص الٓمّٓ پڑھتا ہے تو اس کو دس نیکی نہیں بلکہ تین حروف ہونے کی بنیاد پر اس کو کم از کم تیس نیکیاں ملیں گی۔ آگے اس شخص میں جتنا خلوص ہوگا ثواب میں اتنا اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

قرآن سرچشمۂ ہدایت

{۲۰۳۵} **وَعَنِ** الْحَارِثِ الاَعْوَرِ قَالَ مَرَرْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ یَخُوْضُوْنَ فِی الْاَحَادِیْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰی عَلِیٍّ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَوَقَدْ فَعَلُوْهَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَمَا اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلَا اِنَّهَا سَتَکُوْنُ فِتْنَةٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ کِتَابُ اللّٰهِ فِیْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَکُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ وَحُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَکَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَمَنِ ابْتَغٰی الْهُدٰی فِیْ غَیْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ وَهُوَ الذِّکْرُ الْحَکِیْمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ هُوَ الَّذِیْ لَا تَزِیْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَلَا یَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا یَخْلَقُ عَنْ کَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا یَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ هُوَ الَّذِیْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰی قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ وَمَنْ حَکَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَیْهِ هُدٰی اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ اِسْنَادُهٗ مَجْهُوْلٌ وَفِی الْحَارِثِ مَقَالٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۱۸/۲، باب ماجاء فی فضل القرآن، ابواب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۰۶۔ دارمی: ۵۲۶/۲، باب فضل من قرأ القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۳۳۳۱۔

حل لغات: یخوضون: خاض (ن) خوضًا فی الحدیث مشغول ہونا، الأحادیث: جمع ہے حدیث بمعنیٰ بات، فاخبرته، خَبَر (ن) خَبرًا تجربہ سے جاننا، حقیقت حال سے واقف ہونا، اخبر: (افعال) خبر دینا، فتنة فتنہ جمع فِتَن۔ نبأ: خبر جمع انباء، الهزل: هَزَلَ (ض) هَزْلًا ٹھٹھا کرنا، قصمه:

قَصَمَ (ض) قَصْمًا ہلاک کرنا، حبل: رسی جمع حِبَال: الصراط: راستہ، جمع صُرُط۔ لاتزیغ: زاغ (ض) زیغًا ٹیڑھا ہونا۔ یشبع: شَبَعَ (ف) شَبَعًا شکم سیر ہونا، آسودہ ہونا، ینقضی: قضٰی (ض) قضاءً پورا کرنا، انقضی (انفعال) ختم ہونا۔

ترجمہ: حضرت حارث اعور رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں ایک مسجد میں گیا تو لوگوں کو دیکھا کہ لوگ باتوں میں مشغول ہیں تو میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ملاقات کر کے ان کو آگاہ کیا تو انھوں نے فرمایا: کہ کیا ان لوگوں نے ایسا ہی کیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ انھوں نے فرمایا: کہ غور سے سنو میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خبردار عن قریب فتنہ واقع ہوگا۔ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! اس سے نجات کی کیا صورت ہوگی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کتاب اللہ اس میں تمھارے اگلے اور پچھلے لوگوں کے درپیش حالات کے احکام ہیں۔ اور وہ حالات بھی ہیں جو تمہارے درمیان ہیں۔ وہ فصل ہے یہ مذاق نہیں ہے، جس شخص نے اس کو کبر کی بنیاد پر چھوڑا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا اور جو شخص قرآن کے علاوہ ہدایت کو تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دے گا۔ وہ (قرآن) اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، وہ پُرحکمت ذکر ہے اور وہ سیدھا راستہ ہے۔ قرآن کریم وہ سرچشمہ ہدایت ہے جس کی پیروی کی وجہ سے خواہشات نفس حق سے باطل کی طرف مائل نہیں ہوتی ہیں، اس سے کوئی زبان نہیں ملتی ہے، علماء اس سے سیر نہیں ہوتے، قرآن کریم کثرتِ تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا ہے، اس کے عجائب ختم نہیں ہوں گے، قرآن کریم وہ کلام ہے کہ جنات نے سنا تو وہ فوراً بول اٹھے ہم نے عجیب قرآن سنا جو راستہ دکھاتا ہے اس لئے ہم اس پر ایمان لائے، جس شخص نے قرآن کے مطابق کہا، اس نے سچ کہا، جس شخص نے اس پر عمل کیا اس کو اجر دیا جائے گا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس شخص نے اس کی طرف بلایا اس نے سیدھی راہ کی ہدایت کی۔

تشریح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوض کے معنی دراصل "الشروع فی الماء والمرور فیہ" پانی میں گذرنے کے آتے ہیں، اور قران حکیم میں اکثر غیر پسندیدہ چیزوں کے شروع کے بارے میں خوض مستعمل ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ" (سورۃ الانعام: ۹۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ’’احادیث‘‘ سے مراد لوگوں کی اور دنیا کی باتیں ہیں، اور فضول قصے اور حکایات ہیں کہ لوگ تلاوت اور قرآن کریم، ذکر واذکار اور اوراد چھوڑ کر ان فضولیات میں لگے ہوئے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صفات متشابہ کی باتیں ہیں جن میں بحث کرنا اور جھگڑنا ممنوع ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ بھی ہے کہ اس سے مراد احادیث نبویہ ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ احادیث نبویہ کی بحث میں مبالغہ سے کام لیتے تھے اور قرآن سے بالکل لاتعلق تھے تو اس وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو وعید سنائی۔ (طیبی: ۴/۲۴۴، ۲، مرقاۃ: ۳۵۶/۴)

من ترکہ من جبار: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے قرآن مجید کے کسی ایک کلمہ یا ایک آیت پر از راہ تکبر عمل کرنا چھوڑ دیا جس پر عمل کرنا واجب تھا یا تکبر کی وجہ سے ایک کلمہ یا ایک آیت کی تلاوت چھوڑ دی تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص سستی، عجز یا ضعف کی وجہ سے تلاوت چھوڑ دے جب کہ دلی طور پر وہ قرآن کی عظمت اور حرمت کا معتقد ہے تو اس پر ترک تلاوت کی وجہ سے گناہ تو نہیں۔ البتہ وہ ثواب سے محروم ہوگا۔ (طیبی: ۲۴۵/۴، مرقاۃ: ۳۵۷/۴)

’’ھو الذی لا تزیغ بہ الا ھواء: [خواہشات انسانی حق سے باطل کی طرف مائل نہیں ہوتیں۔] اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کریم کی اتباع کرے اور اپنی زندگی کے ہر موڑ پر قرآن کی رہنمائی کا طلب گار ہو تو وہ ہر گمراہی اور ہر ضلالت سے محفوظ رہتا ہے۔ توفیق الٰہی اسے اسی راستہ پر گامزن رکھتی ہے جو حق و ہدایت کی شاہراہ ہوتی ہے۔

اشکال وجواب

اشکال: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ایک اشکال نقل فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اہل بدعت، روافض،

خوارج اور موجودہ دور کے دیگر باطل فرقے قرآن سے استدلال کرتے ہیں اور اس کے باوجود گمراہی سے محفوظ نہیں ہوتے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہی بات محل نظر ہے کہ قرآن کریم سے ان کا استدلال حقیقت پر مبنی بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ ان کا استدلال بالکل غلط زاویہ فکر سے ہوتا ہے۔ پہلے تو وہ اپنے خیالات اور نظریات کی ایک عمارت بنالیتے ہیں پھر اس کی مضبوطی کے لئے قرآن کا سہارا لیتے ہیں۔اس طرح وہ قرانی آیات کو ان کے حقیقی مفہوم ومعانی سے الگ کرکے اپنے خیالات ونظریات پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔جب کہ اہل حق اپنے خیالات وعقائد کو قرآن حکیم کے تابع بناتے ہیں۔قران کریم کی واضح ہدایات کی روشنی میں وہ اپنے اعتقادات کو آراستہ کرتے ہیں۔اور گمراہ ذہن کے لوگ قرآن کو اپنے خیالات ونظریات کا تابع بناتے ہیں۔اور دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ قرآن ہی سے استدلال کرکے کہتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ احادیث اور دیگر ذرائع جو قرآن کے فہم کے لئے ضروری ہیں جیسے اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ اور ارشادات علماء حقانیین ان سب کو بالکل نظر انداز کردیتے ہیں اور یہ گمراہ کن تصور قائم کرتے ہیں کہ کامل رہنمائی صرف قرآن ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔حالانکہ قرآن کا اصل مقصد ومنشاء ان ذرائع سے استفادہ کرکے معلوم کیا جاسکتا ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" [اور رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو، اور تم کو جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔] (آسان ترجمہ) تو درحقیقت ان کی گمراہی کا سبب استدلال بالقرآن اور اھتداء بالقرآن کی وجہ سے نہیں بلکہ قرآن کی اصل حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی ہدایت اسی وقت کارآمد ہوتی ہے جب کہ ان ذرائع کو پورے اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے۔جن پر قرآن کا فہم موقوف ہے اور جن کے بغیر اصل منشاء تک رسائی ممکن نہیں۔کسی نے اس کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔ ؎

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس

اسی لئے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "من لم یحفظ القرآن ولم یکتب الحدیث لا یقتدی ومن دخل فی طریقنا بغیر علم واستمر قانعا بجهله فهو ضحكة للشيطان مسخرة له لان علمنا مقيد بالكتاب والسنة"

[جو شخص قرآن یاد نہ کرے اور احادیث نہ سیکھے تو اس کی پیروی نہ کی جائے اور جو شخص ہمارے مسلک میں بغیر علم داخل ہوا اور اس نے ہمیشہ اپنے جہل پر قناعت کی تو وہ شیطان کے لئے ہنسی کھیل بنتا ہے اور اس کا اسیر بن کر رہتا ہے۔ کیونکہ ہمارا علم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مقید ہے۔] (مرقاۃ: ۳۵۷/۴)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لا تزیغ به الأهواء" کے اندر یہ احتمال بھی ہے کہ باء تعدیہ کیلئے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل ہوس یعنی بدعتی اور گمراہ لوگ قرآن کے اصلی معنی اور مفہوم میں تبدیلی پر قادر نہیں ہوتے اور یہ اشارہ ہے "تحریف الغالین وانتحال المبطلین" اور "تاویل الجاهلین" کی طرف۔ (طیبی: ۲۴۵/۴)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: "لا تزیغ" کا لفظ "ازاغة" سے بمعنی "امالة" مائل کرنے کے اور مطلب یہ ہے کہ گمراہ کن خواہشات ان کو قرآن کریم کی بدولت راہ مستقیم سے کجی کی طرف مائل نہیں کرتیں۔ کیونکہ اللہ بزرگ وبرتر نے خود قرآن حکیم کی حفاظت وکفالت اپنے ذمہ لی ہے۔ چنانچہ ارشاد گرامی ہے: "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" بخلاف دیگر کتب سماویہ کے ان میں تحریف ہوئی اور ان کے کلمات کو اپنی حقیقت سے تبدیل کیا گیا۔ (مرقاۃ: ۳۵۸/۴، نفحات التنقیح: ۲۲۲ تا ۲۴/۳)

قیامت کے دن حافظ کے والدین کی تاج پوشی

{۲۰۳۶} وَعَنْ مُعَاذٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْئُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤد۔

حوالہ: مسند احمد: ۴۴۰/۴، ابو داؤد شریف: ۲۰۶/۱، ابواب الوتر، باب فی ثواب قرأة القرآن، حدیث نمبر: ۱۴۵۳۔

حل لغات: عمل: عَمِلَ (س) عَمْلاً عمل کرنا، البس: لَبِسَ (س) لُبْسًا پہننا، اَلْبَسَ (افعال) پہنانا، تاج: شاہی ٹوپی، جمع تِیجان: تاج (ن) تاجًا تاج پہننا، ضوئ: روشنی جمع اضوائ، ضاء (ن) ضَوْأً روشن ہونا، الشمس: سورج جمع شُمُوش۔

ترجمہ: حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی دنیا کے گھروں میں چمکنے والے سورج کی روشنی سے اعلیٰ ہوگی۔ اگر سورج گھروں میں ہو تو اس شخص کے بارے میں تم لوگوں کا کیا گمان ہے جس نے قرآن کریم پر عمل کیا۔''

تشریح: من قرأ القرآن وعمل بما فیہ الخ: حضرت حافظ ابن حجرؒ کی تصریح کے مطابق اس حدیث شریف میں قرأت سے مراد حفظ قرآن ہے۔ یعنی جس شخص نے قرآن کریم حفظ کر کے اس پر عمل کیا اس کے والدین کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا۔ وقال ابن حجر حفظہ۔ (مرقاۃ: ۳۵۹/۴)

ضوءہ احسن من ضوء الشمس الخ: یہ جو ہم لوگ سورج دیکھ رہے ہیں یہ بالفرض ہمارے گھروں میں لگا دیا جائے تو اس کی روشنی کا کیا عالم ہوگا صرف اندازہ تو کیا جا سکتا ہے۔ بات بیان سے باہر ہے لیکن حافظ کے والدین کو جو تاج پہنایا جائے گا اس کی روشنی اس کی روشنی سے اعلیٰ ہوگی۔ اور جب قرآن پڑھنے والے (حافظ قرآن) اور قرآن پر عمل کرنے والے کے والدین کو اس

عظیم مرتبہ اور نعمت سے نوازا جائے گا پھر خود اس شخص کے مرتبہ اور سعادت کا کیا کہنا جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ اس حدیث پاک کی تشریح فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

یعنی قرآنِ پاک کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی برکت یہ ہے کہ اس پڑھنے والے کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جاوے گا، جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بہت زیادہ ہو، اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو، یعنی آفتاب اتنی دور سے اس قدر روشنی پھیلاتا ہے اگر وہ گھر کے اندر آ جائے تو یقیناً بہت زیادہ روشنی اور چمک کا سبب ہوگا۔ تو پڑھنے والے کے والدین کو جو تاج پہنایا جاوے گا، اس کی روشنی اس روشنی سے زیادہ ہوگی جس کو گھر میں طلوع ہونے والا آفتاب پھیلا رہا ہے، اور جب کہ والدین کے لئے یہ ذخیرہ ہے تو خود پڑھنے والے کے اجر کا خود اندازہ کرلیا جاوے کہ کس قدر ہوگا کہ جب اس کے طفیلیوں کا یہ حال ہے تو خود اصل کا حال بدرجہا زیادہ ہوگا کہ والدین کو یہ اجر صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ وہ اس کے وجود یا تعلیم کا سبب ہوئے ہیں۔ آفتاب کے گھر میں ہونے سے جو تشبیہ دی گئی ہے اس میں علاوہ ازیں کہ قرب میں روشنی زیادہ محسوس ہوتی ہے؛ ایک اور لطیف امر کی طرف بھی اشارہ ہے، وہ یہ کہ جو چیز ہر وقت پاس رہتی ہے اس سے انس و الفت زیادہ ہوتی ہے، اس لئے آفتاب کی دوری کی وجہ سے جو اس سے بیگانگی ہے، وہ ہر وقت کے قرب کی وجہ سے مبدل بہ انس ہوجاوے گی، تو اس صورت میں روشنی کے علاوہ کے ساتھ موانس کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس طرف بھی کہ وہ اپنی ہوگی کہ آفتاب سے اگرچہ ہر شخص نفع اٹھاتا ہے، لیکن اگر وہ کسی کو ہبہ کر دیا جاوے، تو اس کے لئے کس قدر افتخار کی چیز ہو۔

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کو ایک تاج پہنایا جاوے گا، جو نور سے بنا ہوا ہوگا اور اس کے والدین کو ایسے دو جوڑے پہنائے جاویں گے کہ تمام دنیا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی، وہ عرض کریں گے کہ یا اللہ! یہ جوڑے کس صلہ میں ہیں؟ تو ارشاد ہوگا کہ تمہارے بچہ کے قرآن شریف پڑھنے کے عوض میں۔

جمع الفوائد میں طبرانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن شریف سکھلاوے، اس کے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو شخص حفظ کرائے، اس کو قیامت میں چودھویں رات کے چاند کے مشابہ اٹھایا جاوے گا اور اس کے بیٹے سے کہا جاوے گا کہ پڑھنا شروع کر، جب بیٹا ایک آیت پڑھے گا باپ کا ایک درجہ بلند کیا جاوے گا؛ حتی کہ اسی طرح تمام قرآن شریف پورا ہو۔

بچہ کے قرآن شریف پڑھنے پر باپ کے لئے یہ فضائل ہیں اور اسی پر بس نہیں دوسری بات بھی سن لیجئے کہ اگر خدا نخواستہ آپ نے اپنے بچہ کو چار پیسے کے لالچ میں دین سے محروم رکھا، تو یہ ہی نہیں کہ آپ اس لایزال ثواب سے محروم رہیں گے؛ بلکہ اللہ کے یہاں آپ کو جواب دہی بھی کرنی پڑے گی۔ آپ اس ڈر سے کہ یہ مولوی و حافظ پڑھنے کے بعد صرف مسجد کے ملانے اور ٹکڑے کے محتاج بن جاتے ہیں، اس وجہ سے آپ اپنے لاڈلے بچہ کو اس سے بچاتے ہیں، یاد رکھیں کہ اس سے آپ اس کو تو دائمی مصیبت میں گرفتار کر ہی رہے ہیں، مگر ساتھ ہی اپنے اوپر بھی سخت سخت جواب دہی لے رہے ہیں۔ حدیث کا ارشاد ہے: "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ" (الحدیث) ہر شخص سے اس کے ماتحتوں اور دست نگروں کا بھی سوال ہوگا۔ کہ ان کو کس قدر دین سکھایا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان عیوب سے آپ بچنے اور بچانے کی کوشش کیجئے۔ مگر جوؤں کے ڈر سے کپڑا نہ پہننا کوئی عقل کی بات نہیں، البتہ اس کے صاف رکھنے کی ضرور کوشش کرنی چاہئے۔

بالجملہ اگر آپ اپنے بچہ کو دینداری کی صلاحیت سکھائیں گے، اپنی جواب دہی سے سبکدوش ہوں گے اور اس وقت تک وہ زندہ رہے جس قدر نیک اعمال کرے گا، دعا و استغفار آپ کے لئے کرے گا؛ آپ کے لئے رفع درجات کا سبب بنے گا، لیکن دنیا کی خاطر چار پیسے کے لالچ سے آپ نے اس کو دین سے بے بہرہ رکھا، تو یہی نہیں کہ خود آپ کو اپنی حرکت کا وبال بھگتنا پڑے گا، جس قدر بد اطواریاں، فسق و فجور اس سے سرزد ہوں گے، آپ کے نامۂ اعمال بھی اس ذخیرہ سے خالی نہ رہیں گے۔ خدارا اپنے حال پر رحم کھائیں، دنیا بہر حال گذر جانے والی چیز ہے اور موت ہر بڑی سے بڑی تکلیف کا خاتمہ ہے؛ لیکن جس

تکلیف کے بعد موت بھی نہیں اس کا کوئی منتہاء نہیں۔

حافظ قرآن کی ایک خاص فضیلت

{۲۰۳۷} وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ جُعِلَ الْقُرْاٰنُ فِیْ اِھَابٍ ثُمَّ اُلْقِیَ فِی النَّارِ مَا احْتَرَقَ۔ (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

حوالہ: دارمی: ۲/ ۵۲۲، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن، حدیث نمبر: ۳۳۱۰۔

حل لغات: اھاب: کھال، جمع: اُھب، القی: اَلْقٰی (افعال) ڈالنا، احترق: حَرَق (ن) حَرْقًا جلانا، احترق (افتعال) جلانا، النار: آگ جمع نیران۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے اگر کھال میں لپیٹ کر قرآن کریم کو آگ میں ڈال دیا جائے تو وہ نہیں جلے گا۔

تشریح: اس حدیث شریف کے مطلب میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

بعض حضرات نے اس حدیث شریف کو ظاہر پر حمل کیا ہے کہ اگر چمڑے میں رکھ کر قرآن شریف آگ میں ڈال دیا جائے تو وہ آگ سے نہیں جلے گا۔ لیکن یہ دیگر معجزات کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ اس طرح ہونا ضروری نہیں۔ البتہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مصحف کو آگ کے اثر سے محفوظ بھی رکھ لیتے ہیں۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ''قرآن کریم'' سے مراد مصحف قرآن نہیں بلکہ علم قرآن ہے اور ''إھاب'' سے مراد جسم حافظ قرآن ہے اور ''النار'' سے مراد جہنم کی آگ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جس کے دل و دماغ میں قرآن کے الفاظ اور معانی ہوں گے ایسے جسم کو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھیں گے۔

اس کی تائید ''شرح السنۃ'' کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے: ''عن ابی امامۃ احفظوا القرآن فان اللہ تعالیٰ لا یعذب بالنار قلبا وعی القرآن'' [قرآن پاک کو حفظ کرو۔ اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس دل کو آگ کا عذاب نہیں دیگا جس نے قرآن پاک کو حفظ کیا ہوگا۔]

''إھاب'' کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اہاب جلد غیر مدبوغ کو کہتے ہیں تو چونکہ جلد غیر مدبوغ خشک ہوتی ہے اس وجہ سے وہ جلدی جل جاتی ہے حتی کہ دھوپ کی وجہ سے اس میں فرق آجاتا ہے۔ چہ جائے کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔ بخلاف جلد مدبوغ کے کہ وہ نرم ہوتی ہے اور نرمی کی وجہ سے اس میں جلدی فساد نہیں آتا۔

مطلب یہ ہوا کہ اگر قرآن مجید خشک کھال کے اندر رکھ کر آگ میں ڈال دیا جائے قران کی برکت سے اس کو آگ نہیں چھوئے گی۔ چہ جائے کہ وہ مومن جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے اکرم اور افضل ہے جس نے قرآن اپنے سینے میں محفوظ کیا ہے اور اس کی قرأت پر پابند اور احکام پر عامل ہے اس کو آگ کیونکر جلائے گی۔ (مرقاۃ: ١٨/ ٣، طیبی: ٢٤٩/ ٤)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک حقیر چیز کے ساتھ تمثیل پیش کرنا مبالغہ پر مبنی ہے اور یہ ایک فرضی صورت ہے جیسے: ''قل لو کان البحر مدادا۔ الآیۃ'' اور مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید بالفرض اگر اس حقیر چیز کے اندر رکھا جائے تو اس کو آگ نہیں چھوئے گی، چہ جائیکہ وہ مؤمن جو قرآن کی تلاوت کرنے والا اور اس پر عامل ہے بھلا اس کو آگ کیسے جلا سکتی ہے، کیونکہ مجاورت کی برکت سے شرافت اور کرامت کا حاصل ہونا ایک بدیہی بات ہے۔ جس کی گواہی کسی نے اچھے انداز سے دی ہے۔ ؎

مَنْ عَاشَرَ الشُّرَفاءَ شَرّفَ قَدْرَہ

وَمُعَاشِرُ السُّفَهَاءِ غَيْرُ مُشَرَّفِ

[جو شخص شریف لوگوں کے ساتھ رہتا سہتا ہے وہ اپنا مرتبہ باعزت بنا لیتا ہے۔ اور بے وقوفوں کے پاس رہنے والا بے عزت ہوتا ہے۔]

(طیبی: ٢٥٠/ ٤، نفحات التنقیح: ٢٢٤/٣)

دس دوزخیوں کے لئے حافظ قرآن کی سفارش

{۲۰۳۸} وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشْرَةٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَحَفْصُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّاوِيُّ لَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ۔

حوالہ: مسند احمد: ۱/۱۴۸، ترمذی شریف: ۲/۱۱۸، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل قاری القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۰۶۔ ابن ماجہ شریف: ۱۹، فی المقدمۃ، باب فضل من تعلم القرآن الخ، حدیث نمبر: ۲۱۶۔

حل لغات: فاستظهره: ظَهَرَ (ن) ظُهُوْرًا ظاہر ہونا، استظهر (استفعال) زبانی یاد کرنا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے قرآن کریم پڑھا اور اس کو زبانی یاد کرکے اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کے خاندان کے دس ایسے لوگوں کے حق میں شفاعت قبول کرے گا جن میں سے ہر ایک پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔“

تشریح: من قرأ القرآن فاستظهره الخ: یعنی جس شخص نے قرآن کریم پڑھا اور اس کا حافظ ہو کر اس پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت عنایت تو کرے گا ہی۔ اس کو قیامت کے دن (جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا اور لوگ ایک دوسرے سے بھاگیں گے) حافظ قرآن کو یہ اعزاز بخشا جائے گا کہ وہ ایسے نازک حالات میں اپنے خاندان کے دس جہنمیوں کے لئے جنت کی سفارش کرے گا اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اور ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

سورۂ فاتحہ بے مثال سورت ہے

{۲۰۳۹} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ کَیْفَ تَقْرَأُ فِی الصَّلٰوةِ فَقَرَأَ اُمَّ الْقُرْآنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَآ اُنْزِلَتْ فِی التَّوْرَاةِ وَلَا فِی الْاِنْجِیْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ وَلَا فِی الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا وَاِنَّهَا سَبْعٌ مِنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُعْطِیْتُهٗ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی الدَّارِمِیُّ مِنْ قَوْلِهٖ مَا اُنْزِلَتْ وَلَمْ یَذْکُرْ اُبَیَّ بْنِ کَعْبٍ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۱۵/۲، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل فاتحۃ الکتاب، حدیث نمبر: ۲۸۷۵۔ دارمی: ۵۳۸/۲، کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحۃ الکتاب، حدیث نمبر: ۳۳۷۳۔

حل لغات: الصلوۃ: نماز جمع صلوات، التوراۃ: ایک آسمانی کتاب کا نام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی تھی، تار (ن) توراً جاری ہونا، الانجیل: بشارت جمع اناجیل، انجیل: وہ آسمانی کتاب جو حضرت عیسی علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ الزبور: کتاب، جمع: زبر، زبور بھی آسمانی کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا نماز میں کیسے پڑھتے ہو تو انھوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے نہ تورات میں نہ انجیل میں نہ زبور میں اور نہ ہی قرآن کریم میں اس کے مثل اتاری گئی ہے اور یہ سات آیتیں ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن کریم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

تشریح: آسمانی کتابوں میں قرآن کریم بے نظیر ہے اور قرآن کریم کی تمام سورتوں میں

سورۂ فاتحہ بے مثال ہے۔

کیف تقرأ فی الصلوۃ فقرأ أم القرآن الخ: جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نماز میں قرآن کریم کیسے پڑھتے ہو تو انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر سنایا۔ جس سے دو فائدے ہوئے ایک یہ کہ قرآن کریم کی ایک اہم سورت کی تلاوت ہوگئی اور دوسرا یہ فائدہ حاصل ہوا کہ ان کے پڑھنے کا طرز بھی سامنے آ گیا۔ جس سے آسانی کے ساتھ اندازہ لگایا گیا کہ یہ قرآن کریم کیسے پڑھتے ہیں۔ پہلے فائدے کی طرف تو اسی حدیث شریف کے ان الفاظ سے اشارہ ملتا ہے: "ما انزلت فی التوراۃ ولا فی الانجیل الخ۔" بقیہ تشریح ما قبل میں گذر چکی۔

قرآن سیکھنے اور اس پر عمل کا فائدہ

{۲۰۴۰}　وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا الْقُرْاٰنَ فَاقْرَأُوْهُ فَإِنَّ مَثَلَ الْقُرْاٰنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَأَ وَقَامَ بِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا تَفُوْحُ رِيْحُهٗ كُلَّ مَكَانٍ وَمَثَلَ مَنْ تَعَلَّمَهٗ فَرَقَدَ وَهُوَ فِيْ جَوْفِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ أُوْكِيَ عَلٰى مِسْكٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۱۶/۲، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورۃ البقرۃ الخ، حدیث نمبر: ۲۸۷۶۔ ابن ماجہ شریف: ۱۹، فی المقدمۃ، باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ، حدیث نمبر: ۲۱۷۔ ولم اجد فی النسائی۔

حل لغات: جراب: تھیلی، جمع اجْرِبَۃ، حشو: حشی (ن) حشوا بھرنا، مسکًا: خوشبو جمع مِسَک۔ تفوح: فاح (ن) فَوْحًا مہکنا، پھوٹنا، اوکی: وکی (ض) وَکْیًا، اَوْکٰی (افعال) مشک کو بندھن سے باندھنا، فرقد: رقدًا سونا، غافل ہونا۔

ترجمہ: اور ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قرآن سیکھو اور پڑھو۔ اس لئے کہ قرآن کریم سیکھنے، پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کی مثال مشک سے بھری

ہوئی اس تھیلی کی طرح ہے جس کی خوشبو پورے مکان میں مہک رہی ہے اور جس شخص نے اس کو سیکھا اور سینے میں رکھ کر سو گیا وہ اس تھیلی کی طرح ہے جسے مشک پر باندھ دیا گیا ہو۔"

تشریح: وعنہ: یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "تعلموا القرآن" یعنی قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں سیکھنے کی تاکید ہے۔

فان مثل القرآن لمن تعلم الخ: اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ حامل قرآن تھیلی اور قرآن کریم مشک کی طرح ہے۔ یعنی جس طریقے سے مشک کے ذریعہ سے ارادی اور غیر ارادی دونوں طریقے سے مالک مشک اور دوسرے لوگوں کو فائدہ ہوتا رہتا ہے۔ اسی طریقے سے حامل قرآن سے دوسرے لوگوں کو قرآن کریم کی برکات سے فائدہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ اور جو اس کی برکات سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتا وہ مشک کی بند تھیلی کی طرح ہے۔ (التعلیق: ۱۹/ ۳)

حضرت ابومحمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ قرآن سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا فرض کفایہ ہے۔ نیز مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں فرض قرأت کے بقدر سورتوں یا آیتوں کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ (یا بقدر فرض قرأت نماز) سے زیادہ قرآن کی آیتوں یا سورتوں کو یاد کرنے میں مشغول ہونا نفل نماز میں مشغولیت سے افضل ہے۔ (مظاہر حق: ۳۱/ ۳)

آیۃ الکرسی اور سورہ مومن کی ابتدائی آیت کی برکت

{۲۰۴۱} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الْمُؤْمِنَ اِلَى اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ وَاٰيَةَ الْكُرْسِيِّ حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَرَأَ بِهِمَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُصْبِحَ۔ ﴿رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ﴾ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۱۵/۲، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورۃ البقرۃ الخ، حدیث نمبر: ۲۸۷۹۔

دارمی: ۵۴۱/۲، کتاب فضائل القرآن، باب فضل اول سورۃ البقرۃ الخ، حدیث نمبر: ۳۳۸۶۔

حل لغات: المصیر: صَارَ (ض) صَیْراً لوٹنا، الکرسی: کرسی، جمع کراسی۔

ترجمہ: اوران سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص صبح کے وقت ''حم المومن الیہ المصیر'' تک اور آیت الکرسی پڑھے گا وہ شام تک ان دونوں کے ذریعہ محفوظ رہے گا اور جو شخص شام کے وقت ان دونوں کو پڑھے گا وہ ان دونوں کے ذریعہ سے صبح تک محفوظ رہے گا۔''

تشریح: وعنہ: یعنی یہ روایت بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔

من قرأ حم المومن الیہ المصیر: یعنی جو شخص ''حم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الہ الا ھو الیہ المصیر'' اور آیت الکرسی پڑھے گا خواہ شام میں پڑھے یا صبح پڑھے دونوں حالتوں میں پڑھنے والے کی حفاظت کی جاتی ہے اس کی برکت سے۔ (التعلیق: ۱۹/ ۳، مرقاۃ: ۵۹۶/ ۲)

لوح محفوظ میں قرآن کب لکھا گیا

{۲۰۴۲} وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ بِاَلْفَيْ عَامٍ اَنْزَلَ مِنْهُ اٰيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا تُقْرَآنِ فِيْ دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا الشَّيْطَانُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/ ۱۱۶، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی آخر سورۃ البقرۃ، حدیث نمبر: ۲۸۸۲۔

دارمی: ۲/ ۵۴۲، کتاب فضائل القرآن، فصل اول سورۃ البقرۃ الخ، حدیث نمبر: ۳۳۸۸۔

حل لغات: کتب: كَتَبَ (ن) کتابۃ لکھنا، یخلق: خَلَقَ (ن) خَلْقًا پیدا کرنا، الف: ایک ہزار، جمع: اُلوف۔ عام: دن، سال، جمع: اعوام، لیال: جمع لیلۃ بمعنی رات۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی، اس کتاب میں سے دو آیتیں نازل فرمائی ہیں، جن پر سورۂ بقرہ کو ختم کیا ہے، جس گھر میں تین رات وہ دونوں آیتیں پڑھی جائیں گی شیطان اس گھر کے قریب بھی نہیں آئے گا۔''

تشریح: کتب کتابا قبل ان یخلق الخ: دنیا کا دستور یہی ہے کہ ملک بننے کے بعد ہی اس کا قانون بنتا ہے۔ لیکن اسلامی دستور (قرآن کریم) کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دنیا بننے سے ۲ ر ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اس دستور کو لکھ کر محفوظ فرمادیا تھا۔

انزل منه آیتین الخ: اس دستورِ لازوال میں دو ایسی عظیم الشان آیتیں ہیں جہاں وہ دونوں آیتیں پڑھی جائیں گی وہاں کوئی جن بھوت نہیں ٹھہر سکتا۔ (مرقاۃ: ۵۹۶/ ۲)

فائدہ: ان دو آیتوں کی فضیلت کا علم ہوا۔

(۲)...... جب دو آیتوں کی یہ فضیلت ہے۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پورے قرآن پاک کی فضیلت کا کیا عالم ہوگا۔

سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیتوں کی برکت

{۲۰۴۳} وَعَنْ اَبِیْ الدَّرْدَآءِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ ثَلاَثَ اٰیَاتٍ مِنْ اَوَّلِ الْکَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔ رَوَاه التِّرْمِذِیُّ وَقَال هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۱۶/۲، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورۃ الکھف، حدیث نمبر: ۲۸۸۶۔

حل لغات: قرأ: قرأ (ف) پڑھنا، عصم: عَصَمَ (ض) عَصْمًا بچانا، الدجال: ایک آدمی کا نام ہے جو آخری زمانے میں ظاہر ہوگا جمع دَجَّالُوْنَ۔

ترجمه: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے سورۂ کہف کی پہلی تین آیتوں کو پڑھا وہ دجال کے فتنے سے بچایا جائے گا۔''

تشریح: من قرأ ثلاث آیات من اول الکھف: اس باب کی پہلی فصل میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت یہ گذری ہے کہ جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں حفظ کرے گا وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا اور اس حدیث شریف میں ہے کہ جو ۳ر آیتیں پڑھے گا وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

اس لفظی اختلاف کی وجہ سے حضرات شراح کرام نے مختلف طریقے سے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن سب سے اچھی توجیہ یہ ہے کہ پہلی روایت کا تعلق حفظ سے ہے اور اس روایت کا تعلق وِرد سے ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کو حفظ یاد کر لیا۔ ان آیتوں کے پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتا ہے، بس اس کو یاد ہے اور تین آیتوں کا تعلق وِرد سے ہے۔ یعنی اس کو یاد تو تین آیتیں بھی نہیں ہیں۔ لیکن وہ سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیتوں کا وِرد کرتا ہے تو وہ ان تین آیات کی برکت سے فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

دوسری تطبیق یہ دی جاسکتی ہے کہ پہلے دس آیتوں کو یاد کرنے پر مذکورہ بالا خاصیت و برکت کی بشارت دی گئی ہوگی۔ پھر بعد میں از راہ وسعت فضل تین آیتوں کے پڑھنے ہی پر یہ بشارت عطا کی گئی۔ (مظاہر حق: ۳۲/ ۳)

قرآن کا دل

{۲۰۴۴} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِکُلِّ شَیْئٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْاٰنِ یٰسٓ مَنْ قَرَأَ یٰسٓ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِقِرَاءَتِہَا قِرَأَۃَ الْقُرْاٰنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ۔

﴿رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ﴾ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۱۶/۲، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی یٰس، حدیث نمبر: ۳۴۱۶۔

دارمی: ۵۴۸/۲، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل یٰس۔ حدیث نمبر: ۳۴۱۶۔

حل لغات: شیئ: چیز جمع اشیائ۔ قلب: دل جمع قُلُوب۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ ہر چیز کا دل ہے اور قرآن کریم کا دل سورۂ یٰس ہے۔ جو شخص سورۂ یٰس پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے کے عوض میں دس مرتبہ قرآن پڑھنے کا ثواب دیتا ہے۔''

تشریح: ہر چیز کا ایک بہت ہی اہم حصہ ہوتا ہے جسے قلب کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی مقام و مرتبہ پورے قرآن کریم میں سورۂ یٰسین کو حاصل ہے۔ جیسے لڑائی کے میدان میں بیچ والی فوج کی ٹکڑی کو قلب کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ فوج کا سب سے اہم حصہ ہوتا ہے۔

سورۂ یٰس میں چونکہ وحدانیت، رسالت اور حشر کا بیان خصوصیت کے ساتھ موجود ہے اور ان تینوں کا تعلق قلب سے ہے نہ کی زبان سے اس لئے سورۂ یٰس شریف کو قلب کہا گیا ہے۔ وقال النسفی لانھا لیس فیھا الا تقریر الاصول الثلاثۃ الوحدانیۃ والرسالۃ والحشر۔ وھذہ تتعلق بالقلب لا غیر۔ (مرقاۃ: ۴/۴۶۴)

سورۂ طٰہٰ اور یٰس کی فضیلت

{۲۰۴۵} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَرَأَ طٰهٰ وَیٰسٓ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِاَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ الْقُرْاٰنَ قَالَتْ طُوْبٰی لِاُمَّةٍ یَنْزِلُ هٰذَا عَلَیْهَا وَطُوْبٰی لِاَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا وَطُوْبٰی لِاَلْسِنَةٍ تَتَکَلَّمُ بِهٰذَا۔ ﴿رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ﴾

حوالہ: دارمی: ۲/۵۴۷، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل سورۃ طٰہ ویٰس، حدیث نمبر: ۳۴۱۴۔

حل لغات: یخلق: خَلَقَ (ن) خَلْقًا پیدا کرنا۔ بالف: ایک ہزار جمع اُلوف۔ عام: سال جمع اَعْوَام۔ الملائکۃ: جمع ہے مَلَکٌ کی بمعنی فرشتہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کرنے سے ایک ہزار سال پہلے سورۃ ''طٰہٰ'' اور ''یٰسٓ'' کو پڑھا۔ فرشتوں نے جب قرآن کریم کو سنا تو کہا خوش خبری ہو اس امت کے لئے جس پر یہ نازل ہوگی، خوش خبری ہو ان دلوں کے لئے جو اس کی حفاظت کریں گے، خوش خبری ہو ان زبانوں کے لئے جو اس کے ساتھ کلام کریں گے۔''

تشریح: ان اللہ تعالی قرأ طٰہٰ ویٰسٓ: حضرات محدثین نے اس حدیث شریف کو مجازی معنی پر محمول کرتے ہوئے قرأت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے اس کی قرأت کو ظاہر کیا اور اس کی تلاوت کے ثواب کو بیان کیا۔ جس سے فرشتے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور اس امت کے لئے اور امت کے دلوں اور زبانوں کے لئے کو شخبری اور مبارکباد پیش کی۔ پس جو حضرات ان سورتوں کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں اور ذوق وشوق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں وہ یقیناً مستحق مبارک باد ہیں۔

فائدہ: حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین وآسمان پیدا کرنے سے پہلے پیدا کیا ہے۔

حٰمٓ الدخان کی فضیلت

{۲۰۴۶} **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِيْ لَيْلَةٍ اَصْبَحَ يَسْتَغْفِرُ لَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعُمَرُ بْنُ اَبِيْ خَثْعَمٍ

الرَّاوِیُّ یُضَعَّفُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ یَعْنِی الْبُخَارِیَّ هُوَ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۱۶، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل حمٓ الدخان، حدیث نمبر: ۲۸۸۸۔

حل لغات: الدخان: دھواں جمع اَدْخِنَۃ۔ اصبح: اصبح (افعال) صبح میں داخل ہونا، یستغفر: غَفَرَ (ض) ڈھانکنا، (استفعال) مغفرت طلب کرنا۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص رات میں ”حٰمٓ الدخان“ پڑھے گا اس کے لئے صبح تک ستر ہزار فرشتے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔“

تشریح: وعنہ: یعنی یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ باقی مطلب واضح ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: التعلیق: ۳/۲۰۔

حٰمٓ الدخان کی برکت

{۲۰۴۷} وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِیْ لَیْلَۃِ الْجُمُعَۃِ غُفِرَلَہٗ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ ضَعِیْفٌ وَھِشَامٌ اَبُو الْمِقْدَامِ الرَّاوِیُّ یُضَعَّفُ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۱۷، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل حمٓ الدخان، حدیث نمبر: ۲۸۸۹۔

حل لغات: الدخان: دھواں جمع اَدْخِنَۃ۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص جمعہ کی رات میں ”حٰمٓ الدخان“ پڑھے گا وہ بخش دیا جائے گا۔“

تشریح: سورۂ ”حٰمٓ الدخان“ گناہوں کے لئے تریاق ہے، بس اتنا کرنا ہے کہ جمعہ کی رات میں اس سورت کو ایک مرتبہ پڑھ لیا جائے۔

وعنہ: یعنی یہ روایت بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔

مسبحات کی فضیلت

{۲۰۴۸} وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ اَنْ يَّرْقُدَ يَقُوْلُ اِنَّ فِيْهِنَّ اٰيَةً خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ اٰيَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ مُرْسَلًا وَّقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۲۰، ابواب فضائل القرآن، باب: ۲۱، حدیث نمبر: ۲۹۲۱۔ ابو داؤد شریف: ۲/۶۸۹، کتاب الادب، ابواب النوم، باب مایقول عندالنوم، حدیث نمبر: ۵۰۵۷۔ دارمی: ۲/۵۵۰، کتاب فضائل القرآن، باب فضل حمٓ الدخان والحوامیم والمسبحات، حدیث نمبر: ۳۴۲۴۔

حل لغات: یرقد: رَقَدَ (ن) رَقْدًا سونا، خیر: بھلائی جمع خُیُور۔

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات پڑھتے تھے اور کہتے تھے ان سورتوں میں ایک آیت ہے جو ایک ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔

تشریح: المسبحات: یعنی ان سورتوں کو پڑھتے تھے جن کے شروع میں مادہ "سبح" کے صیغے ہیں اور یہ کل سات سورتیں ہیں۔ (۱) بنی اسرائیل۔ (۲) حدید۔ (۳) حشر۔ (۴) صف۔ (۵) جمعہ۔ (۶) تغابن۔ (۷) اعلیٰ۔

یقول ان فیھن آیۃ الخ: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھنے کی وجہ بھی بتاتے ہیں کہ میں ان سات سورتوں کو سونے سے پہلے اس لئے پڑھتا ہوں کہ ان سات سورتوں میں ایک ایسی آیت ہے جو ایک ہزار آیتوں سے بھی بہتر ہے۔

فائدہ: وہ ایک آیت کونسی ہے یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے وہ آیت ایسے ہی مخفی ہے جیسا کہ لیلۃ القدر

مخفی ہے۔اوراس لئے مخفی رکھا گیا تاکہ لوگ اس کو تلاش کریں اور اس بہانے یہ سب سورتیں پڑھیں۔ "قال الطیبی اخفی الآیۃ فیھا کاخفاء لیلۃ القدر فی اللیالی۔" (مرقاۃ:۳۶۵/۴،طیبی:۳۰۹/۳)

ہوسکتا ہے کہ وہ آیت سورۂ حشر کی آخری آیت ہو اس لئے کہ دوسری روایات میں سورۂ حشر کی آخری تین آیات کی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

سورۂ ملک کی فضیلت

{۲۰۴۹} وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ سُوْرَةً فِی الْقُرْاٰنِ ثَلَاثُوْنَ اٰيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰی غُفِرَ لَهٗ وَهِیَ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وابْنُ مَاجَةَ۔

حوالہ: مسند احمد:۲۹۹/۲، ترمذی شریف:۱۱۷/۲، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل سورۃ الملک، حدیث نمبر:۲۸۹۱۔ ابو داؤد شریف:۱۹۹/۱، کتاب الصلوۃ، باب عدد الآی، حدیث نمبر:۱۴۰۰۔ ابن ماجہ شریف:۲۶۸، کتاب الادب، باب ثواب القرآن، حدیث نمبر:۳۷۸۶۔ کتاب عمل الیوم واللیلۃ للنسائی:۲۱۴، الفضل فی قرأۃ تبارک الخ، حدیث نمبر:۷۱۵۔

حل لغات: سورۃ: سورت جمع سُوَر۔ شفعت: شَفَعَ (ف) شفاعۃ سفارش کرنا۔ رجل: آدمی جمع رِجَال: غُفِرَ: غَفَرَ (ض) غَفْرًا ڈھانکنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قرآن کریم میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے اس نے ایک آدمی کی سفارش کی تو وہ بخش دیا گیا وہ سورت "تَبَارَكَ الَّذِیْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ" ہے۔

تشریح: جو شخص سورۂ ملک پڑھنے کا عادی ہے یہ سورت قبر میں اس کی سفارش کرتی ہے اور

قیامت کے دن بھی اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرے گی۔

شفعت لرجل حتی غفر لہ: حدیث شریف کے اس ٹکڑے کا ایک مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی سورۂ ملک پڑھا کرتا تھا اس کی وفات ہوگئی وہ عذابِ قبر میں مبتلا ہوگیا اس وقت اس سورت نے اس آدمی کی سفارش کی تو وہ بخش دیا گیا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن سفارش کرے گی۔ حضرات محدثین نے دونوں مطلب بیان کئے ہیں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس سورت کا پڑھنے والا عذاب قبر میں مبتلا ہوگیا تو وہاں بھی سفارش کرے گی اور اگر ضرورت پڑی تو قیامت کے دن بھی سفارش کرے گی۔ (التعلیق: ۳/۲۱، مرقاۃ: ۲/۵۹۸)

سورۂ ملک کی برکت

{۲۰۵۰} وَعَن ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خِبَآئَہٗ عَلٰی قَبْرٍ وَھُوَ لَایَحْتَسِبُ اَنَّہٗ قَبْرٌ فَاِذَا فِیْہِ اِنْسَانٌ یَّقْرَأُ سُوْرَۃَ تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ حَتّٰی خَتَمَہَا فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَہٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھِیَ الْمَانِعَۃُ ھِیَ الْمُنْجِیَۃُ تُنْجِیْہِ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۱۷، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل سورۃ الملک، حدیث نمبر: ۲۸۹۰۔

حل لغات: خباءہ: خیمہ، جمع: اَخْبِیَۃٌ، فاتی (ض) اِتْیَانًا آنا۔ مانعۃ: مَنَعَ (ف) مَنْعًا روکنا۔ المنجیۃ: نجا (ن) نجاۃ رہائی پانا، عذاب: تکلیف جمع اعذبۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگایا؛ لیکن ان کو معلوم نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، اچانک

انھوں نے دیکھا: کہ ایک آدمی اس قبر میں سورۂ تبارک الذی پڑھ رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے اس سورت کو مکمل کیا۔ فوراً انھوں نے آکر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی، تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ منع کرنے والی نجات دلانے والی ہے۔ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو اللہ کے عذاب سے نجات دلاتی ہے۔

تشریح: جو شخص اپنے وظیفے میں اس سورت کو شامل کر کے پڑھتا رہتا ہے، اس کی برکت سے یہ سورت اس کا ساتھ کہیں نہیں چھوڑتی ہے حتیٰ کہ قبر میں بھی ساتھ رہتی ہے اور آخرت میں بھی ساتھ رہے گی اور ہر مشکل وقت میں کام آئے گی۔

خباءہ: خیمہ یعنی ہر وہ مکان جو اینٹ، پتھر، مٹی وغیرہ سے نہ بنا ہو۔ بلکہ چمڑا، کپڑا وغیرہ جیسی چیزوں سے بنایا گیا ہو۔

علی قبر وھو لا یحتسب انہ قبر: یعنی اس قبر کے نشانات مٹ گئے تھے جس کی وجہ سے وہ صحابی رضی اللہ عنہ سمجھ نہیں سکے کہ یہ قبر ہے۔ ایک عام جگہ سمجھ کر خیمہ تو لگا لیا۔

فاذا فیہ انسان الخ: خیمہ لگ کر تیار ہو گیا اب آرام کی باری آئی تو اس کے اندر سے سورۂ ملک پڑھنے کی آواز آنے لگی۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ قبر میں مدفون آدمی پوری سورت پڑھ گیا۔

فاتی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ: ان صحابی رضی اللہ عنہ کو اب سکون کہاں فوراً حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر صورت حال سے آگاہ کیا۔

فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ: تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ سورۂ ملک عذابِ قبر کو روکنے والی ہے اور دوزخ کے عذاب سے نجات دلانے والی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۹۹)

فائدہ: اہل برزخ کے حالات سے بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اہل دنیا کو مطلع فرما دیتے ہیں۔

سونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وظیفہ

{۲۰۵۱} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ الٓمٓ تَنْزِيْلُ وَتَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: مسند احمد: ۳/۳۴۰، ترمذی شریف: ۲/۱۱۷، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل سورۃ الملک، حدیث نمبر: ۲۸۹۲۔ دارمی: ۲/۵۴۷، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل سورۃ تنزیل السجدۃ وتبارک، حدیث نمبر: ۳۴۱۱۔

حل لغات: تنزیل: نَزَلَ (ض) نَزْلًا وَنُزُوْلًا اترنا۔ نَزَّلَ (تفعیل) اتارنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "الٓمٓ تَنْزِيْلُ" اور "تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ" پڑھنے سے پہلے نہیں سوتے تھے۔

تشریح: کان لاینام حتی یقرأ الخ: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے پہلے ان دونوں سورتوں کو بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

"سورۂ تبارك الذی" کے متعلق بھی ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سورت ہر مومن کے دل میں ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے سورۃ تَبَارَكَ الَّذِيْ اور "الٓمٓ سَجْدَه" کو مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھا، گویا اس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے ان دونوں سورتوں کو پڑھا، اس کے لئے ستر نیکیاں لکھی جاتی ہے، اور ستر برائیاں دور کی جاتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے ان دونوں سورتوں کو پڑھا اس کے لئے

عبادتِ لیلۃ القدر کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے۔ (کذا فی المظاہر)

خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک شخص بڑا گناہ گار تھا اور ''سورۂ سجدہ'' پڑھا کرتا تھا، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھتا تھا، اس سورت نے اپنے پر اس شخص پر پھیلا دیئے کہ اے رب! یہ شخص میری بہت تلاوت کرتا تھا، اس کی شفاعت قبول کی گئی اور حکم ہوگیا کہ ہر خطا کے بدلہ ایک نیکی دی جائے۔

خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر میں تیری کتاب میں سے ہوں تو میری شفاعت قبول کر، ورنہ مجھے اپنی کتاب سے مٹا دے اور بمنزلہ پرندہ کے بن جاتی ہے اور اپنے پر میت پر پھیلا دیتی ہے اور اس پر عذابِ قبر ہونے سے مانع ہوتی ہے اور یہی سارا مضمون وہ ''تبارك الذی'' کے بارے میں بھی کہتے ہیں۔ خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک دونوں سورتیں نہ پڑھ لیتے۔

طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں تمام قرآن کی ہر سورت پر ساٹھ نیکیاں زیادہ رکھتی ہیں۔ عذابِ قبر کوئی معمولی چیز نہیں ہر شخص کو مرنے کے بعد سب سے پہلے قبر سے سابقہ پڑتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ریش مبارک تر ہو جاتی، کسی نے پوچھا کہ آپ جنت و جہنم کے تذکرہ سے بھی اتنا نہیں روتے جتنا کہ قبر سے؟ آپ نے فرمایا: کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبر منازلِ آخرت میں سب سے پہلی منزل ہے، جو شخص اس کے عذاب سے نجات پالے، آئندہ کے واقعات اس کے لئے سہل ہوتے ہیں اور اگر اس سے نجات نہ پائے تو آنے والے حوادث اس پر سخت ہوتے ہیں۔ نیز میں نے یہ بھی سنا ہے کہ قبر سے زیادہ متوحش کوئی منظر نہیں۔ (جمع الفوائد) ''اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ بِفَضْلِكَ وَمَنِّكَ''

سورۂ زلزال، اخلاص اور کافرون کی فضیلت

{۲۰۵۲} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْاٰنِ وَقُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ وَقُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْآنِ، رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۱۷، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص وفی سورۃ اذازلزلت، حدیث نمبر: ۲۸۹۴۔

حل لغات: زلزلت: زَلْزَلَ (فعللتہ بھونچال لانا، تعدل: عَدَلَ (ض) عَدْلًا برابر ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إِذَا زُلْزِلَت" آدھے قرآن کے برابر، "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَد" تہائی قرآن کے برابر اور قُلْ یَا أَیُّهَا الْکَافِرُون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

تشریح: علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ قرآن کریم مبدا اور معاد کو بیان کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ "سورۂ زلزال" میں معاد کو مستقل طور پر بڑے اور مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے وہ آدھے قرآن کے برابر شمار ہوتی ہے۔ (التعلیق: ۲۲/ ۳)

ایک دوسری حدیث شریف میں آیا ہے "انہا ربع القرآن" اس کی توجیہ اس طرح کی جاتی ہے کہ قرآن شریف چار امور پر مشتمل ہے: توحید اور نبوت کی تقریر اور احکام معاش اور احوال معاد اور چونکہ یہ سورت احوال معاد کے بیان پر مشتمل ہے اس لئے ربع قرآن کے برابر ہوئی۔

"سورۂ اخلاص" کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اور "سورۂ کافرون" کو ربع القرآن کے برابر قرار دیا اس وجہ سے کہ اس میں توحید کا بیان ہے؛ کیونکہ شرک سے برأت توحید کا اثبات ہے۔

اس قسم کی تمام روایات کی توجیہات کے بارے میں علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جامع یہ ہے کہ ہم جو بھی توجیہات بیان کریں گے وہ ہمارے علم اور فہم کے مطابق احتمال کے درجے میں ہیں۔ اصل حقیقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو معلوم ہے۔ اس لئے کہ اشیاء کے حقائق کی معرفت تک آپ ہی کی رسائی ہوسکتی ہے۔ (طیبی: ۲۵۸/ ۴، مرقاۃ: ۳۶۸/ ۴، نفحات التنقیح: ۲۲۶/۳)

سورۂ حشر کی آخری تین آیتوں کی فضیلت

{۲۰۵۳} وَعَنْ مَعْقَلِ ابْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ فَقَرَأَ ثَلَاثَ اٰيَاتٍ مِّنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْحَشْرِ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يُّصَلُّوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَاتَ شَهِيْدًا وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ كَانَ بِتِلْكَ الْمُنْزِلَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱۲۰/۲، ابواب فضائل القرآن، باب: ۲۲، حدیث نمبر: ۲۹۲۲۔
دارمی: ۵۵۰/۲، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل حمٓ الدخان الخ، حدیث نمبر: ۳۴۲۵۔

حل لغات: یصبح: اصبح: (افعال) صبح کے وقت میں داخل ہونا، مرّاتٍ: جمع ہے مرۃ کی بمعنی دفعہ، الحشر: قیامت جمع حُشُر، حَشَرَ (ن) حَشْرًا جمع کرنا۔

ترجمه: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے صبح کے وقت تین مرتبہ ”اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ“ کہہ کر سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے متعین کر دیتے ہیں جو اس پڑھنے والے کے لئے صبح تک دعا مانگتے ہیں اور اگر وہ شخص اس دن مر جائے تو شہادت کا درجہ پائے اور جس شخص نے شام کو پڑھا اس کے لئے بھی یہی فضیلت ہے۔

تشریح: جو بھی شخص سورۂ حشر کی آخری تین آیتوں کو صبح یا شام کے وقت پڑھے گا اس کے لئے صبح سے شام تک یا شام سے صبح تک ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کریں گے۔ اور اگر اسی دن جس دن ان آیات کو پڑھا ہے یا اس رات جس رات کو ان آیات کو پڑھا ہے اس کا انتقال ہو جائے تو اس کو شہادت کا

درجہ ملے گا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ:۶۰۰ / ۲۔

چونکہ تین آیتیں ہیں اسی مناسبت سے مذکورہ بالا تعوذ بھی تین مرتبہ پڑھے۔

وہ تین آیتیں "هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ" سے لے کر آخری سورت تک ہیں۔ چونکہ ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کا تذکرہ ہے اور اکثر کے نزدیک ان ناموں میں سے ایک نام "اسم اعظم" بھی ہے۔ اس لئے یہ فضیلت حاصل ہے۔ (مرقاۃ:۶۰۰ / ۲)

دوسو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے کی فضیلت

{۲۰۵۴} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِأَتَيْ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ مُحِيَ عَنْهُ ذُنُوْبُ خَمْسِيْنَ سَنَةً اِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَتِهِ خَمْسِيْنَ مَرَّةً وَلَمْ يَذْكُرْ اِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/ ۱۱۷، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص، حدیث نمبر: ۲۸۹۸۔ دارمی: ۲/ ۵۵۳، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل قل ھو اللہ احمد، حدیث نمبر: ۳۴۳۸۔

حل لغات: محی: محا (ن) مَحْوًا مٹانا، ذنوب: جمع ہے ذنب کی بمعنی گناہ، دین: قرض۔ جمع دُیُونٌ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے روزانہ دوسو مرتبہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" پڑھا اس کے پچاس سال کے گناہ مٹادیئے جاتے ہیں الا یہ کہ اس پر قرض ہو۔

تشریح: محی عنہ: یعنی سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے والے کے نامہ اعمال سے پچاس برس کے گناہ مٹادیئے جاتے ہیں۔ اور گناہ نہ ہونے کی صورت میں اسی قدر اس کے درجات بلند کردئے جاتے ہیں۔

الا ان یکون علیہ دین: یہ چونکہ حقوق العباد میں سے ہے اس لئے قرض معاف نہ ہوگا یہ ادا ہی کرنا پڑے گا۔

سونے کے وقت سورۂ اخلاص پڑھنا

{۲۰۵۵} وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّنَامَ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَنَامَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَرَأَمِائَةَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ يَاعَبْدِيَ ادْخُلْ عَلٰى يَمِيْنِكَ الْجَنَّةَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۱۷، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص، حدیث نمبر: ۲۸۹۸۔

حل لغات: أراد: (افعال) ارادہ کرنا، ینام: نام (س) نومًا سونا، فراشه: بستر جمع افرشة۔ یمینه: دایاں جمع أَيْمَنٌ وَ أَيْمَانَ۔ یوم: دن جمع أَيَّام۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کیا، چنانچہ وہ دائیں کروٹ لیٹ گیا پھر اس نے سو مرتبہ ”قل ھو اللہ احد“ پڑھا تو قیامت کے دن اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے میرے بندے تو اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا۔“

تشریح: وعنہ: یعنی یہ روایت بھی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی ہے۔

فنام علی یمینہ: یعنی سنت کے مطابق لیٹ کر۔ (مرقاۃ: ۳۶۹/۴)

ادخل علی یمینک: یعنی اس کے اس عمل کی وجہ سے یہ اعزاز بخشا جائے گا کہ اس کو اصحابِ یمین میں شمار کر کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ چونکہ وہ دائیں پہلو پر سنت کے مطابق لیٹتا تھا اس لئے اس کو اشرف جانب سے جنت میں جانے کا حکم ہوگا۔ (مرقاۃ: ۶۰۱/۲، طیبی: ۳۱۴/۴)

فائدہ: حدیث پاک سے سوتے وقت سو مرتبہ ”قل ھو اللہ احد الخ“ پڑھنے کی فضیلت کے ساتھ

سنت کے مطابق دائیں کروٹ پر سونے کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

سورۂ اخلاص کی وجہ سے جنت ملنا

{۲۰۵۶} وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَّقْرَأُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فَقَالَ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ؟ قَالَ الْجَنَّةُ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ۔

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۲۷، جامع الصلوۃ، باب ماجاء فی قراء قل ھو اللہ احد، ترمذی شریف: ۲/۱۱۷، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص، حدیث نمبر: ۲۸۹۷۔ نسائی شریف: ۱/۱۱۴، کتاب الافتتاح، باب الفضل فی قرأۃ قل ھو اللہ الخ، حدیث نمبر: ۹۹۵۔

حل لغات: رجلاً: آدمی جمع رجال۔ وجبت: وجب (ض) وجوباً لازم ہونا، الجنۃ: باغ بہشت جمع جِنان۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو "قل ھو اللہ احد" پڑھتے ہوئے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی۔ میں نے کہا کیا واجب ہوگئی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت۔

تشریح: چونکہ "قل ھو اللہ احد الخ" کی تلاوت کرنا اس سورت سے محبت کی دلیل ہے۔ جو دلیل ہے عقیدۂ توحید کی پختگی کی۔ باقی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

سورۂ کافرون کی فضیلت

{۲۰۵۷} وَعَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَقُوْلُهٗ اِذَا اٰوَيْتُ اِلٰى فِرَاشِيْ فَقَالَ اقْرَأْ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ

فَاِنَّهَا بَرَآءَةٌ مِّنَ الشِّرْکِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۷۷، ابواب الدعوات، باب: ۲۲، حدیث نمبر: ۳۴۰۳۔ ابوداؤد شریف: ۲/۶۸۹، کتاب الادب، ابواب النوم، باب مایقول عند النوم، حدیث نمبر: ۵۰۵۵۔ دارمی: ۵۵۱، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل قل یا ایہا الکافرون، حدیث نمبر: ۳۴۲۷۔

حل لغات: شیئًا: چیز جمع اشیاءٔ، اویت: اویٰ (ض) أوِیًّا ٹھکانا لینا، فراش: بچھونا، جمع افرشہ۔ براءة: پروانہ جمع براءات۔ الشرک: شرِکہ (س) شِرْکًا شریک ہونا۔

ترجمہ: حضرت فروہ بن نوفل رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی چیز سکھا دیجئے، جب میں اپنے بستر پر آؤں تو اسے پڑھوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کرو اس لئے کہ یہ شرک سے خلاصی کا ذریعہ ہے۔

تشریح: سورۂ کافرون میں شرک سے بے زاری اور براءت کا درس بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس لئے سوتے وقت اس سورت کا پڑھنا عند اللہ اور عند الرسول پسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ وہ اس سورت کو پڑھ کر شرک سے بیزاری اور اپنے عقیدۂ توحید کی پختگی کا اظہار کر رہا ہے، اور نیند چونکہ موت کے مشابہ ہے اس لئے وہ سوتے وقت اس سورت کو پڑھ کر شرک سے بیزاری اور عقیدۂ توحید پر اپنی موت کی تمنا کر رہا ہے۔ اسی کے ہم معنی ایک شعر ہے:

سونے والے رب کو سجدہ کر کے سو
کیا خبر ہے اٹھے یا نہ اٹھے صبح کو

فروۃ بن نوفل: یہ تابعی ہیں اس بارے میں لوگوں نے کلام کیا ہے ان کا اپنے والد محترم سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا اپنے والد محترم سے سماع ثابت ہے۔ "الصواب أن له الصحبة لأبيه" (مرقاۃ: ۴/۳۷۰)

معوذتین کی تاثیر

{۲۰۵۸} **وَعَنْ** عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ بَیْنَا اَنَا اَسِیْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الْجُحْفَةِ وَالْاَبْوَاءِ اِذْ غَشِیَتْنَا رِیْحٌ وَظُلْمَةٌ شَدِیْدَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَعَوَّذُ بِاَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَاَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ وَیَقُوْلُ یَاعُقْبَةُ تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَاتَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/ ۲۰۶، تفریع ابواب الوتر، باب فی المعوذتین، حدیث نمبر: ۱۴۶۳۔

حل لغات: اسیر: سَارَ (ض) سَیْرًا چلنا، غشیتنا: غَشِیَ (س) غَشْیًا ڈھانکنا، ریح: ہوا، جمع رِیَاح۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں جحفہ اور ابواء کے درمیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، اچانک شدید ہوا اور اندھیرے نے ہم دونوں کو ڈھانپ لیا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس“ کے ذریعہ پناہ مانگنی شروع کر دی اور کہا کہ اے عقبہ! ان دونوں کے ذریعہ سے پناہ مانگو اس لئے کہ کسی پناہ چاہنے والے نے، ان دونوں سورتوں کی مانند سے پناہ نہیں چاہی ہے۔

تشریح: جب آدمی کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو ان دونوں سورتوں کے ذریعہ سے پناہ مانگے۔ اس لئے کہ یہ دونوں سورتیں ایسے حالات میں بڑی زود اثر ہیں۔

الجحفة: یہ مکہ مکرمہ کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔ جو شام، مصر اور مغربی ممالک والوں کی میقات ہے۔

الابواء: یہ وہ جگہ ہے جہاں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوا تھا۔ اور وہیں مدفون ہیں۔

اذ غشیتنا ریح و ظلمۃ شدیدۃ: یعنی آندھی تو تھی ہی بادل ہونے کی وجہ سے شدید اندھیرا بھی ہوگیا تھا۔

فجعل رسول اللّٰہ الخ: اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے جناب نبی کریم ﷺ نے ''معوذتین'' کا ورد شروع فرمادیا۔

ویقول یا عقبۃ الخ: یعنی عقبہ کو ایسے حالت میں ان دونوں سورتوں کی تلاوت کی تاکید فرمائی۔

فائدہ: حدیث پاک سے ان سورتوں کی فضیلت ظاہر ہوئی۔

(٢)......ایسے مواقع پر ان سورتوں کا ورد مفید ہے۔

(٣)......آنحضرت ﷺ کی عبدیت وفنائیت تعلق مع اللہ اور اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت کا بھی علم ہوا۔

(٤)......آنحضرت ﷺ کی شان تربیت کا بھی علم ہوا۔کہ ایسی سخت حالت میں بھی تعلیم وتربیت کی فکر ہے۔

معوذتین اور سورۂ اخلاص کی برکت

{٢٠٥٩} وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ خُبَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا فِيْ لَيْلَةِ مَطَرٍ وَظُلْمَةٍ شَدِيْدَةٍ نَطْلُبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَدْرَكْنَاهُ فَقَالَ قُلْ، قُلْتُ مَا اَقُوْلُ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوَّذَتَيْنِ حِيْنَ تُصْبِحُ وَحِيْنَ تُمْسِيْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ١٩٨/٢، احادیث شی من ابواب الدعوات قبل ابواب المناقب، باب فی انتظام الفرج وغیر ذلک، حدیث نمبر: ٣٥٧٥۔ ابوداؤد شریف: ٦٩٣/٢، کتاب الادب، ابواب النوم، باب مایقول اذا

اصبح، حدیث نمبر:۵۰۸۲،نسائی شریف:۲/۲۶۴، اول الباب استعاذۃ، حدیث نمبر:۵۴۳۰۔

حل لغات: خرجنا: خَرَجَ(ن) خُرُوْجًا نکلنا۔لیلۃ:رات جمع لَیَالِیْ، مَطَرٌ: بارش جمع اَمْطَار مَطَرَ(ن)مَطْرًا بارش ہونا۔اَدْرَکْنَاہُ:ادرک(افعال) پانا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن بارش اور سخت اندھیری رات میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہو میں نے کہا کیا کہوں؟ آپ صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا صبح و شام قل ھو اللہ احد اور معوذتین تین مرتبہ پڑھ لیا کرو تجھ کو ہر چیز کے لئے کافی ہوں گی۔

تشریح: خرجنا فی لیلۃ مطر وظلمۃ: یعنی وہ رات ایسی تھی کہ بارش بھی ہورہی تھی اور بادل چھائے رہنے کی وجہ سے سخت اندھیرا بھی تھا۔

فقال قل: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس بارش اور سخت اندھیرے کی وجہ سے سب ساتھی پریشان ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑھو۔

قلت ما أقول: یعنی حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں پڑھنے کا حکم دیا تو میں نے کہا کیا پڑھوں؟

قال قل ھو اللّٰہ احد والمعوذتین: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھنے کے لئے فرمایا۔نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان سورتوں کو صبح وشام پڑھ لیا کرو۔ہر طرح کی پریشانی سے یہ سورتیں بچالیں گی۔(مرقاۃ:۲/۶۰۱)

فائدہ: آندھی بارش کے خطرات سے حفاظت کے لئے یہ سورتیں مفید ہیں۔اس لئے جب ایسی مصیبت میں گھر جائے تو ان سورتوں کو پڑھ لیا کرے۔

معوذتین کے وقیع اثرات

{۲۰۶۰} وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا

رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَقْرَأُ سُوْرَۃَ ھُوْدٍ اَوْ سُوْرَۃَ یُوْسُفَ قَالَ لَنْ تَقْرَاَ شَیْئًا اَبْلَغَ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔

حوالہ: مسند احمد: ۱۴۹/۴، نسائی شریف: ۲۶۵/۲، کتاب الاستعاذۃ، حدیث نمبر: ۵۴۴۱۔ مسند دارمی: ۵۵۳/۲، کتاب فجائل القرآن، باب فی فضل المعوذتین، حدیث نمبر: ۳۴۳۹۔

حل لغات: ھود: ایک نبی کا اسم گرامی جمع ھائد کی ھَادَ (ن) ھَوْدًا توبہ کرنا، اَبْلَغَ: ہر وہ چیز جس کو انتہاء درجے تک پہنچا دیا گیا ہو۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اکرم ﷺ میں سورۂ ہود پڑھوں یا سورۂ یوسف؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ کے نزدیک قل اعوذ برب الفلق سے بہتر کوئی چیز نہیں پڑھ سکتے۔

تشریح: بعض پریشان کن حالات میں اس سورت کا پڑھنا ہی زیادہ مفید اور زیادہ مؤثر ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایسے حالت ہی کے متعلق پوچھ رہے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" پڑھ لیا کرو۔ ان حالات میں پڑھنے کے لئے اس سورت سے اچھی کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

اقرأ سورۃ ھود او سورۃ یوسف: "اقرأ" میں ہمزہ استفہام محذوف ہے۔ اصل میں ہے: "أأقرأ" یعنی ان دونوں سورتوں میں سے کونسی سورت پڑھوں؟

قال لن تقرأ شیئا ابلغ الخ: یعنی جن حالات اور جن پریشانیوں سے نجات اور حفاظت کے لئے آپ سورۂ ہود یا سورۂ یوسف پڑھنے کی اجازت لے رہے ہیں ان حالات میں "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" ہی سب سے بہتر رہے گی۔ (مرقاۃ: ۶۰۲/۲، التعلیق: ۲۳/۳)

﴿الفصل الثالث﴾

قرآن کے غرائب

{۲۰۶۱} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْرِبُوْا الْقُرْاٰنَ وَاتَّبِعُوْا غَرَائِبَهٗ وَغَرَائِبُهٗ فَرَآئِضُهٗ وَحُدُوْدُهٗ۔

حواله: شعب الایمان للبیهی: ۲/۴۲۷، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی قرأة القرآن بالتفخیم الخ، حدیث نمبر: ۲۲۹۳۔

حل لغات: اعربوا: اَعْرَبَ (افعال) ظاہر کرنا۔ بیان کرنا۔ تَبِعَ (س) تَبَعًا پیچھے چلنا۔ اتبع (افتعال) پیروی کرنا، غرائبهٗ: جمع ہے غَرِیْب کی بمعنی وہ کلام جس کا سمجھنا دشوار ہو۔ فرائضهٗ: جمع ہے فریضة کی بمعنی مقرر کردہ، حدود: جمع ہے حد کی بمعنی سزا، حَدَّ (ن) حَدًّا حد مقرر کرنا، حد جاری کرنا۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’قرآن کے معانی بیان کرو، اس کے غرائب کی پیروی کرو اور اس کے غرائب علم فرائض اور حدود ہیں۔‘‘

تشریح: قرآن کریم میں جو علوم ومعارف ہیں ان کو جاننا، سمجھنا اور ان پر عمل کرنا چاہئے۔

اعربوا القرآن: یہ طبقہ علماء کو خطاب ہے کہ اس برگزیدہ طبقے کو چاہئے کہ قرآن کریم میں جو علوم ومعارف ہیں ان کو بیان کریں۔ تاکہ جس طریقے سے یہ حضرات قرآن کریم کے علوم ومعارف پر عبور رکھتے ہیں ان علوم سے دوسرے لوگ بھی واقف ہوجائیں۔

وغرائبه فرائضه وحدوده: ساتھ ہی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی بتادیا کہ قرآن کریم کے سب سے مشکل علوم، فرائض اور حدود ہیں۔

اور فرائض سے مراد اوامر، اور حدود سے مراد منہیات ہیں۔ یعنی وہ چیزیں جن کو کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی اطاعت و پیروی کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے جن چیزوں کو کرنے کا حکم دیا ہے ان کو کیا جائے اور جن چیزوں سے روکا ہے ان سے اجتناب کیا جائے۔
(مظاہر حق: ۳/۷۳، مرقاۃ: ۲/۶۰۲، التعلیق: ۲/۲۳، طیبی: ۴/۳۱۶)

تلاوت قرآن کی فضیلت

{۲۰۶۲} وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ فِي الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلَاةِ وَقِرَاْءَةُ الْقُرْآنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّسْبِيْحُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصَّدَقَةُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ۔

حوالہ: شعب الایمان للبیھقی: ۲/۴۰۷، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی استحباب القرأة فی الصلوة، حدیث نمبر: ۲۲۴۳۔

حل لغات: افضل: فضلَ (س، ک) فَضْلًا: صاحب فضل ہونا، جمع اَفْضَلُوْنَ وَ اَفَاضِل۔ التَّسْبِيْح: سَبَحَ (ف) سبحانًا: سبحان اللہ کہنا۔ سَبَّحَ (تفعیل) خدا کی پاکی بیان کرنا، سبحان اللہ کہنا، الصدقة: صدقہ جمع صَدَقَات۔ الصوم: روزہ جمع صیام۔ جنة: ڈھال، جمع مَجَان۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”نماز میں قرآن کریم کا پڑھنا نماز سے باہر پڑھنے سے بہتر ہے اور نماز سے باہر قرآن کریم کی تلاوت کرنا تسبیح اور تکبیر سے بہتر ہے، اور تسبیح صدقہ سے افضل ہے، اور صدقہ روزہ سے افضل ہے اور روزہ آگ کے لئے ڈھال ہے۔“

تشریح: یعنی نماز کے اندر قرآن کریم کی تلاوت کرنا دیگر نفلی عبادتوں سے بہتر ہے۔

اس لئے کہ اس صورت میں کئی عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں نماز جوام العبادات اور جامع العبادات ہے، قرآن پاک کی تلاوت جو افضل الاذ کار ہے، نیز ادب اور خشوع خضوع بھی پایا جاتا ہے۔

دیگر تسبیحات سے بہتر نماز سے باہر قرآن کریم کی تلاوت اس لئے ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جو افضل الاذ کار بلکہ جامع الاذ کار ہے۔ جس میں اس کے احکام اور حِکَم بیان کئے گئے ہیں۔

تسبیح وتکبیر اور دیگر اذ کار واوراد خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔ اگرچہ مشہور یہ ہے کہ عبادت متعدی کہ جس کا فائدہ اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کو بھی پہنچے۔ (مثلاً صدقہ) افضل ہے، عبادت لازمی۔ (مثلاً تسبیح اور اذ کار) سے کہ جس کا فائدہ صرف اپنی ذات تک محدود رہتا ہے افضل ہے۔ لیکن یہ بات ذکر کے علاوہ دوسری عبادات کے ساتھ خاص ہے۔ ذکر اس سے مستثنیٰ ہے۔ جبکہ روزہ کا فائدہ صرف اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ اور صدقہ روزہ سے زیادہ ثواب رکھتا ہے، کیونکہ صدقہ کا فائدہ متعدی ہے، جبکہ روزہ کا فائدہ صرف اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔

(مظاہر حق: ۳۸/ ۳، مرقاۃ: ۶۰۲/ ۲، طیبی: ۳۱۷/ ۴)

قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے کی فضیلت

{۲۰۶۳} وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ اَوْسٍ الثَّقَفِيِّ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْآنَ فِيْ غَيْرِ الْمُصْحَفِ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهٗ فِي الْمُصْحَفِ تُضَعَّفُ عَلٰى ذٰلِكَ اِلٰى اَلْفَيْ دَرَجَةٍ۔

حوالہ: شعب الایمان للبیهقی: ۲/ ۴۰۷، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی القرأة من المصحف، حدیث نمبر: ۲۲۱۸۔

حل لغات: جده: دادا جمع اَجداد۔ الرجل: آدمی، جمع رِجَال۔ المصحف: لکھا ہوا کاغذ، جمع مصاحف و صُحُف۔ ضَعَفَ (ف) ضعْفًا زیادہ کرنا۔ درجة: مرتبہ جمع دَرَجَات۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن عبداللہ بن اوس الثقفی اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کا قرآن کریم دیکھے بغیر پڑھنا ایک ہزار درجے کے برابر ثواب رکھتا ہے اور اس کا دیکھ کر پڑھنا دو ہزار درجے کے برابر ثواب رکھتا ہے۔''

تشریح: قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے دوگنا افضل ہے۔ اسلئے کہ دیکھ کر پڑھنے کی صورت میں پڑھنے کا عمل پانے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم دیکھنے، اس کو چھونے اور اٹھانے جیسے اعمال بھی پائے جاتے ہیں۔ جس سے قرآن کریم کا اعزاز زیادہ ہوتا ہے۔ اور ان چیزوں کی وجہ سے اجر بڑھ جاتا ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (مرقاۃ: ۶۰۳ / ۲، طیبی: ۳۱۸ / ۴)

تلاوت قرآن دل کو جلا بخشتی ہے

{۲۰۶۴} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ ہٰذِہِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ کَمَا یَصْدَأُ الْحَدِیْدُ اِذَا أَصَابَہُ الْمَآءُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وَمَا جِلَاؤُھَا قَالَ کَثْرَۃُ ذِکْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ۔ رَوَی الْبَیْہَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الْاَرْبَعَۃَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

حوالہ: شعب الایمان للبیہقی: ۲/ ۳۵۳، باب تعظیم القرآن، فصل فی ادمان تلاوتہ، حدیث نمبر: ۲۰۱۴۔

حل لغات: تصدأ: صَدِأَ (س، ک) صَدَأً وَصَدَائَۃً: زنگ لگنا، اصابہ: أَصَابَ۔ (افعال) پانا، پہنچنا۔ الماءُ: پانی جمع میاہ۔ جلائہا: جَلَا (ن) جِلَاءً دور کرنا، زائل کرنا۔ تِلَاوَۃً: تَلَا (ن) تِلَاوَۃً: تلاوت کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان دلوں میں زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ پانی لگنے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض

کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی جلا کا کیا ذریعہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سے موت کی یاد اور تلاوت قرآن۔"

تشریح: معاصی اور خواہشات کے اتباع نیز غلط ماحول اور بری صحبت وغیرہ چیزوں سے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ دلوں میں غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔

جس کی وجہ سے عبادت کرنے میں طبیعت نہیں لگتی کسی طرح سے عبادت کر بھی لیتا ہے تو مزہ نہیں آتا ہے۔ اسی کو اس حدیث شریف میں زنگ لگنے سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ مشین میں زنگ لگ جانے کی وجہ سے یا تو چلتی نہیں، یا پھر چلانے میں مزہ نہیں آتا اور زنگ آلود مشین کو صاف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور صاف کرنے کے بعد مشین صحیح کام کرنے لگتی ہے، اسی طرح زنگ آلود دلوں کی صفائی کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کثرت سے موت کی یاد اور تلاوتِ قرآن کریم۔ اس لئے کہ موت کی یاد ان لذتوں کو ختم کر دیتی ہے جو انسانوں کو معاصی اور فواحش کے ارتکاب پر ابھارنے والی ہوتی ہیں۔

اور دوسری صورت تلاوت قرآن ہے اس لئے کہ جو دل قرأت قرآن سے خالی ہو اندھیرا اور ویران گھر کی طرح ہے اور قرآن کا نور اس اندھیری کو دور کر کے دل کو منور کرتا ہے۔ (طیبی: ۳۱۸/ ۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی گناہوں کی کثرت اور اللہ جل شانہ کی یاد سے غفلت کی وجہ سے دلوں پر بھی زنگ لگ جاتا ہے، جیسا کہ لوہے کو پانی لگ جانے سے زنگ لگ جاتا ہے اور کلامِ پاک کی تلاوت اور موت کی یاد ان کے لئے صیقل کا کام دیتی ہے۔ دل کی مثال ایک آئینہ کی سی ہے، جس قدر وہ دھندلا ہوگا، معرفت کا انعکاس اس میں کم ہوگا اور جسقدر صاف اور شفاف ہوگا، اسی قدر اس میں معرفت کا انعکاس واضح ہوگا۔ اسی لئے آدمی جس قدر معاصی شہوانیہ یا شیطانیہ میں مبتلا ہوگا، اسی قدر معرفت سے دور ہوگا اور اسی آئینہ کے صاف کرنے کے لئے مشائخ سلوک ریاضت ومجاہدات، اذکار و اشغال تلقین فرماتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے قلب میں پڑ جاتا ہے، اگر وہ سچی توبہ کر لیتا

ہے تو وہ نقطہ زائل ہو جاتا ہے اور اگر دوسرا گناہ کرلیتا ہے تو دوسرا نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح سے اگر گناہوں میں بڑھتا رہتا ہے تو شدہ شدہ ان نقطوں کی کثرت سے دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، پھر اس قلب میں خیر کی طرف رغبت ہی نہیں رہتی، بلکہ شر ہی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

اسی کی طرف قرآنِ پاک کی اس آیت میں اشارہ ہے: "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" (سورہ مطففین) [بے شک ان کے قلوب پر زنگ جما دیا ان کی بداعمالیوں نے۔]

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ دو واعظ چھوڑتا ہوں، ایک بولنے والا، دوسرا خاموش، بولنے والا قرآن شریف ہے اور خاموش موت کی یاد۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد سر آنکھوں پر، مگر واعظ تو اس کے لئے ہو جو نصیحت قبول کرے، نصیحت کی ضرورت سمجھے، جہاں سرے سے دین ہی بے کار ہو، ترقی کی راہ میں مانع ہو، وہاں نصیحت کی ضرورت کسے اور نصیحت کرے گی کیا؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پہلے لوگ قرآن شریف کو اللہ کا فرمان سمجھتے تھے، رات بھر اس میں غور و تدبر کرتے تھے اور دن کو اس پر عمل کرتے تھے اور تم لوگ اس کے حروف اور زبر، زیر تو بہت درست کرتے ہو مگر اس کو فرمانِ شاہی نہیں سمجھتے، اس میں غور و تدبر نہیں کرتے۔

سب سے عظیم الشان سورت

{۲۰۶۵} وَعَنْ اَيْفَعَ ابْنِ عَبْدِ الْكَلَاعِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَىُّ سُوْرَةِ الْقُرْآنِ أَعْظَمُ قَالَ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ قَالَ فَأَىُّ اٰيَةٍ فِى الْقُرْاٰنِ أَعْظَمُ قَالَ اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ، اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ قَالَ فَاَىُّ اٰيَةٍ يَا نَبِيَّ اللهِ تُحِبُّ اَنْ تُصِيْبَكَ وَأُمَّتَكَ قَالَ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاِنَّهَا مِنْ خَزَآئِنِ رَحْمَةِ اللهِ تَعَالٰى مِنْ تَحْتِ عَرْشِهٖ اَعْطَاهَا هٰذِهِ الْاُمَّةَ لَمْ تَتْرُكْ خَيْرًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ۔

حوالہ: دارمی: ۲/ ۵۴۰، کتاب فضائل القرآن، باب فضل اول سورۃ البقرۃ الخ، حدیث نمبر: ۳۳۸۰۔

حل لغات: اعظم: عَظُمَ (ک) عِظَمًا بڑا ہونا، آیۃ: آیت، نشان، جمع: آیات، الکرسی: تخت، کرسی جمع کَرَاسِی۔ تصیبک: اَصَابَ (افعال) پانا، خاتمۃ: مونث ہے خاتم کی بمعنی انجام، نتیجہ، جمع خَوَاتِم۔

ترجمہ: حضرت ایفع بن عبد الکلاعی سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا، یارسول اللہ! قرآن کریم میں عظیم الشان سورت کون سی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قل ھو اللہ احد" اس آدمی نے پوچھا قرآن کریم میں عظیم الشان آیت کونسی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آیت الکرسی" یعنی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ اس آدمی نے پوچھا یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی آیت ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے ہیں کہ وہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی امت کو پہنچے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سورۂ بقرہ کی آخری آیت ہے اس لئے کہ اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے سے، اپنی رحمت کے خزانے سے اس امت کو دیا ہے، دنیا و آخرت کی کوئی بھلائی نہیں چھوڑی ہے، مگر اس میں سب جمع ہیں۔

تشریح: سورۂ اخلاص سب سے عظیم الشان سورت ہے اور آیتوں میں سب سے عظیم الشان آیت "آیۃ الکرسی" ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بیان کے سلسلے میں سورۂ اخلاص سب سے عظیم الشان سورت ہے۔ اس لئے کہ اس مختصر سی سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کو بدرجۂ اتم بیان کر دیا ہے۔

آیۃ الکرسی اللّٰہ لا الٰہ الخ: یعنی پوری آیت مراد ہے۔ اس لئے کہ آیۃ الکرسی اللہ تعالیٰ کی اہم اور اعظم صفات پر مشتمل ہے۔

خاتمۃ سورۃ البقرۃ الخ: سورۂ بقرہ کی آخری حصہ سے مراد "آمن الرسول" سے

014 Kitab Fazailil Quraan

سورت کے آخری ۲؍آیتیں مراد ہیں؛ کیونکہ یہ آیتیں دین و دنیا کی تمام بھلائیوں پر حاوی ہیں۔

اشکال مع جواب

اشکال: ما قبل حدیث میں ''سورۂ فاتحہ'' کو بہت بڑی اور عظیم الشان سورت فرمایا گیا تھا، جب کہ اس حدیث شریف میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ'' کو عظیم الشان سورت فرمایا جارہا ہے، بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض اور تضاد ہے۔

جواب: حقیقت میں دونوں میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں ہے؛ کیونکہ سورۂ فاتحہ اس اعتبار سے عظیم الشان سورت ہے کہ وہ خدا کی حمد اور دعا وعبادت پر مشتمل ہے، نیز وہ قرآن کا خلاصہ ہے۔ اور سورۂ ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ'' اس اعتبار سے سب سے عظیم الشان ہے کہ اس میں اللہ رب العزت کی صفت وحدانیت بہت عمدہ اور بلیغ انداز میں بیان کی گئی ہے۔ اس لئے ہر ایک کی نوعیت جداگانہ ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۶۰۳)

سورۂ فاتحہ شفاء ہے

{۲۰۶۶} وَعَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ شِفَآءٌ مِّنْ كُلِّ دَآءٍ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ۔

حواله: دارمی: ۲/۵۳۸، کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب، حدیث نمبر: ۳۳۷۰۔
شعب الایمان للبیهقی: ۲/۴۵۰، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی فضائل السور الخ، حدیث نمبر: ۲۳۷۰۔

حل لغات: شفاء: دوا۔ جمع اشفیة: شفٰی (ض) شِفَاءً تندرست ہونا، داء: بیماری۔ جمع ادواء۔

ترجمه: حضرت عبد الملک بن عمیر سے مرسلا روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: ''سورۂ فاتحہ میں ہر بیماری کی دوا ہے۔''

تشریح: فاتحة الكتاب: یعنی سورۂ فاتحہ کا ورد کرنے، تعویذ بنا کر گلے میں ڈالنے یا طشت وغیرہ میں لکھ کر دھو کر پانی پینے سے شفا ملتی ہے۔ بالخصوص مقدار میں پڑھ کر پانی پر دم کر کے پینے سے شفاء حاصل ہوتی ہے، اسی طرح اس سورت کو مخصوص مقدار میں پڑھ کر مریض پر دم کرنے سے بھی شفاء حاصل ہوتی ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سانپ کے کاٹے ہوئے، بچھو کے ڈسے ہوئے لوگوں کا علاج بھی اس سورت سے کرتے تھے۔ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان الحمد شریف مع بسم اللہ اکتالیس مرتبہ اول آخر درود شریف گیارہ مرتبہ پڑھنا، ہر لاعلاج مرض اور ہر پریشانی کے حل اور ہر اہم مقصد کی کامیابی کے لئے مفید اور حضرات اکابر کا مجرب ہے۔

من كل داء: روحانی، جسمانی، دینی، دنیوی، جہل وکفر، معاصی اور ہر طرح کی دوسری تمام بیماریوں سے شفاء مل جاتی ہے۔ بشرطیکہ صحیح طور پر یقین کامل کے ساتھ کسی روحانی طبیب حاذق کے مشورہ سے پڑھا جائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ فضائل قرآن مجید میں تحریر فرماتے ہیں:

مشائخ نے لکھا ہے کہ اگر ''سورۂ فاتحہ'' کو ایمان ویقین کے ساتھ پڑھے تو ہر بیماری سے شفا ہوتی ہے، دینی ہو یا دنیوی، ظاہری ہو یا باطنی، لکھ کر لٹکانا اور چاٹنا بھی امراض کے لئے نافع ہے۔

صحاح کی کتابوں میں وارد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سانپ بچھو کے کاٹے ہوئے پر اور مرگی والوں پر اور دیوانوں پر ''سورۂ فاتحہ'' پڑھ کر دم کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز بھی رکھا۔

نیز ایک روایت میں آیا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو دم فرمایا اور یہ سورت پڑھ کر لعابِ دہن درد کی جگہ لگایا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص سونے کے ارادہ سے لیٹے اور ''سورۂ فاتحہ'' اور ''قل ھو اللہ احد'' پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لے، موت کے سوا ہر بلا سے امن

پاوے ۔ایک روایت میں آیا ہے کہ''سورۂ فاتحہ'' ثواب میں دوتہائی قرآن کے برابر ہے ۔ایک روایت میں آیا ہے کہ عرش کے خاص خزانہ سے مجھ کو چار چیزیں ملی ہیں کہ اور کوئی چیز اس خزانہ سے کسی کو نہیں ملی: ''سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ کی اخیر آیات اور سورۂ کوثر''۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جس نے ''سورۂ فاتحہ'' کو پڑھا، اس نے گویا ''تورات، انجیل، زبور'' اور ''قرآن شریف'' کو پڑھا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ابلیس کو اپنے او پر نوحہ اور زاری اور سر پر خاک ڈالنے کی چار مرتبہ نوبت آئی ۔اول: جب اس پر لعنت ہوئی ۔دوسرے: جب کہ اس کو آسمان سے زمین پر ڈالا گیا۔ تیسرے: جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی ۔چوتھے: جب کہ سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور درد گردہ کی شکایت کی، شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ اساس القرآن پڑھ کر درد کی جگہ دم کر، اس نے پوچھا کہ اساس القرآن کیا ہے؟ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ''سورۂ فاتحہ''۔

مشائخ کے اعمال مجرب میں لکھا ہے کہ ''سورۂ فاتحہ'' اسم اعظم ہے ۔ہر مطلب کے لئے پڑھنی چاہئے اور اس کے دو طریقے ہیں ۔ایک: یہ کہ صبح کی سنت اور فرض کے درمیان ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کے میم کے ساتھ ''الحمد للہ'' کا لام ملا کر اکتالیس بار چالیس دن تک پڑھے، جو مطلب ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ حاصل ہوگا۔اور اگر کسی مریض یا جادو کئے ہوئے کے لئے ضرورت ہو تو پانی پر دم کر کے اس کو پلاوے۔ دوسرے: یہ کہ نوچندی اتوار کو صبح کی سنت اور فرض کے درمیان بلا قید میم ملانے کے ستر بار پڑھے اور اس کے بعد ہر روز اسی وقت پڑھے اور دس دس بار کم کرتا جاوے، یہاں تک کہ ہفتہ ختم ہو جاوے، اول مہینے میں اگر مطلب پورا ہو جاوے فبہا۔ورنہ دوسرے تیسرے مہینہ میں اسی طرح کرے۔

نیز اس سورت کا چینی کے برتن پر گلاب اور مشک وزعفران سے لکھ کر اور دھو کر پلانا چالیس روز تک امراض مزمنہ کے لئے مجرب ہے ۔نیز دانتوں کے درد اور سر کے درد، پیٹ کے درد کے لئے سات بار پڑھ کر دم کرنا مجرب ہے ۔(یہ سب مضمون مظاہر حق سے مختصر طور سے نقل کیا گیا ہے ۔)

آل عمران کی آخری آیتوں کی فضیلت

{۲۰۶۷} وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ مَنْ قَرَأَ آخِرَ آلِ عِمْرَانَ فِیْ لَیْلَۃٍ کُتِبَ لَہٗ قِیَامُ لَیْلَۃٍ۔

حوالہ: دارمی: ۲/۵۴۴، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل آل عمران، حدیث نمبر: ۳۳۹۶۔

حل لغات: لیلۃ: رات۔ جمع لیالی، کتب: کَتَبَ (ن) کِتَابۃ: لکھنا۔ قیام: قام (ن) قیاماً: کھڑا ہونا۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے رات میں آل عمران کا آخری حصہ پڑھا اس کو پوری رات عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کا یہ فضل واحسان ہے کہ تھوڑی سی عبادت پر بہت زیادہ ثواب دیتا ہے۔

آخر آل عمران: آخری حصہ سے مراد "ان فی خلق السموات" سے لے کر سورۂ آل عمران کے آخری حصے تک ہے۔

کتب لہ قیام لیلۃ: یعنی وہ پڑھنے والا پوری رات عبادت کرنے والے میں شمار ہو کر پوری رات عبادت کرنے کا ثواب پاتا ہے۔ (التعلیق: ۲/۲۵)

جمعہ کے دن آل عمران پڑھنے کی فضیلت

{۲۰۶۸} وَعَنْ مَکْحُوْلٍ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَۃَ آلِ عِمْرَانَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ صَلَّتْ عَلَیْہِ الْمَلَآئِکَۃُ اِلَی اللَّیْلِ رَوَاھُمَا الدَّارِمِیُّ۔

حوالہ: دارمی: ۲/۵۴۴، باب فی فضل آل عمران، حدیث نمبر: ۳۳۹۷۔

حل لغات: یوم: دن۔ جمع أیّام۔ جمعۃ: ہفتے کا ساتواں دن، جمع جُمُعٌ وَ جُمُعَات۔

ترجمہ: حضرت مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے جمعہ کے دن

سورۂ آل عمران پڑھی، اس کے لئے فرشتے رات تک دعاء کرتے ہیں۔

تشریح: جمعہ کے دن بعض مختصر اعمال بڑی اہمیت رکھتے ہیں ان میں سے ایک سورۂ آل عمران کی تلاوت بھی ہے۔ جو شخص جمعے کے دن اس سورت کو پڑھے گا فرشتے رات تک اس کے حق میں دعائیں واستغفار کرتے رہیں گے۔

مکحول: مشہور تابعی ہیں۔

سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں سیکھو اور سکھاؤ

{۲۰۶۹} وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ بِآيَتَيْنِ اُعْطِيْتُهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِيْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوْهُنَّ وَعَلِّمُوْهُنَّ نِسَآئَكُمْ لِاَنَّهَا صَلَاةٌ وَقُرْبَانٌ وَدُعَاءٌ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلاً۔

حواله: دارمی: ۲/۵۴۲، باب فی فضل اول سورۃ البقرۃ الخ، حدیث نمبر: ۳۳۹۰۔

حل لغات: خَتَمَ: خَتَمَ (ض) خَتْمًا: ختم کرنا۔ کنز: خزانہ، جمع کُنُوْز۔ العرش: شاہی تخت، جمع عُرُوْش۔ وَاَعْرُش۔ قربان: ہر وہ چیز جس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے، جمع قرابینِ قرب (س، ک) قُرْبًا وَقُرْبَانًا: قریب ہونا۔

ترجمه: حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو ایسی دو آیتوں پر ختم کیا ہے جو عرش کے نیچے والے خزانے سے دی گئی ہیں، لہٰذا ان کو سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھاؤ اس لئے کہ یہ آیتیں رحمت، ذریعۂ قرب اور دعائیں۔''

تشریح: دو آیت سے مراد ''آمن الرسول'' سے لے کر آخری سورت تک ہے۔ ان آیتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح

یہ آیات دینی و دنیوی دعاؤں پر مشتمل ہیں۔جنت کے خزانوں میں عرش کے نیچے کے خزانے سب سے زیادہ قیمتی خزانے ہیں، یہ آیتیں ان خزانوں کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ یا خود یہ آیات ان خزانوں کی شکل اختیار کرلیں گی۔واللہ تعالیٰ اعلم

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔مرقاۃ: ۶۰۴ / ۲۔

جمعہ کے دن سورۂ ہود پڑھنا

{۲۰۷۰} وَعَنْ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْرَأُوْا سُوْرَةَ هُوْدٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا۔

حوالہ: دارمی: ۲/ ۵۴۵، کتاب فضائل القرآن، باب فضائل الانعام الخ، حدیث نمبر: ۳۴۰۴۔

حل لغات: اقرأوا: قَرَأَ (ف) قِرَاءَةً پڑھنا،ھود، ھائد کی جمع ہے بمعنی یہود، ھاد (ن) هَوْدًا: توبہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جمعہ کے دن ''سورۂ ہود'' پڑھا کرو۔''

تشریح: قال اقرأوا سورة هود: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سورۂ ہود پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔اس لئے جمعہ کے دن سورۂ ہود پڑھنے کا اہتمام کیا جانا چاہئے۔

جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی برکت

{۲۰۷۱} وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

أَضَاءَ لَهُ النُّوْرُ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

حوالہ: مستدرک للحاکم: ۲/ ۳۹۹، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الکھف، حدیث نمبر: ۳۳۹۲۔

حل لغات: الکھف: بڑا غار، جمع کُهُوْف: الجمعة: ہفتے کا ساتواں دن، جمع: جُمُعٌ وَجُمُعَاتٌ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص جمعے کے دن سورۂ کہف پڑھتا ہے اس کے لئے دوسرے جمعے تک نور روشن رہتا ہے۔''

تشریح: آدمی کو جمعے کے دن سورۂ کہف پڑھنا چاہئے تاکہ اس کا دل نور ہدایت سے روشن رہے۔

اضاء له النور: یعنی جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا اس کا دل نور سے منور رہے گا۔ پھر یہی نور قبر میں روشن رہے گا۔ اور قیامت کے دن بھی یہ نور ساتھ دے گا۔ جیسا کہ ما قبل میں گذر چکا۔

الٓمٓ تنزیل پڑھنے کی فضیلت

{۲۰۷۲} وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ قَالَ اقْرَأُوْا الْمُنْجِيَةَ وَهِيَ الٓمٓ تَنْزِيْلُ فَإِنَّهُ بَلَغَنِيْ أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَقْرَأُهَا مَا يَقْرَأُ شَيْئًا غَيْرَهَا وَكَانَ كَثِيْرَ الْخَطَايَا فَنَشَرَتْ جَنَاحَهَا عَلَيْهِ قَالَتْ رَبِّ اغْفِرْ لَهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُكْثِرُ قِرَاءَتِيْ فَشَفَّعَهَا الرَّبُّ تَعَالٰى فِيْهِ، وَقَالَ اكْتُبُوْا لَهُ بِكُلِّ خَطِيْئَةٍ حَسَنَةً وَارْفَعُوْا لَهُ دَرَجَةً وَّقَالَ اَيْضًا اِنَّهَا تُجَادِلُ عَنْ صَاحِبِهَا فِي الْقَبْرِ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ مِنْ كِتَابِكَ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ وَاِنْ لَّمْ اَكُنْ مِنْ كِتَابِكَ فَامْحُنِيْ عَنْهُ وَاِنَّهَا تَكُوْنُ كَالطَّيْرِ تَجْعَلُ جَنَاحَهَا عَلَيْهِ فَتَشْفَعُ لَهُ فَتَمْنَعُهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَقَالَ فِيْ تَبَارَكَ مِثْلَهُ وَكَانَ خَالِدٌ لَا يَبِيْتُ

حَتّٰى يَقْرَأَهُمَا وَقَالَ طَاؤُسٌ فُضِّلَتَا عَلٰى كُلِّ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ بِسِتِّيْنَ حَسَنَةً۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ۔

حوالہ: دارمی: ۵۴۶/۲، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضائل سورۃ تنزیل السجدۃ الخ، حدیث نمبر: ۳۴۱۲، ۳۴۱۰، ۳۴۰۸۔

حل لغات: بلغنی: بَلَغَ (ن) پہنچنا، الخطایا: جمع ہے خطیئۃ کی۔ بمعنی غیر ارادی گناہ، فنشرت: نَشَرَ (ن) نَشْرًا: پھیلانا۔ جناحها: بازو، جمع أَجْنِحَة۔

ترجمہ: حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ منجیہ یعنی "الٓمٓ تنزیل" پڑھا کرو، اس لئے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک آدمی اس سورت کو پڑھتا تھا اس کے علاوہ کچھ نہیں پڑھتا تھا اور بہت خطا کار تھا تو اس سورت نے اس شخص پر اپنا بازو پھیلا کر کہا اے میرے رب! اس کو بخش دیجئے، اس لئے کہ یہ مجھے بہت زیادہ پڑھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے حق میں اس کی سفارش قبول کرلی، اور کہا کہ اس کے ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی لکھ دو اور اس کا درجہ بلند کردو، نیز کہا کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کے حق میں جھگڑتے ہوئے کہے گی اے اللہ! اگر میں تیری کتاب میں سے ہوں تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما اور اگر میں تیری کتاب میں سے نہیں ہوں تو تو مجھے اس سے مٹادے، یہ سورت پرندے کے مانند ہوکر، اس پر اپنے بازو کو پھیلا دے گی اور اس کے حق میں سفارش کرے گی۔ چنانچہ اس کو عذاب قبر سے بچالے گی، نیز انہوں نے تَبَارَكَ الَّذِي کے سلسلے میں بھی ایسا ہی بیان کیا اور خالد ان دونوں سورتوں کو پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے اور حضرت طاؤس کہتے تھے ان دونوں سورتوں کو قرآن کریم کی ہر سورت پر ساٹھ نیکیوں کے ساتھ فضیلت بخشی گئی ہے۔

تشریح: المنجیۃ: یعنی یہ سورت عذاب قبر اور حشر کی ہولناکیوں سے نجات دلانے والی ہے۔

بلغنی: یعنی یہ بات حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے معلوم ہوئی ہے۔ اس لئے کہ تقریباً ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی ملاقات ثابت ہے۔

ان رجلا: رجل سے مراد اسی امت کا کوئی آدمی ہے۔

کان یقرأھا الخ: یعنی اس سورت کو اپنے معمول میں داخل کر کے بطور وظیفہ کے روزانہ پڑھا کرتا تھا اور دوسری کوئی سورت نہیں پڑھتا تھا۔

وہ آدمی چونکہ گنہگار تھا جس کی وجہ سے اس کو عذاب ہو رہا تھا۔ اس سورت نے اس شخص پر اپنے بازو پھیلا دیئے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی: کہ اے میرے رب! اس شخص کو بخش دے۔ اس لئے کہ یہ بہت زیادہ میری تلاوت کیا کرتا تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس عذاب میں گرفتار شخص کے حق میں اس سورت کی سفارش قبول ہی نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ہر غلطی کے بدلے میں ایک ایک نیکی لکھنے اور اس کے درجات بلند کرنے کا حکم صادر فرمادیا۔

سورۂ یٰس پڑھنے کی فضیلت

{۲۰۷۳} وَعَنْ عَطَآءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ يٰسٓ فِیْ صَدْرِ النَّهَارِ قُضِيَتْ حَوَائِجُهٗ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ مُرْسَلًا۔

حوالہ: دارمی: ۵۴۹/۲، باب فی فضل سورۃ یٰس، حدیث نمبر: ۳۴۱۸۔

حل لغات: بلغنی: بَلَغَ (ن) بُلُوغًا پہنچنا، صدر ہر چیز کا ابتدائی حصہ جمع صُدُوْر۔ قضیت: قَضٰی (ض) قَضَاءً: پورا کرنا۔ حوائجہٗ: جمع ہے حاجۃ کی بمعنی ضرورت۔

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص دن کے شروع میں یٰس پڑھتا ہے اس کی تمام ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔“

تشریح: عطاء بن ابی رباح: بڑے جلیل القدر تابعی ہیں، علم وعمل کے پہاڑ

تھے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات نے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۶۰۶)

قضیت حوائجہ: یعنی دینی، دنیوی، اخروی اور دوسری تمام ضروریات مراد ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۶۰۶)

قریب المرگ کے سامنے یٰسٓ پڑھنا

{۲۰۷۴} وَعَنْ مَعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ يٰسٓ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ تَعَالٰى غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَاقْرَأُوْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حوالہ: شعب الایمان للبیھقی: ۲/۴۷۹، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی فضائل السور الخ، حدیث نمبر: ۲۴۵۸۔

حل لغات: ابتغاء: بغیٰ (ض) بغیًا طلب کرنا، ابتغی (افتعال) طلب کرنا، وجہ: چہرہ۔ جمع وُجُوہٌ۔

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے سورۂ یٰسٓ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پڑھی، اس کے تمام اگلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اس لئے اس سورت کو اپنے مردوں کے پاس پڑھا کرو۔“

تشریح: معقل بن یسار: حضرت معقل بن یسار صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے ہیں۔

من قرأ یٰسٓ ابتغاء وجہ اللہ الخ: یعنی جو شخص سورۂ یٰسٓ کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا

کے لئے پڑھتا ہے اور کوئی دوسری غرض نہیں ہے۔

غفر لہ ما تقدم: یعنی اس کے اگلے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ گناہِ کبیرہ بھی معاف کردیئے جاتے ہیں۔

فاقرأوھا عند موتاکم الخ: قریب المرگ لوگ مغفرت کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں، اس لئے ان کے پاس یہ سورت پڑھی جائے، تاکہ اس سورت کی برکت سے ان کی مغفرت ہوجائے اور موت کی سختی سے نجات بھی مل جائے۔ (مرقاۃ: ۶۰۶/ ۲)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ فضائل قرآن مجید میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سورۂ یٰس میرے ہر امتی کے دل میں ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جس نے سورۂ یٰس کو ہر رات میں پڑھا، پھر مرگیا تو شہید مرا۔

ایک روایت میں ہے کہ جو سورۂ یٰس کو پڑھے اس کی مغفرت کی جاتی ہے۔ اور جو بھوک کی حالت میں پڑھتا ہے وہ سیر ہوجاتا ہے۔ اور جو راستہ گم ہوجانے کی وجہ سے پڑھتا ہے وہ راستہ پالیتا ہے اور جو شخص جانور کے گم ہوجانے کی وجہ سے پڑھتا ہے وہ اس کو پالیتا ہے اور جو ایسی حالت میں پڑھے کہ کھانا کم ہوجانے کا خوف ہو تو وہ کھانا کافی ہوجاتا ہے۔ اور جو ایسے شخص کے پاس پڑھے جو نزع میں ہو تو اس پر نزع میں آسانی ہوجاتی ہے اور جو ایسی عورت پر پڑھے جس کا بچہ ہونے میں دشواری ہورہی ہو اس کے لئے بچہ جننے میں سہولت ہوتی ہے۔

مقری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب بادشاہ یا دشمن کا خوف ہو اور اس کے لئے سورۂ یٰس پڑھے تو وہ خوف جاتا رہتا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے جس نے سورۂ "یٰس اور والصّٰفّٰت"، جمعہ کے دن پڑھی اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس کی دعا پوری ہوتی ہے۔ (اس کا اکثر مظاہر حق سے منقول ہے۔ مگر مشائخ حدیث کو

بعض روایات کی صحت میں کلام ہے)۔

آگے کچھ مضمون برکات دعا سے نقل کیا گیا ہے۔

یٰسٓ شریف کے اسماء مقدسہ

یٰسٓ شریف کے احادیث نبویہ میں متعدد نام آئے ہوئے ہیں، جن کی مختصر تشریح حسب ذیل ہیں:

(۱)......یٰسٓ کا ایک نام: قاضیہ ہے۔ یعنی یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی مرادوں اور حاجتوں کو پورا کرنے والی ہے۔

(۲)......یٰسٓ کا ایک نام: دافعہ ہے۔ یعنی یہ سورت اپنے پڑھنے والے سے ہر قسم کی برائیوں کو دفع کر دیتی ہے۔

(۳)...... یٰسٓ کا ایک نام: مدافعہ ہے۔ یعنی یہ سورت اپنے پڑھنے والے سے بلاؤں ومصائب کو دور کرنے والی ہے۔

(۴)......یٰسٓ کا ایک نام: رافعہ ہے۔ یعنی مومنوں کے رتبہ کو بلند کرنے والی ہے۔

(۵)......یٰسٓ کا ایک نام: خافضہ ہے۔ یعنی کافروں کو پست کرنے والی ہے۔

(۶)......یٰسٓ کا ایک نام: عظیمہ ہے۔ یعنی اس کے پڑھنے والے کو مقبولیت، عزت وعظمت دلانے والی ہے۔

(۷)...... یٰسٓ کا ایک نام: منعمہ ہے۔ یعنی اس کے پڑھنے والے کے لئے دنیا وآخرت کی بھلائیاں دلانے والی اور آخرت کی ہول وگھبراہٹ کو دور کرنے والی ہے۔

(۸)......یٰسٓ کا ایک نام: قلب القرآن ہے۔ یعنی قرآن مجید کا دل ہے۔

(۹)......یٰسٓ اسماء الٰہیہ میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے۔

(۱۰)......یٰسٓ یہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ناموں میں سے ایک نام ہے۔

فائدہ: مذکورہ بالا متعدد ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایسی مقدس سورت ہے کہ اس کے پڑھنے والے کی مرادوں، حاجتوں کو برلانے والی، دارین میں بھلائی، عافیت و برکات عطا کرانے والی مقبولیت وعظمت دلانے والی اوراس کے پڑھنے والوں کے مراتب بلند کرنے والی ہے۔

اس کے علاوہ پڑھنے والوں سے ہر قسم کی آفات و بلیات اور مصائب دور کرنے والی۔آخرت کی گھبراہٹ اور بے چینی کو دور کرنے والی اور خاتمہ بالخیر نصیب کرنے جیسے دین و دنیا کے بہت سے ثمرات و برکات لئے ہوئے ہے۔اس لئے جہاں تک ہوسکے اسے روزانہ صبح وشام پڑھتے رہنا چاہئے۔

فضائل سورۂ یٰس شریف

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پیدا کرنے سے بھی ہزار سال پہلے سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰس کو پڑھا، جب فرشتوں نے سنا تو وہ کہنے لگے، بڑی خوش نصیب، خوش حال اور مبارک ہے وہ امت جس پر یہ سورتیں نازل ہونگی اور بڑے خوش حال ومبارک ہیں وہ سینے جو ان کو حفظ یاد رکھیں گے۔اور خوش حال ومبارک ہیں وہ زبانیں جو اس کی تلاوت کریں گی۔(سنن دارمی:۵۴۸/ ۲)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سورۂ یٰس شریف پڑھنے والوں کی شفاعت قیامت کے دن قبیلۂ ربیعہ کے لوگوں سے بھی زیادہ (لوگوں) کے حق میں قبول کی جائے گی۔(روح المعانی،بیہقی)

حضرت یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو کوئی صبح کے وقت سورۂ یٰس شریف کو پڑھ لے تو شام تک وہ خوشی اور آرام سے رہے گا، اور جو شام کو اسے پڑھے تو صبح تک خوشی وآرام سے رہے گا۔اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ یہ بات مجھے ایسے معتبر بزرگ نے بتلائی ہے جس نے خود اس کا بارہا تجربہ کیا ہوا ہے۔(روح المعانی)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنی حاجتوں اور مرادوں کے پورا ہونے کی نیت سے سورۂ یٰس شریف کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی حاجتوں میں کامیابی عطا فرمائے گا اور

مرادیں برآئیں گی۔(تفسیر مظہری)

ایک روایت میں اس طرح وارد ہوا ہے جو کوئی سورۂ یٰسٓ شریف کو ایک مرتبہ پڑھے گا تو اسے بیس حج کے برابر ثواب ملے گا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سورۂ یٰسٓ شریف کو جس حاجت کے لئے اکتالیس مرتبہ پڑھے، پھر دعا کرے تو وہ حاجت پوری ہو جائے گی، اگر کسی قسم کے خوف کے وقت پڑھے تو امن نصیب ہو جائے گا، اور اگر بیماری دفع کرنے کی نسبت سے اکتالیس مرتبہ پڑھے تو ہر قسم کی بیماری سے شفایاب ہو۔

مشکلات سے نجات کا ایک مخصوص طریقہ

سورۂ یٰسٓ شریف کے خواص اور تاثیرات میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص جس قسم کی حاجت وغیرہ میں کامیابی چاہے تو وہ دو رکعت کے بعد سورۂ یٰسٓ شریف کو مسلسل چار مرتبہ تلاوت کرے، یعنی ایک ہی جگہ ایک مرتبہ ختم ہونے پر فوراً دوسری مرتبہ پڑھنا شروع کر دے، جب اس طرح چار مرتبہ (درمیان میں بغیر وقفہ اور گفتگو کے) پڑھ لے تو اس کے بعد یہ دعا بھی فوراً چار مرتبہ پڑھے۔

"سُبْحَانَ الْمُنَفِّسُ عَنْ كُلِّ مَدْيُوْنٍ۔ سُبْحَانَ الْمُفَرِّجُ عَنْ كُلِّ مَحْزُوْنٍ۔ سُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ خَزَائِنَهٗ بَيْنَ الْكَافِ وَالنُّوْنِ۔ سُبْحَانَ مَنْ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ يَا مُفَرِّجُ فَرِّجْ يَا مُفَرِّجُ فَرِّجْ يَا مُفَرِّجُ فَرِّجْ۔ اَللّٰهُمَّ فَرِّجْ عَنِّيْ هَمِّيْ وَغَمِّيْ فَرَجًا عَاجِلًا بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ آمین! آمین! وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى (سَيِّدِنَا) مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔"

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن اپنے ماں باپ دونوں، یا دونوں میں سے ایک کی قبر پر جا کر یٰسٓ شریف پڑھے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس سورۃ کے ہر حرف کی تعداد کے برابر اس کے گناہ معاف کر دے گا۔(تفسیر مظہری: ۵۲۹/ ۹، قاضی ثناء اللہ پانی پتی)

سورۂ یٰسٓ کی تاثیر کا حیرت انگیز واقعہ

سورۂ یٰسٓ شریف کی تاثیر اور برکت کے متعلق یہاں پر ایک حیرت انگیز مفید واقعہ تحریر کر رہا ہوں:

منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ سخت بیمار ہوئے، اس بیماری میں آپ کو سکتہ کا مرض ہوگیا۔ رشتہ داروں نے آپ کو مردہ تصور کر کے دفن کر دیا۔ رات کے وقت جب افاقہ ہوا تو اپنے آپ کو کفن میں درگور پایا، یہ دیکھ کر متحیر ہو گئے۔

اس اضطراب و پریشانی میں آپ کو ایک عمل یاد آیا کہ جو کوئی پریشانی اور مصائب کے وقت چالیس مرتبہ سورۂ یٰسٓ شریف پڑھ کر دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرماتے ہیں، یہاں تک کہ تنگی بھی فراخی سے بدل جاتی ہے۔

چنانچہ آپ نے قبر میں سورۂ یٰسٓ شریف پڑھنا شروع کر دیا، ابھی انتالیسویں مرتبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک کفن چور نے قبر کھودنی شروع کی، امام صاحب نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ یہ کوئی کفن چور ہے۔ تو آپ نے چالیسویں مرتبہ بہت دھیمی آواز سے پڑھنا شروع کیا، ادھر یٰسٓ شریف چالیس مرتبہ ختم ہوئی، ادھر اس نے اپنا کام پورا کر لیا۔ (یعنی قبر پوری کھود لی) قبر کھل جانے پر امام ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ باہر نکل آئے، یہ منظر دیکھ کر کفن چور اتنا ڈر گیا کہ تاب نہ لا سکا اور اسی وقت وہ وہاں مر گیا۔

امام صاحب بستی میں گئے اور محلے میں آواز دیتے ہوئے اپنے گھر تشریف لے گئے، کہا: میں ناصر الدین ہوں، تم لوگوں نے مجھے سکتہ کی بیماری میں مردہ سمجھ کر دفن کر دیا تھا، میں تو زندہ ہوں۔

یہ ہے یٰسٓ شریف کی تاثیر اور برکات، اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کی تلاوت کرتے رہنا چاہئے۔ (برکات دعا)

سورۂ بقرہ قرآن کریم کی رفعت ہے

{۲۰۷۵} وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ لِکُلِّ شَیْئٍ سَنَامًا وَاِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ وَاِنَّ لِکُلِّ شَیْئٍ لُبَابًا وَاِنَّ لُبَابَ الْقُرْاٰنِ الْمُفَصَّلُ۔ رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ۔

حوالہ: دارمی: ۲/ ۵۳۹، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل سورۃ البقرۃ، حدیث نمبر: ۳۳۷۷۔

حل لغات: سناماً ہر چیز کا بلند حصہ، جمع أَسنِمَۃٌ، سَنِمَ (س) سَنَمًا الشی: بلند کرنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر چیز کے لئے بلندی ہوتی ہے اور قرآن کریم کی رفعت سورۂ بقرہ ہے اور ہر چیز کا خلاصہ ہوتا ہے اور قرآن کریم کا خلاصہ مفصل ہے۔

تشریح: ان لکل شیء سناما الخ: یعنی ہر جسم میں کوئی ایک حصہ ہوتا ہے جسے دوسرے حصوں کے مقابلہ میں سر بلندی اور رفعت حاصل ہوتی ہے ایسے ہی قرآن کریم میں سورۂ بقرہ کو یہ مقام ومرتبہ حاصل ہے۔ اسلئے کہ یہ سورت بڑی بھی ہے اور بہت سارے احکامات پر مشتمل ہے۔

وان لکل شیء لبابا وان لباب القرآن المفصل: یعنی جس طریقے سے ہر چیز کا خلاصہ اور مغز ہوتا ہے، ایسے ہی قران کریم کا خلاصہ اور مغز المفصلات ہیں۔ اس لئے کہ ان سورتوں میں خاص طور پر وہ احکامات بیان کئے گئے ہیں۔ جو دیگر کتابوں میں نہیں۔ نیز ان سورتوں میں جنت جہنم اور آخرت میں پیش آنے والے حالات کا تذکرہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت کا بھی بیان ہے۔ اور بقیہ دوسری سورتوں میں اکثر وہ باتیں ہیں جو سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی بیان ہو چکی ہیں۔

نیز قرآن کریم کے جو مضامین اختصار اور اجمالی طور پر متفرق سورتوں میں ہیں وہ ان سورتوں میں یکجائی اور تفصیلی طور پر بیان فرمائے گئے ہیں۔ سورۂ حجرات سے سورۂ ناس تک کی سورتوں کو مفصلات کہا جاتا ہے۔ (مرقاۃ: ۶۰۶/ ۲)

قرآن کریم کی زینت سورۂ رحمٰن

{۲۰۷۶} وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْئٍ عَرُوْسٌ وَ عَرُوْسُ الْقُرْاٰنِ الرَّحْمٰنُ۔

حوالہ: شعب الایمان للبیہقی: ۲/۴۹۰، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی فضائل السور الخ، حدیث نمبر: ۲۴۹۴۔

حل لغات: عروس: دلہا، دلہن جمع عَرَائس: مراد یہاں زینت ہے۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور قرآن کریم کی زینت سورۂ رحمن ہے۔

تشریح: لکل شیء عروس الخ: یعنی جسم میں کوئی ایسا خوب صورت عضو ہوتا ہے جس پر پورے جسم کو ناز حاصل ہوتا ہے ایسے ہی سورۂ رحمن چونکہ قرآن کریم کی زینت اور حسن ہے اس لئے اس سورت پر قرآن کو بھی فخر و ناز حاصل ہے۔

فائدہ: سورۂ رحمن کو قرآن کریم کی زینت اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی دنیا و آخرت کی بے شمار نعمتوں کا بیان ہے۔ حوروں کے اوصاف کا بیان ہے جو جنت کی دلہنیں ہیں اور ان حوروں کے زیورات وغیرہ کا بیان ہے۔ (التعلیق: ۲/۲۶)

سورۂ واقعہ کی فضیلت

{۲۰۷۷} وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا وَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَأْمُرُ بَنَاتِهٖ يَقْرَأْنَ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حوالہ: شعب الایمان للبیہقی: ۲/۴۹۲، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی فضائل السور الخ، حدیث نمبر: ۲۴۹۹۔

حل لغات: الواقعة: واقعہ، قصہ جمع واقعات، فاقة: بھوکا ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص رات کو سورۂ واقعہ پڑھتا ہے، اس کو کبھی فاقہ نہیں ہوتا ہے اور ابن مسعود اپنی لڑکیوں کو سورۂ واقعہ پڑھنے کا حکم فرماتے تھے۔

تشریح: لم تصبه فاقة: یعنی اس سورت کی برکت سے اس کے رزق میں برکت ہوگی، جس کی وجہ سے اس کو فقر وفاقہ پیش نہیں آئے گا۔ دوسری حدیث شریف میں ہے کہ بہترین مال داری قلب کی مال داری ہے۔ اس لئے جو شخص سورۂ واقعہ پڑھنے کا اہتمام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے گا یا اس کو وسیع القلب بنادے گا۔ جس کی بدولت فقر کی مصیبت اس کو ہیچ معلوم ہوگی۔ (مرقاۃ: ۶۰۷/ ۲)

سورۂ اعلیٰ کی فضیلت

{۲۰۷۸} وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ۔

حوالہ: مسند احمد: ۹۶/ ۱۔

حل لغات: سبح: سبح (ن) سُبْحًا۔ سَبَّحَ (تفعیل) سبحان اللہ کہنا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت یعنی سورۂ اعلیٰ سے محبت فرماتے تھے۔

تشریح: یحب هذه السورة الخ: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ویسے تو پورے قرآن سے محبت تھی اور بعض سورتوں سے خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محبت کا بھی اظہار فرمایا ہے؛ لیکن اس سورت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ زیادہ ہی محبت تھی جس کا

اظہار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اور یہ سورت اس لئے محبوب تھی اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت اور اللہ تعالیٰ کی بہت سی اہم صفات کا بیان ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو قرآن پاک سکھاتے پڑھاتے اور پھر آنحضرت ﷺ کے نہ بھولنے اور آنحضرت ﷺ کے لئے جنت کے آسان فرمانے پر وعدہ اور دیگر اہم مضامین کا بیان ہے۔ اسی طرح اس میں یہ آیت "اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى" ہے۔ جو قرآن کریم کی حقانیت و صداقت پر شاہد اور مشرکین و اہل کتاب کے خیالات و اعتقاد کی بہت مضبوط تردید ہے۔
(مرقاۃ: ۴/۳۷۸)

جامع سورت

{۲۰۷۹} وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَتٰى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَقْرِئْنِيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ اقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ الٓرٰ فَقَالَ كَبُرَتْ سِنِّيْ وَاشْتَدَّ قَلْبِيْ وَغَلُظَ لِسَانِيْ قَالَ فَاقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهٖ قَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَقْرِئْنِيْ سُوْرَةً جَامِعَةً فَاَقْرَأَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ حَتّٰى فَرَغَ مِنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَآ أَزِيْدُ عَلَيْهِ أَبَدًا ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ مَرَّتَيْنِ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُوْدَاؤدَ۔

حوالہ: مسند احمد: ۲/۱۶۹، ابو داؤد شریف: ۱/۱۹۹، کتاب الصلوۃ، ابواب قراء القرآن، باب تحریب القرآن، حدیث نمبر: ۱۳۹۹۔

حل لغات: رجل: آدمی جمع رجال، کبرت: كَبُرَ (ک) كَبْرًا بڑا ہونا، وغلظ: غَلُظَ (س) غَلَظًا: موٹا ہونا، زلزلت: زَلْزَلَ (فعللة) بھونچال آنا، فَرَغَ: فَرَغَ (ن، س، ف) فراغًا: پورا

کرنا،أبدا: زمانہ،جمع آباد،ادبر: دَبَرَ (ن) دُبُوْرًا، أَدْبَرَ (افعال) پیٹھ پھیرنا،

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی نے آکر عرض کیا یارسول اللہ! مجھے پڑھا دیجئے، آپ نے فرمایا،"الٓر" والی تین سورتوں کو پڑھا کرو، تو اس آدمی نے کہا میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، میرا دل سخت ہوگیا ہے اور میری زبان موٹی ہوگئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو "حٰمٓ" والی تین سورتوں کو پڑھ لیا کرو، اس نے پہلی بات کی طرح کہا، اس آدمی نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے کوئی جامع سورت بتلا دیجئے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ زلزال پڑھائی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پورا کیا تو اس شخص نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اس پر کبھی زیادہ نہ کروں گا، پھر وہ شخص واپس چلا گیا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا: کہ یہ چھوٹا آدمی کامیاب ہوگیا۔

تشریح: فقال اقرأني: یعنی مجھے پڑھا کر بتلا دیجئے۔

فقال اقرأ ثلاثا من ذوات الٓر: یہ پانچ سورتیں ہیں۔ (۱) یونس۔ (۲) ہود۔ (۳) یوسف۔ (۴) ابراہیم۔ (۵) الحجر۔ جن کے شروع میں "الٓر" ہے۔ جب اس شخص نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تلاوت کی تعلیم چاہی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پانچ سورتوں میں سے تین پڑھنے کے لئے فرمایا۔

فقال کبر سني الخ: جب تعلیم مل گئی تو اس شخص نے اپنی مجبوری بتاتے ہوئے معذرت پیش کی جو مان لی گئی۔

قال فاقرأ ثلاثا من ذوات حٰمٓ: جب اس کی معذرت مانی گئی تو اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سورتوں میں سے تین سورت پڑھنے کے لئے فرمایا جن کے شروع میں "حٰمٓ" ہے۔ جن کی تعداد سات ہے۔ (۱) الغافر۔ (۲) فصلت۔ (۳) الشوریٰ۔ (۴) الزخرف۔ (۵) الدخان۔ (۶) الجاثیۃ۔ (۷) قٓ۔

فقال مثل مقالتہ: یعنی اس شخص نے "حٰمٓ" والی تین سورتوں کو پڑھنے سے بھی معذرت کردی۔

قال الرجل: وہ شخص معذور ہونے کے باوجود چونکہ قرأت قرآن کے شوق سے معمور اور تلاوت قرآن کا دل دادہ تھا۔ اس شخص نے جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کوئی جامع سورت سکھادیجئے۔

فاقرأہ رسول اللّٰہ الخ: تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو سورۃ زلزال پڑھنے کی تعلیم دی۔ یعنی یہ بتایا کہ پوری سورت پڑھ لیا کرو۔

فقال الرجل والذی بعثک الحق الخ: یعنی اس آنے والے شخص کو یہ چھوٹی سورت اچھی لگی اور قسم کھا کر کہا کہ اس کو میں ضرور پڑھوں گا۔ اور اس پر کوئی زیادتی نہ کروں گا۔

ثم ادبر الرجل: اس شخص کا کام ہوگیا تو وہ چلا گیا۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ: تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کامیابی کی بشارت دی۔

سورۃ زِلْزَال کو سورۃ جامعہ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس سورت میں ایک آیت ہے "فمن یعمل الخ" اس آیت میں وہ سب چیزیں آگئی ہیں جن کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن کے مجموعہ کا نام خیر و بھلائی ہے۔ اور وہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں جن سے بچنے کا حکم ہے جن کے مجموعہ کا نام شر و برائی ہے۔ (التعلیق: ۲/۲۶، مرقاۃ: ۲/۶۰۷)

سورۃ تکاثر کی فضیلت

{۲۰۸۰} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا یَسْتَطِیْعُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّقْرَاَ اَلْفَ اٰیَۃٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ قَالُوْا مَنْ یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّقْرَاَ اَلْفَ اٰیَۃٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ قَالَ اَمَا

يَسْتَطِيْعُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّقْرَأَ أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حوالہ: شعب الایمان للبیہقی: ۲/۴۹۸، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی فضائل السور، ذکر الھاکم التکاثر، حدیث نمبر: ۲۵۱۸۔

حل لغات: یستطع: طَاعَ (ن) طَوْعًا: فرماں بردار ہونا، استطاع: (استفعال) طاقت رکھنا، آیۃ: نشانی جمع آیات۔ الھکم: لھا (ن) لَھْوًا فریفتہ ہونا۔ لَھَا (س) لَھًا غافل ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھا کرے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: کون شخص روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھنے کی طاقت رکھے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص روزانہ ''الھکم التکاثر'' پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔''

تشریح: الا یستطیع احدکم الخ: یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا: کہ کیا تم میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے جو روزانہ ایک ہزار آیتوں کی تلاوت کیا کرے۔

قالوا ومن یستطیع: یعنی روزانہ ایک ہزار آیتوں کی تلاوت کرنے کی قدرت کسی آدمی میں نہیں ہے۔

قال اما یستطیع احدکم الخ: یعنی تم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں ہے کہ روزانہ بلاناغہ ایک ہزار آیتوں کی تلاوت نہ کرے تو کم سے کم سورۂ تکاثر کی تلاوت تو روزانہ کرسکتا ہے۔ اس سورت کو پڑھنے سے ایک ہزار آیتوں کی تلاوت کرنے کا ثواب ملا کرتا ہے۔ کیونکہ اس سورت میں دنیا سے بے رغبتی دلائی گئی ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔ (التعلیق: ۲/۲۷)

سورۂ اخلاص کی فضیلت

{۲۰۸۱} **وَعَنْ** سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ، بُنِيَ لَهٗ بِهَا قَصْرٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَأَ عِشْرِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهٗ قَصْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَأَهَا ثَلَاثِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهٗ بِهَا ثَلَاثَةُ قُصُوْرٍ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَاللّٰهِ إِذًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِذًا لَّنُكْثِرَنَّ قُصُوْرَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، اَللّٰهُ أَوْسَعُ مِنْ ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ۔

حوالہ: دارمی: ۵۲۲/۲، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل قل ھو اللہ احد، حدیث نمبر: ۳۴۲۹۔

حل لغات: بنی: بنی (ض) بنائً: بنانا، قصر: محل۔ جمع قُصُوْر، الجنة: باغ۔ بہشت۔ جمع جنّات۔

ترجمہ: حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھا، اس کے لئے جنت میں ایک محل بنایا جاتا ہے اور جس شخص نے بیس مرتبہ پڑھی اس کے لئے دو محل بنائے جاتے ہیں اور جس شخص نے یہ سورت تیس مرتبہ پڑھی اس کے لئے جنت میں تین محل بنائے جاتے ہیں تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر تو ہم جنت میں بہت زیادہ محل بنالیں گے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی رحمت اس سے زیادہ وسیع ہے۔"

تشریح: من قرأ "قل هو الله احد" عشر مرات الخ: یعنی دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے سے جنت میں ایک محل بنتا ہے۔ اس پر آدمی جتنی کثرت سے پڑھے گا اسی حساب سے جنت میں محل بنتے چلے جائیں گے۔

فقال عمر الخطاب الخ: اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ پھر تو جنت میں ہم لوگ بہت زیادہ محل بنالیں گے۔

اللّٰہ اوسع من ذلک: یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے زیادہ وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ دینے میں کمی نہیں کریں گے۔ اور لوگ جتنی چاہے کثرت سے پڑھیں اس اعتبار سے ان کو محلات عطا کئے جاتے رہیں گے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس کثرت سے عطا فرمانے سے اس کی رحمت میں کوئی کمی نہیں آتی۔

رات میں قرآن پڑھنے کی فضیلت

{۲۰۸۲} وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ فِي لَيْلَةٍ مِائَةَ آيَةٍ لَمْ يُحَاجَّهُ الْقُرْآنُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَمَنْ قَرَأَ فِي لَيْلَةٍ مِائَتَيْ آيَةٍ كُتِبَ لَهُ قُنُوْتُ لَيْلَةٍ وَمَنْ قَرَأَ فِي لَيْلَةٍ خَمْسَ مِائَةٍ إِلَى الْأَلْفِ أَصْبَحَ وَلَهُ قِنْطَارٌ مِنَ الْأَجْرِ قَالُوْا وَمَا الْقِنْطَارُ قَالَ اِثْنَا عَشَرَ أَلْفًا۔ رَوَاهُ الدارمي۔

حوالہ: دارمی: ۲/۵۵۷، کتاب فضائل القرآن، باب من قرأ من مائة الی الالف، حدیث نمبر: ۳۴۵۹۔

حل لغات: لیلة: رات جمع لیالی۔ قنوت: قنت (ن) قنوتًا: نماز میں کھڑے رہنا، القنطار: ایک وزن تقریباً سو رطل، سوا سیر جمع قناطیر۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے رات میں سو آیتیں پڑھیں تو قرآن کریم اس رات میں نہیں جھگڑے گا اور جس نے رات میں دو سو آیتیں پڑھیں اس کے لئے پوری رات نماز پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جس شخص نے پانچ سو سے ایک ہزار تک پڑھیں تو وہ اس حال میں صبح کرے گا کہ اس کے لئے اجر کا ایک قنطار ہوگا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: قنطار کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بارہ ہزار۔

تشریح: عن الحسن: حسن سے مراد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

من قرأ فی لیلۃ الخ: ہر چیز کا کچھ نہ کچھ حق ہوا کرتا ہے ایسے ہی حاملین قرآن پر تلاوتِ قرآن کا حق ہے۔ جو اس کے حق کو ادا نہیں کرتا ہے اس سے قرآن کریم باز پرس اور مطالبہ کرے گا۔

ومن قرأ فی لیلۃ مائتی آیۃ الخ: یعنی قرآن کریم کی جتنی زیادہ مقدار میں آدمی تلاوت کرے گا اتنا ہی اس کو فائدہ ہوگا۔

قنطار الخ: ایک وزن کا نام ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تشریح اسی حدیث شریف میں فرمادی ہے۔

بعض فضائل قران کنز العمال سے نقل کئے جاتے ہیں:

فضائل قرآن از کنز العمال

جب کوئی شخص اپنے رب سے ہم کلام ہونا چاہے تو قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو جائے۔

(تاریخ للخطیب رحمۃ اللہ علیہ، الفردوس للدیلمی رحمۃ اللہ علیہ بروایت انس رضی اللہ عنہ)

بندہ جب قرآن ختم کرتا ہے تو ختم قرآن کے موقع پر ساٹھ ہزار ملائکہ قاری کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ (الفردوس للدیلمی رحمۃ اللہ علیہ بروایت عمرو بن شعیب)

میری امت کے برگزیدہ لوگ حاملین قرآن، اصحابِ قرآن اور شب زندہ دار ہیں۔

(الکبیر للطبرانی رحمۃ اللہ علیہ شعب الایمان بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ)

لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گذار شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرتا ہو۔

(الفردوس للدیلمی رحمۃ اللہ علیہ بروایت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ)

لوگوں میں سب سے زیادہ غنی افراد حاملین قرآن ہیں۔ جن کے سینوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو آباد کر دیا ہے۔ (ابن عساکر بروایت ابی ذر رضی اللہ عنہ)

آنکھوں کو بھی عبادت کا حصہ دو۔ یعنی قرآن میں دیکھو اور اس میں غور و تدبر کرو اور اس کے عجائبات سے درسِ عبرت حاصل کرو۔ (الحکیم، الصحیح لابن حبان بروایت ابی سعید)

افضل ترین عبادت، تلاوتِ قرآن ہے۔ (ابن قانع بروایت اسیر بن جابر السجزی فی الابانة بروایت انس رضی اللہ عنہ)

میری امت کی افضل ترین عبادت تلاوتِ قرآن ہے۔ (شعب الایمان بروایت النعمان بن بشیر)

میری امت کی افضل ترین عبادت نظروں کے ساتھ تلاوتِ قرآن ہے۔ (الحکیم بروایت عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ)

قرآن پڑھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب سے دوچار نہیں کرتے، جس نے قرآن کو یاد رکھا ہو۔ (بروایت ابی امامة رضی اللہ عنہ)

جنت کے درجات، آیاتِ قرآنیہ کے بقدر ہیں۔ سو جو قاری قرآن جنت میں داخل ہوا اس سے اوپر کوئی درجہ نہ ہوگا۔ (ابن مردویہ بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا)

حاملین قرآن کا احترام کرو۔ جس نے ان کا احترام کیا۔ گویا میرا احترام کیا۔ (الفردوس للدیلمی رحمۃ اللہ علیہ بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ)

انسانوں میں سے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر والے ہیں۔ وہ اہل اللہ اور اس کے خواص ہیں۔ (مسند احمد، النسائی، ابن ماجہ، المستدرك للحاكم بروایت انس رضی اللہ عنہ)

اہل قرآن اہل اللہ اور اس کے خاص لوگ ہیں۔ (ابو القاسم بن حیدر فی مشیختہ بروایت علی رضی اللہ عنہ)

صاحب قرآن کی ہر ختم پر دعا قبول ہوتی ہے۔ اور جنت میں ایک درخت ہے اگر کوا اس کی جڑ سے اڑے تو بڑھاپے تک اس کی شاخوں کی انتہاء تک نہیں پہنچ سکے گا۔ (التاریخ للخطیب رحمۃ اللہ علیہ بروایت انس رضی اللہ عنہ)

ایک فرشتہ قرآن پر مامور ہے۔ جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کو درست نہیں پڑھ سکتا تو وہ فرشتہ

اس کو درست کر کے اوپر لے جاتا ہے۔ (ابوسعید السمان فی مشیختہ۔ الرافعی فی تاریخہ بروایت انس رضی اللہ عنہ)

ہر میزبان اپنا دسترخوان پیش کرنا پسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا دسترخوان قرآن ہے۔ سو اس کو مت چھوڑو۔ (شعب الایمان بروایت سمرہ رضی اللہ عنہ)

تم اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے بہتر کوئی شی نہیں لے جاسکتے، جو خود اس سے نکلی ہے یعنی قرآن۔ (مسند احمد فی الزھد الصحیح للترمذی رحمۃ اللہ علیہ بروایت جبیر بن نفیر مرسلا۔ المستدرك للحاکم بروایت ابی ذر رضی اللہ عنہ)

اہل قرآن اہل جنت کے نقباء وسرداران ہوں گے۔ (الحکیم بروایت ابی امامۃ رضی اللہ عنہ)

حاملین قرآن قیامت کے روز اہل جنت کے نقباء ہوں گے۔ (الکبیر للطبرانی رحمۃ اللہ علیہ بروایت الحسین بن علی رضی اللہ عنہ)

قرّاء لوگ اہل جنت کے سردار ہوں گے۔ (ابن جمعی فی معجمہ الضیاء بروایت انس رضی اللہ عنہ)

وہ گھر جس میں قرآن پڑھا جاتا ہے اہل آسمان کے لئے ایسے چمکتا ہے جیسے اہل ارض کے لئے ستارے۔ (شعب الایمان بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا)

حامل قرآن منازلِ جنت پر آخر تک ترقی کرتا جائیگا۔ (الفردوس للدیلمی رحمۃ اللہ علیہ بروایت عثمان رضی اللہ عنہ)

حامل قرآن اسلام کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہے۔ جس نے اس کی توقیر وعزت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی توقیر وعزت کی۔ اور جس نے اس کی اہانت کی، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ (الفردوس للدیلمی رحمۃ اللہ علیہ بروایت ابی امامۃ رضی اللہ عنہ)

اس روایت میں ایک راوی الکدیمی ہے جو اہل صدق میں سے نہیں ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۱۲۲/۸)

حاملین قرآن اولیاء اللہ ہیں۔ جس نے ان سے دشمنی مول لی، اس نے درحقیقت اللہ سے جنگ مول لی۔ جس نے ان سے دوستی نبھائی، درحقیقت اللہ سے دوستی کی۔ (الفردوس للدیلمی رحمۃ اللہ علیہ ابن النجار بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ)

کیا ہی خوشی کا مقام ہے، اس شخص کے لئے جو قیامت کے روز اس حال میں اٹھایا جائے کہ اس کا

اندر قرآن علم الفرائض اور علم دین سے پر ہو۔ (الفردوس للدیلمی ﷺ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)

حامل قرآن کی فضیلت اس شخص پر جو حامل قرآن نہیں ہے، ایسی ہے جیسے خالق کی فضیلت مخلوق پر۔ (الفردوس للدیلمی ﷺ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ)

قرآن کو مضبوطی سے تھام لو۔ اس کو امام اور پیشوا بناؤ۔ کیونکہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔ وہی اس کا منبع ہے اور وہی معاد۔ سو اس کی متشابہ آیات پر کھوج میں پڑے بغیر ایمان لے آؤ اور اس کے امثال سے عبرت حاصل کرو۔ (ابن شاہین فی السنۃ، ابن مردویہ بروایت علی رضی اللہ عنہ)

قرآن کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے، جیسے رحمٰن کی فضیلت تمام مخلوق پر۔ (المسند لابی یعلی فی معجمہ شعب الایمان بروایت ابوہریر رضی اللہ عنہ)

قرآن دیکھ کر قرآن پڑھنے کی فضیلت اس شخص پر جو بغیر دیکھے قرآن پڑھ رہا ہے، ایسی ہے جیسے فرض کی فضیلت نفل پر۔ (ابی عبید فی فضائلہ بروایت بعض الصحابۃ رضی اللہ عنہ)

قرآن ایسا شفاعت کنندہ ہے، جس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور ایسا مدعی ہے، جس کا دعویٰ تسلیم کیا جاتا ہے۔ جس نے اس کو اپنے آگے آگے رکھا، یہ اس کو جنت تک پہنچا دے گا۔ اور جس نے اس کو پس پشت ڈال دیا، اسے جہنم تک ہانک کر آئے گا۔ (الصحیح لابن حبان، شعب الایمان بروایت جابر رضی اللہ عنہ الکبیر للطبرانی ﷺ، شعب الایمان بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

حدیث ضعیف ہے۔ (ذخیرۃ الحفاظ: ۳۸۸۰)

قرآن ایسی غنیٰ و مالداری ہے، جس کے حصول کے بعد فقر و افلاس کا شائبہ نہیں۔ اور اس کے بغیر غنیٰ کا تصور نہیں۔ (المسند لابی یعلی محمد بن نصر بروایت انس رضی اللہ عنہ)

قرآن دس لاکھ ستائیس ہزار حروف کا مجموعہ ہے۔ جس نے اس کو صبر اور ثواب کی امید کے ساتھ پڑھا اس کے لئے ہر حرف کے بدلہ ایک حورِ عین ہوگی۔ (الصغیر للطبرانی ﷺ بروایت عمر رضی اللہ عنہ)

حدیث ضعیف ہے۔ (المغیر: ۱۰۶)

قرآن کھلا نور ہے۔ حکمت و دانائی کا ذکر ہے اور راہِ مستقیم ہے۔ (شعب الایمان بروایت رجل)

قرآن کی ہر آیت جنت کا ایک درجہ ہے اور تمہارے گھروں میں ایک روشن چراغ ہے۔ (الحلیہ بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ)

جس نے قرآن کی ایک آیت کی طرف سننے کے لئے کان لگائے، اس کے لئے ایک ایسی نیکی لکھی جائے گی، جو چند در چند ہوتی جائے گی۔ اور جس نے قرآن کی ایک آیت تلاوت کی، وہ روزِ قیامت اس کے لئے نور ثابت ہوگی۔ (مسند احمد بروایت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ)

جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب یاد کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی، پھر اس نے کسی اور دنیاوی شان وشوکت والے کے متعلق گمان کیا کہ وہ اس سے افضل النعمت ہے۔ تو درحقیقت اس نے افضل ترین نعمت کی حقارت وناقدری کی۔ (التاریخ للبخاری رحمۃ اللہ علیہ شعب الایمان بروایت رجاء الغنوی مرسلا)

جس نے قرآن کو محفوظ کیا، اللہ تعالیٰ اس کو اس عقل کے ساتھ منتفع فرماتے رہیں گے حتی کہ اس کا وقت آخری آجائے۔ (الکامل لابن عدی رحمۃ اللہ علیہ بروایت انس رضی اللہ عنہ)

جو شخص صبح کے وقت ختم قرآن کرے ملائکہ شام تک اس کے لئے دعا گو رہتے ہیں۔ اور جو شام کو ختم کرے اس کے لئے صبح تک دعا گو رہتے ہیں۔ (الحلیہ بروایت سعد)

قرآن کے ساتھ تبرک لو کیونکہ وہ کلام الٰہی ہے۔ (الکبیر للطبرانی رحمۃ اللہ علیہ بروایت الحکم بن عمیر)

جس نے دل کی یادداشت کے ساتھ یاد دیکھ کر قرآن کا ختم کیا، اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں ایک درخت عطا فرمائیں گے۔ (ابن مردویہ بروایت ابن الزبیر)

جس نے دل کی یادداشت کے ساتھ یاد دیکھ کر قرآن پڑھا حتی کہ پورا کرلیا تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے ایسا درخت اگا دیں گے، اگر کوئی کوا اس کے پتہ میں انڈے دے۔ پھر وہ اٹھے اور اڑنے لگے تو اس کو موت آجائے گی مگر اس پتے کی مسافت قطع نہیں ہو سکے گی۔ (الرافعی بروایت حذیفۃ، الکبیر للطبرانی رحمۃ اللہ علیہ المستدرك للحاکم تعقب شعب الایمان وابن مردویہ بروایت ابن الزبیر)

جس نے سات دن میں قرآن ختم کرلیا، اللہ اس کو محسنین میں لکھ دیں گے۔لیکن تین دن سے کم میں ختم نہ کرو، بلکہ جو پڑھنے میں نشاط ورغبت محسوس کرے تو وہ حسن تلاوت میں وقت لگائے۔(الدیلمی بروایت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ)

جس نے سات دن میں قرآن ختم کیا تو یہ مقربین کا عمل ہے۔اور جس نے پانچ دن میں قرآن ختم کیا تو یہ صدیقین کا عمل ہے۔جس نے تین دن میں قرآن ختم کیا تو یہ نبیین کا عمل ہے اور پر از مشقت ہے۔میں نہیں سمجھتا کہ تم اس کی طاقت رکھو گے۔الا یہ کہ کوئی رات بھر مشقت اٹھائے، یا سورت شروع کر لے اور اس کو آخر تک پہنچانے کا ارادہ کرلے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا تین دن سے کم میں بھی ختم کیا جاسکتا ہے؟ فرمایا: نہیں بلکہ جو پڑھنے میں نشاط ورغبت محسوس کرے تو وہ حسن تلاوت میں وقت لگائے۔(الحکیم بروایت مجاھد)

جس نے قرآن کریم پڑھا اور اس پر عمل کیا اور جماعت مسلمین کے ساتھ ہی مر گیا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز کاتبین اور سردار فرشتوں کے ساتھ اٹھائیں گے۔اور جس نے قرآن کریم پڑھا اور وہ اس میں اٹکتا ہے، لیکن پھر بھی چھوڑتا نہیں تو اس کو دگنا اجر ہوگا۔اور جو قرآن کریم کا حریص ہے لیکن اس کو پڑھ بھی نہیں سکتا اور چھوڑتا بھی نہیں۔اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز اس کے خاندان کے اشراف ومعزز لوگوں میں اٹھائیں گے۔اور ان کو مخلوق پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہوگی، جیسی سرخاب کو تمام پرندوں پر ہے۔اور جیسے چراگاہ میں چشمہ کو آس پاس کی ساری زمین پر فوقیت ہے۔پھر ایک منادی نداء دے گا: کہاں ہیں وہ لوگ جن کو جانوروں کا چرانا میری کتاب کی تلاوت سے مانع نہیں ہوتا تھا؟ وہ کھڑے ہوں گے، ان میں سے ہر ایک کو کرامت وعزت کا تاج پہنایا جائے گا۔پروانہ نور اس کے دائیں ہاتھ اور پروانہ خلد بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔اس کے والدین مسلمان ہوں گے تو ان کو دنیا اور اس کے ساز وسامان سے قیمتی جوڑا پہنایا جائے گا۔وہ کہیں گے: یہ کس سبب سے ہے؟ کہا جائے گا: تمہاری اولاد کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے۔(ابن زنجویہ الکبیر

للطبرانی رحمۃ اللہ علیہ، شعب الایمان بروایت معاذ رضی اللہ عنہ)

جس نے قرآن کریم پڑھا اور دن رات اس کی تلاوت کی۔ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا۔ اللہ تعالیٰ قرآن اس کے گوشت پوست اور رگ و پئے میں بسا دیں گے۔ اور کاتبین، نیکو کار اور سردار فرشتوں کی رفاقت میسر فرمائیں گے۔ حتی کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو قرآن کریم اس کے لئے حجت ہوگا۔ اور قرآن کریم بارگاہِ رب العزت میں کہے گا: اے پروردگار! ہر شخص دنیا میں عمل کر کے اپنی اجرت لیتا تھا سوائے اس شخص کے۔ یہ شب و روز مجھ ہی میں مصروف رہتا تھا۔ میرے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانتا تھا۔ پس پروردگار! اس کو نواز دیجئے۔ پھر اس شخص کو شاہی تاج پہنایا جائے گا اور عزت و کرامت کا حلہ زیب تن کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن سے فرمائیں گے: کیا اب تو راضی ہے؟ وہ کہے گا: پروردگار! میں تو اس کے لئے اس سے زیادہ کا خواہشمند تھا۔ تب اللہ تعالیٰ پروانۂ سلطنت اس کے دائیں اور پروانۂ ابداً باد بائیں ہاتھ میں مرحمت فرمائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ قرآن سے فرمائیں گے: کیا اب تو راضی ہے؟ وہ کہے گا؟ پروردگار! جی پروردگار! اب میں راضی ہوں۔

اور جو شخص اس قرآن کو سن رسیدگی کے بعد حاصل کرے گا اور اس میں اٹکے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوہرا اجر مرحمت فرمائیں گے۔ (شعب الایمان، بروایت ابوھریر رضی اللہ عنہ)

جنت کے درجات کی تعداد آیاتِ قرآنیہ کے بقدر ہے۔ ہر آیت کے مقابلہ میں ایک ایک درجہ ہے۔ قرآن کی آیات چھ ہزار دو سو سولہ ہیں۔ جنت کے ہر دو درجوں کے درمیان آسمان و زمین کی مسافت ہے۔ اس طرح یہ جنتی شخص قرآن کے ذریعہ جنت کے اعلیٰ علیین سب سے اخیر تک پہنچ جائے گا۔ جس کے ستر ہزار ستون ہیں۔ اور وہ مکمل عمارت ایک یاقوت ہے۔ جو کئی دن و رات کی مسافت سے روشن ہے۔ (الدیلمی بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ)

جس نے حالت قیام میں نماز میں قرآن پڑھا، اس کے لئے ہر حرف کے عوض سو نیکیاں ہوں گی۔ جس نے بیٹھ کر نماز میں قرآن پڑھا، اس کے لئے ہر حرف کے عوض پچاس نیکیاں ہوں گی۔ جس

نے بغیر نماز کے پڑھا اس کے لئے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ہوں گی۔ جس نے قرآن کو سنا اس کیلئے ہر حرف کے عوض ایک نیکی ہوگی۔ (الدیلمی بروایت انس رضی اللہ عنہ)

جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف سنا، اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ دس خطائیں محو کی جائیں گی۔ دس درجات بلند کئے جائیں گے۔ جس نے بیٹھ کر نماز میں قرآن پڑھا، اس کے لئے ہر حرف کے عوض پچاس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ پچاس خطائیں محو کی جائیں گی۔ پچاس درجات بلند کئے جائیں گے۔

اور جس نے حالت قیام میں نماز میں قرآن کا ایک حرف پڑھا، اس کے لئے اس کے عوض سو نیکیاں لکھی جائیں گی۔ سو خطائیں محو کی جائیں گی۔ سو درجات بلند کئے جائیں گے۔ اور جس نے اتنا پڑھا کہ ختم تک پہنچا دیا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائیں گے خواہ تاخیر کیوں نہ ہو جائے۔ (الکامل لابن عدی رحمۃ اللہ علیہ، شعب الایمان بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ)

روزِ قیامت قرآن کریم آدمی کے حلیہ میں آئے گا۔ پس ایک شخص کو پیش کیا جائے گا، جس نے اس قران کو آدمی کے حلیہ میں اٹھاتا ہوگا۔ لیکن اس اٹھانے والے نے اس کا حق نہ ادا کیا ہوگا۔ تو وہ اس کے خلاف مدعی بنے گا اور کہے گا: اے پروردگار! اس نے مجھے اٹھایا، لیکن یہ برا اٹھانے والا ہے۔ اس نے میری حدود کو پامال کیا۔ میرے فرائض کو ضائع کیا۔ میری نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ میری طاعت کو خیر آباد کہا۔ سو اس طرح قرآن کریم اس کے خلاف طرح طرح کے الزامات عائد کرے گا۔ آخر اس کو کہا جائے گا: تمہارا اختیار ہے، اس کے ساتھ جو چاہو کرو۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ لے گا اور اس وقت تک نہیں چھوڑے گا۔ جب تک کہ اس کو منہ کے بل جہنم میں نہ گرا دے۔ پھر ایک نیکوکار شخص کو لایا جائے گا اس نے بھی اس کو اٹھا رکھا ہوگا۔ اور اس کے حقوق کی حفاظت کی ہوگی۔ اس کے لئے اس پر سوار قرآن حمایتی بن کر سامنے آئے گا اور کہے گا: اس نے مجھے اٹھایا اور میری حدود کی رعایت کی۔ میرے فرائض پر عمل کیا۔ میری نافرمانی سے اجتناب کیا۔ میری طاعت کا متبع رہا۔ اس طرح قرآن اس کے حق میں طرح طرح کی خوبیاں

شمار کرائے گا۔حتیٰ کہ اسے کہا جائے گا جا تیرا اختیار ہے، اس کے ساتھ جو چاہے کر۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑلے گا اور اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک کہ اس کو ریشم کا حلہ زیب تن نہ کرادے اور بادشاہت کا تاج اس کے سر پر نہ رکھوادے اور جام شراب نہ پلوادے۔(ابن ابی شیبہ ابن الضریس بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

جس نے کسی امیر کے پاس حرص کے تقاضا سے کتاب اللہ پڑھی، اللہ تعالیٰ ہر حرف کے بدلے اس پر لعنت فرمائیں گے۔اور پھر اس پر ایک لعنت دس لعنتیں بن کر برسیں گی۔اور روزِ قیامت قرآن اس سے جھگڑے گا۔تب یہ شخص اپنی ہلاکت کو روئے گا۔انہی لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے: ’’آج اپنے لئے صرف ایک ہلاکت پر اکتفاء نہ کرو بلکہ اپنے لئے بہت سی ہلاکتیں پکارو۔‘‘الآیۃ۔(المسند لابی یعلی بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ، الدیلمی بروایت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ)

دیلمی کی روایت میں ایک راوی عمرو بن بکر السکسکی ہے۔اور یہ راوی غیر معتبر ہے، اس کی مرویات منکر ہیں۔مزید تفصیل دیکھئے۔(میزان الاعتدال: ۳۰۰/ ۵)

اے حاملین قرآن اہل آسمان اللہ کے ہاں تمہارا ذکر کرتے ہیں۔پس تم مزید خوب کتاب اللہ کی تلاوت کرکے اس کے ہاں مقام محبت پیدا کرو۔اور وہ اپنی محبوبیت کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں کے ہاں بھی تم کو محبوب بنادے۔(ابو نعیم بروایت صہیب رضی اللہ عنہ)

جس نے قرآن پڑھنا شروع کیا لیکن حفظ کرنے سے قبل ہی موت نے اسے آلیا، تو اس کی قبر میں ایک فرشتہ اس کو پڑھائے گا حتیٰ کہ وہ حافظ ہوجائے۔(ابو الحسن بن بشران فی فوائدہ وابن النجار بروایت ابی سعید رضی اللہ عنہ)

جس نے قرآن کی ایک آیت پڑھی، اسے جنت میں ایک درجہ نصیب ہوا اور نور کا چراغ اس کے لئے روشن ہوا۔(شعب الایمان بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ)

جس نے حد بلوغت سے قبل ہی قرآن پڑھ لیا، اسے بچپن ہی میں حکمت و دانائی عطا ہوگئی۔ (ابن مردویہ شعب الایمان بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ)

جس نے قرآن کریم یاد کرلیا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی ایک دعا ضرور قبول ہوگی، اب اس کا اختیار ہے خواہ دنیا ہی میں اس سے کچھ مانگ لے، یا آخرت کے لئے کچھ مانگ کر ذخیرہ کرلے۔ (عبدالجبار الخولانی بروایت جابر رضی اللہ عنہ)

جو اولین وآخرین کا علم جمع کرنے کا خواہش مند ہو، وہ قرآن میں غور وتدبر کرے۔ (الدیلمی بروایت انس رضی اللہ عنہ)

قرآن کریم اور انسانوں کی مثال اس پیاسی زمین اور بارش کی سی ہے۔ جو بنجر ومردہ ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر بارش برسائی تو وہ زمین لہلہا اٹھی۔ اللہ نے مزید موسلا دھار بارش برسائی۔ تو زمین مزید شاداب وتروتازہ ہوگئی۔ مینہ مسلسل برستا رہا۔ حتیٰ کہ وادیاں بہہ پڑیں اور زمین کی سوتوں سے بیج نکل آئے اور اگنا شروع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین سے اس کی زیب وزینت اور انسانوں اور جانوروں کا رزق نکالا۔ تو بس قرآن نے بھی انسانوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا۔ (ابونعیم والدیلمی بروایت ابی سعید رضی اللہ عنہ)

کوئی مومن مرد یا عورت ایسا نہیں جس کا جنت میں کوئی نائب نہ ہو۔ اگر مومن قرآن پڑھتا ہے تو وہ اس کے لئے محل تعمیر کرتا ہے۔ اگر تسبیح کرتا ہے تو اس کے لئے درخت اگاتا ہے۔ مومن اگر قرآن وتسبیح کی رسد رسانی سے رک جاتا ہے تو وہ بھی رک جاتا ہے۔ (الصحیح للبخاری رحمۃ اللہ علیہ فی تاریخہ۔ الدیلمی بروایت انس رضی اللہ عنہ)

اس میں ایک راوی یحییٰ بن حمید ہے، ابن عدیؒ فرماتے ہیں اس کی مرویات درست نہیں۔

جنت میں ایک نہر ہے، جس کو ریان کہا جاتا ہے، اس پر مرجان کا ایک شہر آباد ہے۔ اس کے سونے چاندی کے ستر ہزار دروازے ہیں۔ وہ حامل قرآن کریم کے لئے ہوگا۔ (ابن عساکر بروایت انس رضی اللہ عنہ)

اس میں ایک راوی کثیر بن حکیم متروک ہے۔

حاملین قرآن اہل جنت کے نقباء ہیں، جن کا درجہ سردار سے قدرے کم ہوتا ہے اور شہداء اہل

جنت کے دل ہیں۔اور انبیاء اہل جنت کے سردار ہیں۔(ابن النجار بروایت انس رضی اللہ عنہ)

جب صاحب قرآن اپنی قبر سے اٹھے گا یہ قرآن خوبرو نوجوان کی شکل میں اس سے ملے گا اور کہے گا کہ کیا تو مجھے جانتا ہے؟ وہ نفی میں جواب دیگا۔قرآن کریم کہے گا میں تیرا ساتھی قرآن ہوں۔میں نے تجھے گرمیوں میں شدید دوپہر میں تشنہ رکھا، تیری راتوں کو بیدار رکھا اور ہر شخص دنیا میں تجارت کر کے نفع لیتا تھا۔سوآج میں تیرے لئے ہر تجارت سے زیادہ نفع مند بنوں گا۔پھر پروانۂ سلطنت اس کے دائیں اور پروانۂ ابدالا' باد بائیں ہاتھ میں مرحمت کر دیا جائے گا۔اور اس کے سر پر وقار وعظمت کا تاج رکھ دیا جائے گا اور اس کے والدین کو ایسا لباس زیب تن کیا جائے گا کہ ساری دنیا اس کی قیمت نہیں ہوسکتی۔والدین کہیں گے یہ کس وجہ سے؟ کہا جائے گا: تمہاری اولاد کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے۔پھر اس کو کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجات اور بالاخانوں پر ترقی کرتا جا،تو جب تک وہ پڑھتا رہے گا چڑھتا رہے گا خواہ سبک روی سے پڑھے یا دھیرے دھیرے۔(ابن ابی شیبہ، محمد بن نصر، ابن الضریس بروایت بریدہ رضی اللہ عنہ)

قرآن کریم قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے پاس آئے گا، جس وقت وہ اس کے سخت محتاج ہوں گے۔وہ مسلمان سے کہے گا: میں ہی ہوں جس سے تم محبت کرتے تھے اور اس کی جدائی تم پر شاق گذرتی تھی۔جو تمہیں بھوکا پیاسا اور مسلسل محنت ومشقت میں ڈالے رکھتا تھا۔وہ بندہ کہے گا: شاید تو قرآن ہے؟ پھر قرآن اس کو ساتھ لے کر پروردگار عزوجل کے ہاں پہنچے گا۔پھر پروانۂ سلطنت اس کے دائیں اور پروانۂ ابدالا' باد بائیں ہاتھ میں مرحمت کر دیا جائے گا۔اور اس کے سر پر وقار وعظمت کا تاج رکھ دیا جائے گا اور اس کے والدین کو ایسا لباس زیب تن کیا جائے گا کہ ساری دنیا کئی گنا ہو کر بھی اس کی قیمت نہیں ہوسکتی۔والدین کہیں گے یہ کس وجہ سے جبکہ ہمارے اعمال تو اس درجہ تک نہ تھے؟ کہا جائے گا: تمہاری اولاد کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے۔(ابن الضریس بروایت ابی امامہ رضی اللہ عنہ)

مومنین کے گھر عرش والوں کے ہاں روشن چراغ ہیں، جن کو ساتوں آسمان کے ملائکہ مقربین

جانتے ہیں۔وہ کہتے ہیں: یہ مومنین کے گھر ہیں، جن میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے۔(الحکیم بروایت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ، وابی الدرداء رضی اللہ عنہ)

اللہ تعالیٰ غضب میں نہیں آتے اور جب آتے ہیں تو ملائکہ غضب الٰہی کی وجہ سے تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ پھر جب پروردگار زمین کی طرف دیکھتے ہیں اور بچوں کو قرآن پڑھتا پاتے ہیں تو خوشی سے بھر جاتے ہیں۔ (الکامل لابن عدی رحمۃ اللہ علیہ، الشیرازی فی الالقاب، الدیلمی، ابن عساکر بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ)

مصنف فرماتے ہیں: حدیث منکر ہے۔ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو من گھڑت احادیث میں شمار کیا ہے۔

جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ بذاتِ خود قرآن کی تلاوت فرمائیں گے۔تو لوگوں کو محسوس ہوگا آج سے پہلے کبھی سنا ہی نہیں۔ پھر مومنین اس کو یاد کرلیں گے اور منافقین بھول جائیں گے۔(الدیلمی بروایت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ)

جب حامل قرآن مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم فرماتے ہیں اس کا گوشت نہ کھانا۔زمین عرض کرتی ہے: الٰہی! میں کیسے اس کا گوشت کھا سکتی ہوں؟ جبکہ تیرا کلام اس کے پیٹ میں ہے۔(الدیلمی بروایت جابر رضی اللہ عنہ)

015 BABun

رقم الحدیث: ۲۰۸۳/تا ۲۱۰۶/

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

بَابٌ

﴿الفصل الاول﴾

قرآن کریم کی خبر گیری

{۲۰۸۳} وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَاھَدُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَھُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِھَا۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۷۵۳/۲، باب استذکار القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۴۲۔

مسلم شریف: ۲۶۸/۱، کتاب فضائل القرآن، باب الامر بتعهد القرآن، حدیث نمبر: ۷۹۱۔

حل لغات: تعاھدوا: عَہِدَ (س) عَہْدًا: تعاھد (تفاعل) حفاظت کرنا، دیکھ بھال کرنا، تفصیا: (تفعل) فَصٰی (ض) فَصْیًا: جدا ہونا۔ فَصّٰی (تفعیل) جدا کرنا، الابل: اونٹ جمع آبال، عقلھا: جمع ہے عُقْلَۃٌ کی، جس سے باندھا جائے۔

015 BABun

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قرآن کریم کی نگہ داشت کرتے رہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے قرآن کریم سینوں سے اتنی جلد نکل جاتا ہے کہ اونٹ بھی اپنی رسیوں سے اتنی جلدی نہیں نکلتا۔''

تشریح: تعاهدوا القرآن: یعنی قرآن کریم کی قرأت، مطالعہ، تفسیر اور تحقیق میں لگا رہے تاکہ بھولے نہیں۔

لھو: ''ھو'' ضمیر کا مشارٌ الیہ قرآن کریم ہے۔

اشد تفصیا من الابل: یعنی قرآن کریم کی تلاوت، مطالعہ اور تفسیر کے ذریعے سے نگہ داشت نہ کی جائے تو دلوں سے نکلنے میں جانوروں سے بھی تیز ہے کہ اونٹ کا مالک ونگہبان اپنے اونٹ کی طرف سے غفلت برتے تو اونٹ رسی سے نکل بھاگتا ہے۔ اسی طرح اگر قرآن کریم برابر نہ پڑھا جاتا رہا تو وہ اونٹ سے جلدی سینہ سے نکل جاتا ہے۔ یعنی جلدی بھول جاتا ہے۔ (التعلیق: ۲۸/۳، مرقاۃ: ۶۰۹/۲)

قرآن کریم کے بارے میں ایک ادب

{۲۰۸۴} وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَالِأَحَدِهِمْ أَنْ يَّقُوْلَ نَسِيْتُ اٰيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْاٰنَ فَإِنَّهٗ اَشَدُّ تَفَصِّياً مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِعُقُلِهَا۔

حوالہ: بخاری شریف: ۷۵۲/۲، باب استذکار القرآن وتعاهده، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۴۱۔

مسلم شریف: ۲۶۷/۱، کتاب فضائل القرآن، باب الامر بتعهد القرآن الخ، حدیث نمبر: ۷۹۰۔

حل لغات: نسیت: نَسِيَ (س) نَسْيًا وَنِسْيَانًا بھولنا، صدور: جمع ہے صدر کی بمعنی دل،

الرجال: جمع ہے رَجُلٌ بمعنی آدمی، النعم: اونٹ جمع اَنْعَامٌ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس شخص کے لئے یہ بات بری ہے جو کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں؛ بلکہ وہ بھلا دیا گیا ہے، قرآن کریم یاد کرتے رہا کرو، اس لئے کہ وہ سینوں سے اتنی جلدی نکل جاتا ہے کہ اونٹ بھی اتنی جلدی رسیوں سے نہیں نکلتا ہے۔''

تشریح: قرآن کریم یا اس کا کچھ حصہ یاد کر کے اپنے اختیار سے بھلا دینا گناہ ہے۔ اختیار میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کی نگہداشت میں سستی کرنے کی وجہ سے بھول جائے۔ ہاں اگر غیر اختیاری عذر کی وجہ سے بھول جائے مثلاً کوئی مرض ایسا لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے یاد نہ رہے تو یہ معصیت نہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو یہ نوبت ہی نہیں آنے دینی چاہئے کہ وہ یوں کہہ سکے کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی ہے۔ اگر بالفرض اختیاری یا غیر اختیاری طور پر بھول بھی جائے پھر بھی یوں نہیں کہنا چاہئے ''نَسِيْتُ'' کہ میں نے بھلا دیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے ''نُسِّيْتُ'' بھلا دیا گیا ہے۔ کیونکہ اپنے اختیار سے بھلانا ایک گناہ ہے اور اس کا اعلان کرتے پھرنا اور جسارت سے کام لینا دوسرا گناہ ہے۔

بئس ما لاحدهم ان يقول الخ: یعنی قرآن کریم کے ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی آدمی یہ نہ کہے کہ میں قرآن کریم کا اتنا حصہ بھول گیا۔ اس لئے کہ اس صورت میں قرآن کریم سے لاتعلقی کا عنصر ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ قرآن کریم کی عظمت اور روح مسلم کے لئے آب حیات ہونے کے ناطے یہ کہنا چاہئے کہ میں بھلا دیا گیا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس کو جتنا چاہے علوم قرآنیہ کے زیور سے آراستہ اور پیراستہ کر دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ ''سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى۔ إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ''

واستذكروا القرآن: یعنی آدمی کو چاہئے کہ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے پڑھنے پڑھانے میں لگا رہے تا کہ دن بدن ترقی ہوتی رہے اور قرآن کریم کو بھولے نہیں۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (التعلیق: ۲۸/ ۲، مرقاۃ: ۶۱۰/ ۲، طیبی: ۳۲۸/ ۴)

صاحب قرآن کی مثال

{۲۰۸۵} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَۃِ اِنْ عَاھَدَ عَلَیْھَا اَمْسَکَھَا وَاِنْ اَطْلَقَھَا ذَھَبَتْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۵۲/۲، باب استذکار القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۴۰۔

مسلم شریف: ۲۶۷/۱، باب الامر بتعهد القرآن الخ، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۷۸۹۔

حل لغات: مثل: مشابہ، نظیر جمع أَمْثَال۔ المعقلة: عَقَلَ (ض) عَقْلًا البعیر: ٹانگ ران ملا کر رسی سے باندھنا، اطلقها: اطلق (افعال) چھوڑنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''صاحب قرآن کی مثال ٹانگ بندھے اونٹ کی طرح ہے، اس کی نگہ داشت ہو تو رکا رہتا ہے اور اگر چھوڑ دیا جائے تو وہ چلا جاتا ہے۔''

تشریح: الابل المعقلة: اس اونٹ کو کہا جاتا ہے کہ جس کی ٹانگ موڑ کر باندھ دی جائے۔ اس صورت میں بھاگ تو نہیں پاتا ہے؛ لیکن بہر حال وہ چلتا ضرور ہے۔

ان عاهد علیها الخ: اگر اس اونٹ کی نگہ داشت کی جائے تو وہ اونٹ ادھر ادھر نہیں جاتا ہے۔ لیکن اگر اس اونٹ کو چھوڑ دیا جائے تو چل کر کہیں سے کہیں چلا جاتا ہے۔ ٹھیک یہی حال حامل قرآن کا ہے اگر وہ قرآن کریم پر لگا رہتا ہے تو ٹھیک ہے۔ قرآن پاک اس کو یاد رہتا ہے اور جہاں قرآن پاک سے ذرا غفلت اختیار کی قرآن پاک رخصت ہو جاتا ہے۔

دل لگنے تک قرآن پڑھے

{۲۰۸۶} وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

015 BABun

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اقْرَأُوْ الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَیْہِ قُلُوْبُکُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْہُ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۵۷، باب اقرؤا القرآن ما ائتلفت قلوبکم، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۶۹۔ مسلم شریف: ۲/ ۳۳۹، کتاب العلم، باب النهی عن اتباع منشابه القرآن، حدیث نمبر: ۲۶۶۷۔

حل لغات: ائتلفت: أَلِفَ (س) أَلْفًا محبت کرنا، مانوس ہونا، ائتلف: (افتعال) اکٹھا ہونا، قلوب جمع ہے قلب کی بمعنی دل۔

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’تم قرآن اس وقت تک پڑھو جب تک دل لگے، جب ملال ہونے لگے تو اس کو چھوڑ دو۔‘‘

تشریح: اقرؤا القرآن ما ائتلفت علیه قلوبکم: یعنی آدمی قرآن کریم اس وقت تک پڑھتا رہے جب تک نشاط ہو اور ذوق قرأت سے دل معمور ہو۔

فاذا اختلفتم فقوموا عنه: یعنی جب خیالات منتشر ہونے لگیں اور پڑھتے پڑھتے دل اکتا جائے تو اس وقت قرآن کریم پڑھنا چھوڑ دے۔ بعد میں جب موقع ملے تو پڑھے ورنہ پھر جس وقت پڑھنے پڑھانے یا تحقیق و مطالعے کا جو وقت متعین ہے اس میں یہ سب کام کرے۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ عادی بنے اور اپنے نفس کو ریاضت میں ڈالے تاکہ زیادہ دیر تک پڑھنے سے طبیعت ملول نہ ہو بلکہ زیادہ خوشی و فرحت محسوس ہو کیونکہ کاہل اور آسودہ دل جو ریاضت کی عادت نہیں ڈالتے جلدی ہی ملول ہو جاتے ہیں۔ (مظاہر حق جدید: ۵۵/ ۳، طیبی: ۳۲۹/ ۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت

{۲۰۸۷} وَعَنْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ

كَيْفَ كَانَتْ قِرَآءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا مَدًّا قَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَمُدُّ بِبِسْمِ اللّٰهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ۔ ﴿رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۵۴، باب مد القرأة، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۵۵۔

حل لغات: مدًا: مَدَّ (ن) مَدًّا کھینچنا۔

ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرأت کیسی ہوتی تھی؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: مدوالی ہوتی تھی، پھرانہوں نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھی، بسم اللہ میں مد کیا، رحمٰن میں مد کیا اور رحیم میں مد کیا۔

تشریح: کیف کانت قراءة النبی الخ: یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرأت کا انداز کیسا ہوتا تھا؟

فقال کانت مدا مدا: یعنی جناب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

ثم قرأ بسم اللّٰہ الخ: یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صرف یہ کہہ کر نہ چھوڑ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم ترتیل سے پڑھتے تھے؛ بلکہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تلاوت کو بھی بیان فرمایا۔ (طیبی: ۴/۳۳۰)

اللہ کے نزدیک پسندیدہ آواز

{۲۰۸۸} وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْئٍ مَّا اَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾

015 BABun

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۵۱، باب من یتغن بـالقرآن، حدیث نمبر: ۴۸۳۳، مسلم شریف: ۱/ ۲۶۸، کتاب فضائل القرآن، باب استحباب تحسین الصوت، حدیث نمبر: ۷۹۲۔

حل لغات: اذن: اَذِنَ (س) أَذَنًا: کان لگانا، سننا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنا کان لگا کرنہیں سنتا ہے جتنا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز کو سنتا ہے، جب کہ وہ قرآن کریم کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھے۔''

تشریح: ما اذن اللہ لشیٔ ما اذن لنبی: پہلا ''ما'' نافیہ اور دوسرا ''ما'' مصدریہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ کسی آواز سے خوش ہوتا تو وہ نبی کی آواز ہے جب وہ قرآن کریم کو خوش الحانی سے پڑھے۔

مطلب یہ ہے کہ یوں تو نبی کی آواز بذات خود ہر فرد بشر کی آواز سے عمدہ اور شیریں ہوتی ہے۔ مگر جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کریم خوش گلوئی یعنی تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اس وقت ان کی آواز کائنات کی ہر آواز سے لطیف و شیریں ہوتی ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو خدا کا کلام اور خدا کا رسول اسے پڑھ رہا ہو تو ظاہر ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ جاندار ہی نہیں غیر جاندار بھی وجد میں آجاتا ہے اسی بات کو فرمایا جارہا ہے کہ اللہ رب العزت اس آواز کو جتنا پسند کرتا ہے اور اسے جس طرح قبول کرتا ہے اس کی یہ پسندیدگی اور مقبولیت کائنات کے کسی بھی ایسی چیز کو حاصل نہیں ہوتی جس میں آواز ہوتی ہے اور جو سنی جاتی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/ ۶۱۱)

قرآن کریم کو حسن صوت سے پڑھنا چاہئے

{۲۰۸۹} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْئٍ مَّا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْاٰنِ يَجْهَرُبِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۱۲۶/۲، کتاب التوحید، باب قول النبیؐ الماہر بالقرآن الخ، حدیث نمبر: ۷۲۴۳۔ مسلم شریف: ۲۶۸/۱، کتاب فضائل القرآن، باب استحباب تحسین الصوت الخ، حدیث نمبر: ۷۹۲۔

حل لغات: حسن: صیغہ صفت ہے بمعنی خوب صورتی حِسان۔ جَھَرَ (ف) جَھْرًا الصوت: آواز بلند کرنا۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی چیز کے سننے سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا کہ نبی کے حسن صوت کے سننے سے خوش ہوتا ہے جب کہ وہ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتا ہے۔''

تشریح: قرآن کریم کی تلاوت میں جہر افضل ہے یا سر؟ اعلاء السنن میں بہت سی احادیث کی روشنی میں یہ لکھا ہے کہ اصل تو تلاوت میں جہر ہی ہے۔ بعض عوارض کی وجہ سے سر کو ترجیح ہوجاتی ہے۔ مثلاً: جہر کی صورت میں ریاء کا خوف ہو۔ کسی مصلی یا نائم کو تکلیف ہوتی ہو۔ زیر بحث حدیث سے بھی جہر کی مطلوبیت ثابت ہوتی ہے۔ اسی باب کی بہت سی احادیث میں تحسین صوت کی ترغیب دی گئی ہے تحسین صوت سر میں نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رات کو جہراً تلاوت پر تحسین فرمانا آرہا ہے۔ مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور دوسرے اشعریین کی تلاوت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف فرمائی ہے۔ اس قسم کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں جہر افضل ہے۔ کسی عوارض کی وجہ سے سر بھی افضل ہوسکتا ہے؛ لیکن یاد رہے کہ جہر سے مراد جہر مفرط نہیں ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۵۸/۴، اشرف التوضیح: ۲۶۸/۲)

قرآن کریم اور خوش الحانی

{۲۰۹۰} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۱۲۳/۲، کتاب التوحید، باب قول اللہ واسروا قولکم الخ، حدیث نمبر: ۷۲۲۶۔

حل لغات: غنی: تغنیة: عمدہ آواز نکالنا۔

ترجمہ: ان سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔‘‘

تشریح: وعنہ: یعنی یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔

لیس منا: یعنی اخلاق، سیرت اور کردار کے اعتبار سے وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ قرآن کریم کو خوش آوازی کے ساتھ اچھے انداز میں پڑھے تاکہ کامل طریقے سے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کرنے والا ہو جائے۔

تغنّی بالقرآن کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں:

(۱)......تغنّی سے جہراً صاف صاف پڑھنا مراد ہے چنانچہ بعض روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۲)......امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے حسن صوت کے ساتھ پڑھنا مراد ہے۔ جیسا کہ دوسری روایت میں ہے: ’’زینوا القرآن باصواتکم۔‘‘

(۳)......سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس سے استغناء عن الناس مراد ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہے اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہو جائے۔

(۴)......اشتغال بالقرآن مراد ہے۔ یعنی قرآن کریم کے پڑھنے یا پڑھانے اور عمل کرنے کے ساتھ جو مشغول نہ ہو وہ میری کامل امت میں سے نہیں ہے۔

(۵)......حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو قرآن کریم کو گانے کی جگہ میں نہ رکھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی کام نہیں ہوتا ہے۔ اور متفکر تنہا بیٹھتے ہیں تو جھوم جھوم کر آہستہ آہستہ آواز سے گانا گا کر دل کو بہلاتے ہیں تو

015 BABun

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں کہ اس وقت گانے کے بجائے قرآن کریم سے دل کو بہلانا چاہئے۔

بہت سی احادیث شریفہ میں قرآن کریم کی تلاوت کے وقت تحسین صوت کی ترغیب دی گئی ہے اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر تجوید کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے آواز اور لہجہ سنوارنے کی کوشش کی جائے اور اس میں گانے کا انداز بھی نہ ہو اور دنیا طلبی بھی مقصود نہ ہو تو یہ ایک مستحسن امر ہے اور قرآن کریم کا ایک ادب ہے لیکن اگر تحسین صوت اس انداز سے کی جائے کہ مخارج وصفات یا دوسرے قواعد تجوید کی رعایت نہ رہے یا گانے کا انداز اختیار کرلیا جائے یا اس کو دنیا طلبی کا ذریعہ بنا لیا جائے تو یہ مذموم ہے۔ تحسین صوت میں بھی ایسی آواز ہونی چاہئے جس سے خشیت ٹپک رہی ہو۔ حضرت طاؤس کی مرسل حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: "ای الناس احسن صوتاً للقرآن واحسن قراءۃ؟" [لوگوں میں قرآن پاک کو اچھی آواز اور اچھی قرأت سے پڑھنے والا کون ہے؟] آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "من اذا سمعته یقرأ رأیت انه یخشی اللہ" [وہ شخص جس کو تم قرآن پڑھتے ہوئے سنو تو تم یہ خیال کرو کہ وہ اللہ سے ڈر رہا ہے۔]

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں: "والقرأۃ عندنا کما روی طاؤس قال ان من احسن الناس قرأۃ الذی اذا سمعته یقرأ حسبته یخشی اللہ" یہ تو اعلیٰ درجہ ہے حسن صوت کا۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تو حدود کے اندر رہتے ہوئے جتنی بھی تحسین صوت کرلی جائے بہتر ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۵۶/ ۴، اشرف التوضیح: ۲۶۹/ ۲، و درس مشکوۃ: ۲۱۵/ ۲)

قرآن کریم کا سننا

{۲۰۹۱} وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ

اِقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِيْ فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَآءِ حَتّٰى أَتَيْتُ إِلٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا، قَالَ حَسْبُكَ الْاٰنَ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۵۵، باب قول المقرئ حسبک، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۵۹۔ مسلم شریف: ۱/۲۷۰، کتاب فضائل القرآن، باب فضل استماع القرآن الخ، حدیث نمبر: ۸۰۰۔

حل لغات: المنبر: وہ بلند مقام جہاں سے امام جمعہ اور عیدین کا خطبہ دیتا ہے۔ جمع منابر۔ النسائ: جمع ہے امرأۃ کی بمعنی عورت۔ شهيد: شَهِدَ (س، ک) شَهَادَةً گواہی دینا، تذرفان: ذَرَفَ (ض) ذَرْفًا بہنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا، اس حال میں جبکہ وہ منبر پر تشریف فرما تھے۔ میرے سامنے پڑھو، میں نے عرض کیا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھوں حالاں کہ قرآن کریم تو آپ ہی پر نازل ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری خواہش ہے کہ میں قرآن کریم دوسرے سے سنوں۔ میں نے سورۂ نساء پڑھی یہاں تک کہ اس آیت یعنی "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا" تک پہنچ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب بس کرو، میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھتا ہوں کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

تشریح: قال لی: یعنی تخصیص کرکے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا۔

وھو علی المنبر: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے مجمع میں تھے۔

اقرأ علی: یعنی قرآن کریم پڑھو تاکہ میں سنوں۔

قلت اقرأ علیک و علیک انزل: "اقرأ" اصل میں "أأقرأ" ہے۔ دو ہمزہ کے

جمع ہونے کی وجہ سے ایک حذف کر دیا گیا ہے۔ یعنی قران کریم پڑھنا ہم نے آپ ہی سے سیکھا ہے۔ اب آپ کے سامنے قرآن کریم پڑھ کر آپ کو کیا سناؤں۔

قال انی احب ان اسمعه من غیری: تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری خواہش ہے کہ میں قرآن کریم کو دوسرے سے سنوں۔

فقرأت سورۃ النسائ: یعنی جب ان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش کا علم ہو گیا تو اس کی تکمیل کے لئے انہوں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کر دی۔

حتی اتیت الی هذه الآیة الخ: یعنی پڑھتے پڑھتے جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ "فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید الآیة" [پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا، جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لے کر آئیں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کرینگے؟] (آسان ترجمہ) تک پہنچ گئے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اب بس کرو۔ یہ رک گئے۔

فالتفت الیه الخ: یعنی جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھنا موقوف کر دیا تو انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے تر بتر ہیں۔ یعنی اس آیت کریمہ میں جس منظر کی نقاشی کی گئی ہے وہ پورا کا پورا منظر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جلوہ گر ہو گیا۔ وہ منظر چونکہ سخت سے سخت تر ہوگا۔ وہ حساب وکتاب اور جواب دہی کی گھڑی ہوگی۔ اس سختی سے متأثر ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (مرقاۃ: ۶۱۲/۲)

فوائد: اس حدیث شریف سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱)......قرآن کریم کو سننا اور کان لگا کر سننا مستحب ہے۔

(۲)......قرآن کریم پڑھتے وقت رونا اور اس میں غور وفکر کرنا مستحب ہے۔

(۳)...... دوسرے سے قرآن کریم پڑھنے کے لئے کہنا اور خود سننا مستحب ہے؛ کیونکہ

قرآن پاک دوسرے سے سننا خود پڑھنے کے مقابلہ میں قرآن سمجھنے اور اس میں غور وفکر کرنے میں زیادہ ابلغ ہے۔ (طیبی: ۴/۳۳۴)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی سعادت

{۲۰۹۲} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَأَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ قَالَ اَللّٰہُ سَمَّانِیْ لَکَ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَقَدْ ذُکِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَیْنَاہُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَأَ عَلَیْکَ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْ قَالَ وَسَمَّانِیْ قَالَ نَعَمْ فَبَکٰی۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۴۱، سورۂ لم یکن، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۹۶۷۔ مسلم شریف: ۱/۲۶۹، کتاب فضائل القرآن، باب استحباب قرأۃ القرآن علی اھل الفضل الخ، حدیث نمبر: ۷۹۹۔

حل لغات: سمانی: سمّی (تفعیل) نام رکھنا، متعین کرنا، ذکرت: ذکر (ن) ذکراً الشی: دل میں یاد کرنا، فذرفت: ذَرَفَ (ض) ذَرْفًا: بہنا، ذَرَّفَ (تفعیل) بہانا، عیناہ: تثنیہ ہے عین کا آنکھ جمع عُیُوْنَ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں، انہوں نے عرض کیا: کہ کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: کیا واقعتاً رب العالمین کے یہاں میرا ذکر کیا گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ تو ان کی دونوں آنکھیں بہہ پڑیں اور دوسری روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا

ہے کہ میں تمہارے سامنے سورۃ "لم یکن الذین" پڑھوں، تو انہوں نے عرض کیا: کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ تو وہ رو پڑے۔

تشریح: یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام لے کر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا: کہ آپ ان کو قرآن کریم سنائیے۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم سنانے کے لئے فرمانا یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے لئے تمام ہم عصروں پر بہت بڑی فضیلت وخصوصیت ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑے قاری تھے۔

خاص طور سے سورۃ "**لم یکن**" پڑھنے کا حکم اس لئے ہوا کہ اس سورت میں اہل کتاب کے حالات ان کے ایمان لانے نہ لانے اور ان کے اختلاف کے وجوہات وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ نیز یہ سورت الفاظ کے اعتبار سے بہت مختصر بھی ہے اور اس میں فوائد بہت زیادہ ہیں۔ اس صورت میں دین کے اصول، وعد و وعید اور اخلاص وغیرہ کے اعلیٰ مضامین مذکور ہیں۔ اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ ماہر قرآن اور اہل علم وفضل کے سامنے قرآن پڑھنا مستحب ہے اگرچہ قاری سننے والے سے افضل نہ ہو۔
(مظاہر حق جدید: ۵۸ / ۳، مرقاۃ: ۶۱۲ / ۲، طیبی: ۵ ۳۳ / ۴)

دارالحرب قرآن نہ لے جائے

{۲۰۹۳} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّسَافَرَ بِالْقُرْاٰنِ اِلٰى أَرْضِ الْعَدُوِّ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا تُسَافِرُوْا بِالْقُرْاٰنِ فَاِنِّيْ لَا اٰمَنُ أَنْ يَّنَالَهُ الْعَدُوُّ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱ / ۴۲۰، کتاب الجهاد، باب کراهية السفر بالمصاحف الی ارض العدو،

حدیث نمبر:۲۸۹۸۔مسلم شریف: ۲/ ۱۳۱، کتاب الامارۃ، باب النھی ان یسافر بالمصحف الخ،حدیث نمبر:۱۸۶۹۔

حل لغات: یسافر: سَافَرَ (مفاعلت) سفر کرنا،عدو: دشمن،جمع اعدائ، جج اَعَادٍ: یَنالُهٗ: نَالَ(ض، ف) نیلا پانا،حاصل کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو لے کر دشمن کے ملک میں جانے سے منع فرمایا ہے اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ قرآن کریم لے کر سفر نہ کرو اس لئے کہ مجھے یہ اطمینان نہیں ہے کہ اس کو دشمن نہ پالے۔

تشریح: حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ ہدایت تھی کہ قرآن کریم کے نسخوں کو لے کر دشمن کے علاقے میں نہ جائیں اس لئے کہ وہ قرآن کریم کو پالینے کی صورت میں اس کی بے حرمتی بھی کریں گے اور اس کو ضائع بھی کرنے کی کوشش کریں گے۔

شروع زمانے میں قرآن کریم چونکہ تحریری طور پر مکمل لوگوں کے پاس محفوظ نہیں تھا۔ کسی کے پاس تھوڑا حصہ تھا اور کسی کے پاس کچھ حصہ تھا۔اس لئے اگر کوئی شخص اپنے پاس موجود قرآن کریم کے حصے کو لے کر دشمنوں کے جھرمٹ میں جاتا تو ضائع ہوجانے کا قوی اندیشہ تھا۔ ’’وقیل نهیه علیه الصلوة والسلام عن ذلک لاجل أن جمیع القرآن کان محفوظا عند جمیع الصحابة فلو ذهب بعض ممن عنده شیٔ من القرآن الی ارض العدو ومات هناک لضاع ذلک القدر‘‘(مرقاۃ:۶/۵)

اس مذکورہ بالا عبارت کی رو سے موجودہ زمانے میں قرآن کریم کو لے کر پوری دنیا میں کہیں بھی جایا جاسکتا ہے۔اس لئے کہ اب قرآن کریم مطبوعہ شکل میں اتنا عام ہوچکا ہے کہ عالمی سطح کے دشمنانِ اسلام چاہ کر بھی قرآن کریم کو دنیا سے مٹا نہیں سکتے ہیں۔ البتہ اہانت کا خوف ہو تو مکروہ ہے۔

﴿الفصل الثانی﴾

غرباء مہاجرین کو بشارت

{۲۰۹۴} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ جَلَسْتُ فِیْ عِصَابَۃٍ مِنْ ضُعَفَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ وَاِنَّ بَعْضَهُمْ لَیَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِّنَ الْعُرٰی وَقَارِیٌٔ یَقْرَأُ عَلَیْنَا اِذْ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَیْنَا فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم سَکَتَ الْقَارِیُٔ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا کُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قُلْنَا کُنَّا نَسْتَمِعُ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ أُمَّتِیْ مَنْ أُمِرْتُ أَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَهُمْ قَالَ فَجَلَسَ وَسْطَنَا لِیَعْدِلَ بِنَفْسِهٖ فِیْنَا ثُمَّ قَالَ بِیَدِهٖ هٰکَذَا فَتَحَلَّقُوْا وَبَرَزَتْ وُجُوْهُهُمْ لَهٗ فَقَالَ أَبْشِرُوْا یَامَعْشَرَ صَعَالِیْكِ الْمُهَاجِرِیْنَ بِالنُّوْرِ التَّامِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ قَبْلَ اَغْنِیَآءِ النَّاسِ بِنِصْفِ یَوْمٍ وَذٰلِکَ خَمْسُ مِائَۃِ سَنَۃٍ۔ ﴿رَوَاہُ أَبُوْدَاؤدَ﴾

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۵۱۶، کتاب العلم، باب فی القصص، حدیث نمبر: ۳۶۶۶۔

حل لغات: عصابۃ: جماعت، جمع عصائب، العری: عَرِی (س) عُرْیًا: ننگا ہونا، تصنعون: صَنَعَ (ف) صَنْعًا: کرنا، بنانا۔ فتحلقوا: حَلَقَ (ض) حلقا الرأس: احتلق (افتعال) مونڈنا، تحلق (تفعل) حلقہ بنا کر بیٹھنا، برزت: بَرَزَ (ن) بُرُوْزًا: ظاہر ہونا، صعالیک: جمع صُعْلُوْک: کی بمعنی محتاج، فقیر۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں غرباء مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا اور ان میں سے بعض بدن ننگے ہونے کی وجہ سے بعض کی

اوٹ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک قاری ہمارے سامنے قرآن کریم پڑھ رہا تھا، اتنے میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے، جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو قاری خاموش ہو گیا۔ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرنے کے بعد فرمایا: آپ لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم لوگ غور سے قرآن کریم سن رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے ساتھ بیٹھوں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھ گئے تا کہ آپ کی ذات اقدس کا تعلق ہم سب کے ساتھ یکساں رہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اشارہ کیا کہ سب حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور ان سب کے چہرے آپ کی طرف ہو گئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے مہاجرین کے محتاج گروہ! تمہیں اس بات کی خوش خبری ہو کہ تمہیں قیامت کے دن بھرپور نور حاصل ہوگا اور تم لوگ مالدار لوگوں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے۔ اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کے برابر ہوگا۔"

تشریح: من ضعفاء المهاجرين: ضعفاء مہاجرین سے مراد اصحاب صفہ ہیں۔

وان بعضهم ليستتر ببعض من العري: یعنی ستر عورت چھپانے کے لائق تو سب کی پوشاک تھی ہی، لیکن اصحابِ صفہ کے پاس اتنے کپڑے نہیں تھے جن کو پہن کر مجالس میں جایا کرتے ہیں تو ستر کے علاوہ باقی بدن جن حضرات کا کھلا ہوا تھا وہ اپنے کپڑے والے ساتھی کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے تھے تا کہ کھلے ہوئے بدن پر عام لوگوں کی نظر نہ پڑے۔

وقارئ يقرأ علينا: مراد یہ ہے کہ ایک قاری قرآن کریم پڑھ رہے تھے تا کہ دوسرے لوگ سنیں اور سن کر یاد کر لیں۔

اذ جاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: یعنی یہ حضرات

قرآن کریم سیکھنے سکھانے میں مشغول تھے اتنے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آ گئے اور وہاں آ کر رک گئے اور سننے لگے۔

فلما قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: یعنی جب حضرت نبی کریم ﷺ وہاں آ کر کھڑے ہو گئے تو وہ قاری ادباً یہ سمجھ کر رک گئے کہ ہوسکتا ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ بیان فرمائیں۔

فسلم ثم قال: ما كنتم تصنعون: یعنی جب قاری نے قرآن کریم پڑھنا موقوف کر دیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام کرنے کے بعد دریافت فرمایا: کہ یہ مجلس کیسی لگی ہوئی ہے؟

قلنا نستمع الى كتاب الله: تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: کہ ہم قرآن کریم سن رہے ہیں۔

فقال الحمد لله الذى جعل من امتى من امرت ان اصبر: یعنی اس بات کو سن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خوشی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا: کہ الحمد للہ! اللہ نے میری اس امت میں ایسے خوش نصیب لوگوں کو پیدا کیا ہے جن کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا حکم ہے۔ اس سے "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ۔ الأية" کی طرف اشارہ ہے۔

فجلس وسطنا ليعدل بنفسه فينا: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے تکلفی کے ساتھ اسی مجلس میں شریک ہو گئے اور اپنے بیٹھنے کے لئے کسی خاص مقام کا انتخاب نہیں فرمایا۔

ثم قال بيده هكذا الخ: پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا کہ لوگ حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔

فقال ابشروا يا معشر صعاليك المهاجرين الخ: پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان حضرات کو دو خوش خبری سنائیں۔ ایک یہ کہ قیامت کے دن ان لوگوں کو ہر اعتبار سے کامل مکمل

ایک نور ملے گا۔ دوسری یہ کہ یہ غرباء دوسرے مال داروں کے مقابلہ میں پچاس ہزار سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

یہاں فقراء سے مراد وہ فقراء ہیں جو صالح اور صابر ہوں، اسی طرح دولتمند سے مراد ہیں جو صالح اور شاکر اور اپنے مال کا حق ادا کرنے والے ہوں۔ (التعلیق: ۳۱/۳)

فائدہ: حدیث پاک سے قران پاک پڑھنے پڑھانے کی فضیلت نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت عبدیت وتواضع وغیرہ کا علم ہوا۔

حسن صوت سے قرآن پڑھنے کا حکم

{۲۰۹۵} وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيِّنُوْا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حوالہ: مسند احمد: ۲۸۳/۴، ابو داؤد شریف: ۲۰۷/۱، ابواب الوتر، باب کیف یستحب الترتیل فی القرأة، حدیث نمبر: ۱۴۶۸۔ ابن ماجه شریف: ۹۵، باب ماجاء فی قیام شهر رمضان۔ باب فی حسن الصوت بالقرآن، حدیث نمبر: ۱۳۴۲۔ دارمی: ۵۶۵/۲، کتاب فضائل القرآن، باب التغنی بالقرآن، حدیث نمبر: ۳۵۰۰۔

حل لغات: زینوا: زان (ض) زینًا، زَیَّنَ (تفعیل) زینت دینا، أصواتکم: جمع ہے صوت کی بمعنی آواز۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت بخشو۔''

تشریح: زینوا القرآن باصواتکم: یعنی قرآن کریم تجوید ترتیل اور خوش آوازی سے پڑھو۔ یہی قرآن کریم کی زینت ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کو اس انداز میں پڑھنے سے لوگوں کو اچھا لگتا ہے۔ اور سننے والے غور سے سنتے ہیں۔ اور اسی میں قرآن پاک کی عظمت

واحترام بھی ہے۔ المراد تزیینه بالترتیل والتجوید وتلیین الصوت۔ (مرقاۃ:۸/۵)

اشکال مع جواب

اشکال: قرآن کریم تو فی نفسہ مزین ہے خارجی کسی چیز کی تزیین سے وہ مستغنی ہے۔ تو پھر حدیث شریف میں آواز کے ذریعہ قرآن کو مزین کرنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ قلب پر محمول ہے کہ اپنی آواز کو قرآن کریم کے ذریعہ مزین کرو۔ اور بعض روایات میں ایسا ہی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اپنے ظاہر پر محمول ہے؛ چنانچہ روایت میں آتا ہے: "اَنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ یَزِیْدُ الْقُرْآنَ حَسَنًا" (دارمی: ۵۶۵/۲، حدیث نمبر: ۳۵۰۱) اور اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ مزین کرنے والی چیز اصل شئ کے تابع ہوتی ہے۔ جیسے عورتوں کے لئے زیورات۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں قرآن کریم سے قرأت مراد ہے۔ اور یہ فعل عبد ہے۔ فلا اشکال فیه۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو اچھے لحن و آواز سے پڑھنا مستحب ہے۔ بشرطیکہ تجوید کی پوری رعایت ہو۔ اور گانے کی طرح آواز نہ ہو بلکہ بلا تکلف لحون عرب کے مانند ہو۔ (مرقاۃ: ۶۱۴/۲، التعلیق: ۳۲/۳)

قرآن بھول جانے پر وعید

{۲۰۹۶} وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ امْرِءٍ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ یَنْسَاهُ اِلَّا لَقِیَ اللّٰهَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَجْذَمَ۔ ﴿رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالدَّارِمِیُّ﴾

حواله: ابوداؤد شریف: ۲۰۷/۱، ابواب الوتر، باب التشدید فی من حفظ القرآن ثم نسیه، حدیث نمبر: ۱۴۷۴۔ دارمی: ۵۲۹/۲، کتاب فضائل القرآن، باب من تعلم القرآن ثم نسیه، حدیث نمبر: ۳۳۴۰۔

حل لغات: ینسأ: نَسِیَ (س) نِسْیَانًا بھولنا، أجْذم: ہتھ کٹا، جَذِمَ (س) جَذْمًا: کٹے ہوئے ہاتھ یا کٹی ہوئی انگلیوں والا۔

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص قرآن پڑھ کر بھول جائے تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں گے۔''

تشریح: ما من امرء یقرأ القرآن ثم ینسأہ: اس حدیث شریف میں قرآن کریم پڑھنے سے عام پڑھائی مراد ہے۔ یعنی جس نے قرآن کریم ناظرہ پڑھا اور اس نے بھلا دیا، یا کسی نے حفظ کیا اور وہ یاد نہ رکھ سکا، یا کسی نے قرآن کریم کا ترجمہ اور اس کی تفسیر پڑھی اور بھلا دیا تو یہ تمام لوگ اپنے اپنے حساب سے اس وعید کے مستحق ہوں گے۔ ''ای النظر عندنا وبالغیب عند الشافعی او المعنی ثم یترك قرأته نسی ومانسی۔'' (مرقاۃ: ۲/۶۱۵)

الا لقی اللّٰہ أجذم: یعنی قرآن کریم بھولنے والا قیامت کے دن مجذوم اور لولے کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا۔ اس ذلت سے بچنے کے لئے قرآن کریم میں لگے رہنے کی ضرورت ہے۔

قرآن کریم پورا کرنے کی مدت

{۲۰۹۷} وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ یَفْقَہْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِیْ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ۔ ﴿رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِیُّ﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۲۳، ابواب القرأۃ، باب بلاترجمۃ، تحت اثناء، حدیث نمبر: ۲۹۴۶۔ ابوداؤد شریف: ۱/۱۹۷، ابواب قرأۃ القرآن الخ، باب فی کم یقرأ القرآن، حدیث نمبر: ۱۳۹۰۔ دارمی: ۲/۵۶۲، کتاب فضائل القرآن، باب فی ختم القرآن، حدیث نمبر: ۳۴۸۷۔

حل لغات: لم یفقه: فقه (س) فِقْھًا: سمجھنا، اقل: قَلَّ (ض) قِلًّا وَ قِلَّةً: کم ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے قرآن کریم کو تین دن سے کم میں پڑھا اس نے قرآن کریم کو نہیں سمجھا۔''

تشریح: لم یفقہ من قرأ القرآن فی اقل من ثلاث: یعنی ویسے تو قرآن کریم علوم ومعارف اور حکم واسرار کا بحر ذخار ہے، اس کو کما حقہ زندگی بھر بھی سمجھنے سے آدمی قاصر ہے۔ اس لئے اس حدیث شریف میں ظاہری اور سرسری طور پر سمجھنا مراد ہے۔

کتنی مدت میں قرآن کریم ختم کیا جائے؟

ختم قرآن کریم کے سلسلے میں علماء کرام کی مختلف آراء ہیں:

بعض حضرات نے اس حدیث شریف کے ظاہر پر عمل کیا ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ تین دن میں ختم کرتے تھے اور اس سے کم میں ختم کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ جب کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ تین دن سے کم میں ختم کرنے میں قرآن کریم کے ظاہری معنی نہیں سمجھ سکتا اور اصل حقائق اور معارف میں اگر تدبر کرنا چاہے تو پوری عمر ایک آیت بلکہ ایک کلمہ کے اسرار تک رسائی کے لئے بھی ناکافی ہے۔

تو حدیث شریف میں تین دن سے کم میں ختم کرنے میں فہم قرآن کی نفی آئی ہے۔ ثواب کی نفی نہیں ہے۔ اس لئے سلف میں ختم قرآن کریم کے مختلف طریقے اور عادات تھیں، بعض حضرات دو مہینوں میں ایک ختم پورا کرتے تھے اور بعض بزرگوں سے ایک دن اور ایک رات میں تین ختم بھی منقول ہیں۔ (مرقاۃ: ۹/ ۵)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سید جلیل ابن الکاتب صوفی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف چار دن میں اور چار رات میں آٹھ ختم تک منسوب ہیں اور سلف صالحین میں بہت سے بزرگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایک رکعت میں قرآن کریم ختم فرمایا ہے۔ جن میں سرفہرست حضرت عثمان غنی، حضرت تمیم داری اور

015 BABun

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم ہیں۔

حضرات سلف سے حالات اور اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے متعدد طریقے منقول ہیں۔لیکن قران کریم کی تلاوت تدبر کے ساتھ اور حقوق تلاوت کی رعایت کرتے ہوئے کرنے میں عموما تین دن سے کم میں قرآن کریم ختم کرنا مشکل ہوتا ہے۔البتہ یہ کوئی تحدید نہیں۔بلکہ اپنے حالات کے موافق قرآن کریم کی تلاوت کے حقوق ادا کرتے ہوئے جتنے دن میں سہولت سے ختم کرسکتا ہو کرلے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کیلئے جو سات دن کی تحدید فرمائی تھی وہ بھی ان کے حالات کے پیش نظر تھی۔(طیبی:۲۸۱/ ۴)

چنانچہ بخاری شریف میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اقرأ القرآن فی شهر" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "انی أجد قوة" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "فأقرأه فی سبع ولا تزد علی ذلک" (بخاری شریف:۷۵۶/ ۲، کتاب فضائل القرآن، باب فی کم یقرأ القرآن)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات کا معمول وہی طریقہ رہا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بتایا تھا۔یعنی سات دنوں میں ختم کرنا۔جسے عارفین اور مشائخ کی اصطلاح میں "ختم الاحزاب" کہتے ہیں۔اور "ختم الاحزاب" کے طریقوں میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے اصح طریقہ اس کو قرار دیا ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک اثر میں مروی ہے۔جس کی تعبیر "فمی بشوق" سے کی جاتی ہے۔

"فمی بشوق" کی ترتیب سے قرآن کریم ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی سات منزلیں سات دن میں اس طرح پڑھی جائیں کہ ان کے شروع میں "فمی بشوق" کے حروف واقع ہوں۔چنانچہ "ف" سے سورۂ فاتحہ کی طرف اشارہ ہے۔جس سے شروع جمعہ کے دن ہوگا۔"م" سے مائدہ کی طرف۔"ی" سے سورۂ یونس کی طرف۔"ب" سے بنی اسرائیل کی طرف۔"ش" سے شعراء کی طرف۔"واؤ" سے والصافات کی طرف اور "ق" سے سورۂ "ق" کی

طرف اشارہ ہے۔(مرقاۃ:۱۰/ ۵،نفحات التنقیح:۲۲۶/۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدۂ فضائل قرآن مجید میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض مرتبہ وتر کی ایک رکعت میں وہ تمام قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

اسی طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایک رات میں تمام قرآن شریف پورا فرمالیا کرتے تھے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے دو رکعت میں کعبہ کے اندر تمام قرآن شریف پڑھا۔

ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ دن رات میں ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے،اور اسی طرح ابوحرۃ بھی۔

ابوشیخ ہنانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات میں دو کلام مجید پورے اور تیسرے میں سے دس پارے پڑھے،اگر چاہتا تو تیسرا بھی پورا کرلیتا۔

صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ جب حج کو گئے تو راستہ میں اکثر ایک رات میں دو کلام مجید پورے کرتے تھے۔

منصور بن زاذان رحمۃ اللہ علیہ صلوۃ الضحیٰ میں ایک کلام مجید اور دوسرا ظہر سے عصر تک پورا کرتے تھے۔اور تمام رات نوافل میں گذارتے تھے اور اتنا روتے تھے کہ عمامہ کا شملہ تر ہوجاتا تھا۔

اسی طرح اور حضرات بھی جیسا کہ محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے قیام اللیل میں تخریج کیا ہے۔شرح احیاء میں لکھا ہے کہ سلف کی عادات ختم قرآن میں مختلف رہی ہیں،بعض حضرات ایک ختم روزانہ کرتے تھے،جیسا کہ امام شافعیؒ غیر رمضان المبارک میں اور بعض دو ختم روزانہ کرتے تھے جیسا کہ خود امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول رمضان المبارک میں تھا اور یہی معمول اسود اور صالح بن کیسان،سعید بن جبیر رحمہم اللہ اور ایک جماعت کا تھا۔

بعض کا معمول تین ختم روزانہ کا تھا۔چنانچہ سلیم بن عتر رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے تابعین میں شمار کئے

جاتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح مصر میں شریک تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصص کا امیر ان کو بنایا تھا۔ ان کا معمول تھا کہ ہر شب میں تین ختم قرآن شریف کے کرتے تھے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاذکار میں نقل کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مقدار جو تلاوت کے باب میں ہم کو پہنچی ہے وہ ابن الکاتب رحمۃ اللہ علیہ کا معلوم تھا کہ دن رات میں آٹھ قرآن شریف روزانہ پڑھتے تھے۔

ابن قدامہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی کوئی تحدید نہیں، پڑھنے والے کے نشاط پر موقوف ہے۔ اہل تاریخ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ رمضان شریف میں اکسٹھ (۶۱) قرآن شریف پڑھتے تھے، ایک دن کا اور ایک رات کا اور ایک تمام رمضان شریف میں تراویح کا، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تین دن سے کم میں ختم کرنے والا تدبر نہیں کرسکتا؛ اسی وجہ سے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تین دن سے کم میں ختم کو حرام بتلایا ہے۔ بندہ کے نزدیک یہ حدیث شریف باعتبار اکثر افراد کے ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے اس سے کم میں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ اسی طرح زیادتی میں بھی جمہور کے نزدیک تحدید نہیں۔ جتنے ایام میں بہ سہولت ہو سکے کلام مجید ختم کرے، مگر بعض علماء کا مذہب ہے کہ چالیس دن سے زائد ایک قرآن شریف میں خرچ نہ ہوں، جس کا حاصل یہ ہے کہ کم از کم تین پاؤ روزانہ پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کسی وجہ سے کسی دن نہ پڑھ سکے تو دوسرے دن اس کی قضا کرلے، غرض چالیس دن کے اندر اندر ایک مرتبہ کلام مجید پورا ہو جاوے۔ جمہور کے نزدیک اگرچہ یہ ضروری نہیں، مگر جب بعض علماء کا مذہب ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے کم نہ ہو، نیز بعض احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

صاحب مجمع نے ایک حدیث نقل کی ہے: "مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِيْ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فَقَدْ عَزَّبَ" جس شخص نے قرآن شریف چالیس رات میں ختم کیا اس نے بہت دیر کی۔ بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ ہر مہینہ میں ایک ختم کرنا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ سات روز میں ایک کلام مجید ختم کرلے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول عامۃً یہی نقل کیا جاتا ہے۔ جمعہ کے روز شروع کرے اور سات روز میں ایک منزل روزانہ کرکے

پنج شنبہ کے روز ختم کرلے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ پہلے گذر چکا کہ سال میں دو مرتبہ ختم کرنا قرآن شریف کا حق ہے۔ لہٰذا اس سے کم کسی طرح نہ ہونا چاہئے۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ کلام پاک کا ختم اگر دن کے شروع حصہ میں ہو تو تمام دن اور رات کے شروع حصہ میں ہو تو تمام رات ملائکہ اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں، اس سے بعض مشائخ نے استنباط فرمایا ہے کہ گرمی کے ایام میں دن کے ابتداء میں ختم کرے اور موسم سرما میں ابتدائی شب میں تاکہ بہت سا وقت ملائکہ کی دعا کا میسر ہو۔

قرآن کریم بلند آواز سے پڑھنا

{۲۰۹۸} **وَعَنْ** عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْاٰنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ۔ ﴿رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ﴾ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/ ۱۲۰، ابواب فضائل القرآن، باب: ۲۰، حدیث نمبر: ۲۹۱۹۔ ابو داؤد شریف: ۱/ ۱۸۸، ابواب قیام اللیل، باب رفع الصوم بالقرأۃ فی صلوۃ اللیل، حدیث نمبر: ۱۳۳۳۔ نسائی شریف: ۱/ ۲۷۵، کتاب الزکوۃ، باب المسر بالصدقۃ، حدیث نمبر: ۲۵۶۲۔

حل لغات: الجاهر: جَهَرَ (ف) جَهْرًا: آواز بلند کرنا، المسر: اَسَرَّ (افعال) اسرارًا: چپکے سے بیان کرنا۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے والا اعلانیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا پوشیدہ طور پر صدقہ دینے والے کی طرح ہے۔“

تشریح: قرآن کریم جہراً اور سراً پڑھنے کو جہراً اور سراً صدقہ دینے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کے درمیان قدر مشترک یہ بتایا ہے کہ صدقہ بعض اوقات جہراً دینا افضل ہوتا ہے اور بعض اوقات سراً۔

اسی طرح قرآن کریم بھی بعض اوقات جہراً پڑھنا افضل ہوتا ہے اور بعض اوقات سراً۔ چنانچہ قرآن کریم کو آہستہ اور با آواز بلند دونوں طرح کے پڑھنے کے بارے میں آثار منقول ہیں اور علماء نے ان کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے کہ آہستہ پڑھنا ریا سے زیادہ دور ہے۔ لہٰذا آہستہ پڑھنا اس آدمی کے لئے بہتر ہے جو ریا سے ڈرتا ہو اور اس کو ریا کا خدشہ ہو اور با آواز بلند پڑھنا اس آدمی کے لئے افضل ہے جس کو ریا میں مبتلا ہونے کا خوف نہ ہو۔ بشرطیکہ اس سے کسی نمازی، سونے والے یا کسی اور کو تکلیف نہ پہنچے۔

وجہ افضلیت یہ ہے کہ بلند آواز سے پڑھنے میں عمل زیادہ ہے اور اس طرح دوسروں تک فائدہ متعدی ہوتا ہے کہ کوئی سن کر ثواب پاتا ہے اور کوئی سن کر سیکھ لیتا ہے اور اسی طرح یہ ذوق اور رغبت کے ساتھ پڑھنے کا سبب بھی ہے اور اس میں شعار دین اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا برملا اظہار ہے۔ خود پڑھنے والے کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اس کے دل کو بیداری حاصل ہوتی ہے۔ غفلت اور نیند کا غلبہ دور ہوتا ہے۔ نشاط بڑھتا ہے اور دھیان برقرار رہتا ہے۔

بہرکیف ان فوائد میں سے کوئی فائدہ بھی پیش نظر ہو تو پھر با آواز بلند پڑھنا ہی افضل ہوگا۔ البتہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔ جس میں ارشاد ہے: "السر افضل من العلانية والعلانية افضل لمن اراد الاقتداء" یعنی بلند آواز سے پڑھنا اس شخص کے لئے افضل ہے جو دوسروں کو اس عمل کی پیروی کی ترغیب دینا چاہتا ہو۔

(التعلیق الصبیح: ۳/۳۳، میزان الاعتدال: ۲/۲۶۵، نفحات التنقیح: ۳/۲۲۸)

قرآن کریم کی مکمل پیروی کی تاکید

{۲۰۹۹} وَعَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَہٗ۔ ﴿رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ﴾ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِالْقَوِیِّ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۱۹/۲، ابواب فضائل القرآن، باب بلا ترجمۃ، حدیث نمبر: ۲۹۱۸۔

حل لغات: محارم: جمع ہے محرم کی بمعنی حرام۔

ترجمہ: حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص قرآن کریم کے حرام کو حلال جانے اس کا قرآن پر ایمان نہیں ہے۔‘‘

تشریح: ما آمن بالقرآن من استحل محارمہ: یعنی قرآن کریم پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حلال کی ہوئی اشیاء کو حلال جانے اور حرام کی ہوئی اشیاء کو حرام جانے۔ اگر کوئی اس کا الٹا کرتے ہوئے حلال کی ہوئی اشیاء کو حرام اور حرام کی ہوئی اشیاء کو حلال سمجھنے لگے، تو ایسا شخص شریعت کی نظر میں قطعی طور پر کافر ہے۔ ’’قال الطیبی من استحل ما حرمہ اللہ فقد کفر مطلقا‘‘ (مرقاۃ: ۵/۱۰، طیبی: ۳۴۲/۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے کا انداز

{۲۱۰۰} وَعَنِ اللَّیْثِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ أَبِیْ مُلَیْکَۃَ عَنْ یَعْلٰی بْنِ مَمْلَکٍ اَنَّہٗ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَۃَ عَنْ قِرَآءَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا ھِیَ تَنْعَتُ قِرَاءَۃً مُّفَسَّرَۃً حَرْفًا حَرْفًا۔ ﴿رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَأَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ﴾

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۲۰/۲، ابواب فضائل القرآن، باب کیف کانت قرأۃ النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۲۹۲۳۔ ابوداؤد شریف: ۲۰۷/۱، ابواب الوتر، باب کیف یستحب الترتیل الخ، حدیث نمبر: ۱۴۶۶، نسائی شریف: ۱۱۶/۱، کتاب الافتتاح، باب تزئین القرآن بالصوت، حدیث نمبر: ۱۰۲۳۔

حل لغات: تنعت: نعت (ف) نَعْتًا: بیان کرنا۔ مفسرۃ: فَسَرَ (ن، ض) فَسَّرَ (تفعیل)

واضح کرنا، بیان کرنا۔ حرف جمع حُرُوْف۔

ترجمہ: حضرت لیث بن سعد، ابن ابی ملیکۃ سے وہ یعلی بن مملک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کو واضح طور پر ایک ایک حرف کرکے بیان کیا۔

تشریح: ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قراءت ہر ہر حرف کی الگ الگ ہوتی تھی، یعنی ہر حرف دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا، اور ایسی ترتیل کے ساتھ ہوتی تھی کہ اگر سامع حروف کو شمار کرنا چاہے تو کرسکتا تھا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کلام کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قولاً بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تلاوت اس طرح فرمایا کرتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود ترتیل کے ساتھ پڑھ کر سنایا جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ (طیبی: ۲/ ۳۴۲/ ۴، التعلیق: ۳۳/ ۳)

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر سانس توڑنا

{۲۱۰۱} **وَعَنِ** ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهٗ يَقُوْلُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ثُمَّ يَقِفُ ثُمَّ يَقُوْلُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ يَقِفُ۔ ﴿رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ﴾ وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِأَنَّ اللَّيْثَ رَوٰى هٰذَ الْحَدِيْثَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ يَّعْلٰى بْنِ مَمْلَكٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ وَحَدِيْثُ اللَّيْثِ أَصَحُّ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۲۰، ابواب القرآۃ، حدیث نمبر: ۲۹۲۷۔

حل لغات: یقطع: (ف) قطعًا: جدا کرنا، قَطَّعَ (تفعیل) ٹکڑے ٹکڑے کرنا، العالمین: عالم کی جمع ہے بمعنی دنیا، یقف: وقف (ض) وقوفًا: ٹھہرنا، رکنا۔

ترجمہ: حضرت ابن جریج، ابن ابی ملیکہ سے وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علاحدہ علاحدہ قراءت کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" پڑھ کر ٹھہرتے، پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر ٹھہرتے۔ ترمذی شریف نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے، کیونکہ لیث نے اس کو روایت کیا ہے ابن ابی ملیکہ سے، اور انہوں نے یعلیٰ بن مملک سے اور وہ روایت کرتے ہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت لیث کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: یقطع قرأته: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آیتوں کے اختتام پر وقف فرماتے تھے۔

یقول اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ثم یقف: یعنی الْعَالَمِیْنَ پر چونکہ ایک آیت مکمل ہو جاتی ہے اس لئے یہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقف کیا کرتے تھے۔

ثم یقول اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ثم یقف: یعنی الْعَالَمِیْنَ پر وقف کے بعد اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر وقف کرتے تھے۔ چونکہ یہ دوسری آیت ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا مستحب ہے۔ تاکہ ہر آیت الگ الگ طور پر واضح ہونے کے ساتھ ساتھ استحباب پر عمل ہو جائے۔

اس پر بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وقف تام تو مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ پر ہے۔ اس لئے اس سے پہلے وقف کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور اس روایت میں جو وقف ثابت ہے اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ روایت مضبوط نہیں ہے۔ حضرات جمہور کی طرف سے اس کا یہ جواب

دیا گیا ہے کہ وقف کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)......حسن۔

(۲)......کافی۔

(۳)......تام۔

جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ وقف کے لئے تام ہونا ہی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ حسن اور کافی بھی کافی ہے۔ ٹھیک ہے **العالمین** پر وقف تام نہیں ہے، لیکن حسن یا کافی ضرور ہے۔ یہی حال سورۂ فاتحہ کی دوسری آیتوں کا ہے۔ اس لئے سورۂ فاتحہ کی آیت پر وقف کرنا مستحب ہے۔ اور یہ بات حضرات قراءِ کرام کے نزدیک محبوب نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۱۱/ ۵)

ہر آیت پر وقف کرنے کی وجہ

ہر آیت پر وقف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ ایک دعاء ہے اور اس کی ہر آیت سائل کی زبان سے نکلی ہوئی ایک صدا ہے اور اس کے پڑھنے کا قدرتی طریقہ سوال کا انداز ہے۔ جب کوئی سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور اس کی مدح وثنا کر کے مطلب عرض کرتا ہے تو وہ ایسا بالکل نہیں کرتا کہ ایک مقرر کی طرح مسلسل تقریر کرنا شروع کر دے اور ایک سانس میں سب کچھ کہہ ڈالے بلکہ طلب ونیاز کے لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک بات کہتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے: آپ! فیاض ہیں۔ آپ! کریم ہیں۔ آپ! کی سخاوت کی دھوم ہے۔ اگر آپ! سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں؟ سائل ان میں سے ہر بول ٹھہر ٹھہر کر کہتا ہے۔ یہ جملے بے شک مطلب کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، مگر بات ایک جملے میں پوری نہیں ہو جاتی اور طرز کا ادا شناس جانتا ہے کہ زور کلام اور حسن تخاطب کے لئے کہاں وقفہ کرنا چاہئے اور کہاں نہیں کرنا چاہئے۔ (تحفۃ الالمعی: ۵/ ۳۵ /۷)

﴿الفصل الثالث﴾

قرآن محض خوش آوازی کا نام نہیں

{۲۱۰۲} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَفِیْنَا الْأَعْرَابِیُّ وَالْعَجْمِیُّ فَقَالَ اقْرَأُوْ فَکُلٌّ حَسَنٌ وَسَیَجِیْءُ أَقْوَامٌ یُقِیْمُوْنَہٗ کَمَا یُقَامُ الْقِدْحُ یَتَعَجَّلُوْنَہٗ وَلَا یَتَأَجَّلُوْنَہٗ۔ ﴿رَوَاہُ أَبُوْدَاؤُدَ وَالْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ﴾

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۱۲۱، کتاب استفتاح الصلوۃ، باب مایجزئ الأمی و لا عجمی من القرأۃ، حدیث نمبر: ۸۳۰۔ شعب الایمان للبیہقی: ۲/۵۳۸، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی ترک التعمق فیہ، حدیث نمبر: ۲۶۴۲۔

حل لغات: الاعرابی: عرب کا دیہاتی، جمع أَعْرَاب۔ الاعجمی: غیر عربی لوگ، جمع أَعَاجِم۔ یقیمونہٗ: (افعال) سیدھا کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ ہم لوگ قرآن کریم پڑھ رہے تھے اور ہم میں دیہاتی اور عجمی بھی تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پڑھو تم میں سے ہر ایک اچھا پڑھتا ہے۔ عنقریب ایسے لوگ پیدا ہونے والے ہیں جو قرآن کریم کو اس طرح سیدھا کریں گے جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ اس کا بدلہ جلدی حاصل کرنا چاہیں گے آخرت کے لئے کچھ نہ چھوڑیں گے۔

تشریح: نحن نقرأ القرآن: یہ الفاظ اس بات پر شاہد ہیں کہ تمام شرکائے مجلس ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔ اس لئے درجۂ حفظ کی قرأت اور چند لوگوں کا ایک ساتھ بیٹھ کر قرآن کریم پڑھنے پر

کوئی اعتراض نہ کیا جائے۔

وفینا الاعرابی والعجمی: یعنی اس مجلس میں حضرات قرائے کرام کے ساتھ ساتھ عرب کے دیہاتی اور غیر عرب یعنی فارس، روم اور حبش کے بھی لوگ تھے۔ جیسے سلمان فارسی، صہیب رومی اور بلال حبشی رضی اللہ عنہم۔

فقال اقرأوا فکل حسن: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب کو ساتھ ساتھ پڑھنے کے لئے کہا: جیسے کہ درجہ حفظ کے طلبہ پڑھتے ہیں۔ نیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: کہ تم میں سے ہر ایک بہت اچھا پڑھتا ہے۔

وسیجیء اقوام یقیمونہ کما یقام القدح: یعنی یہ تم لوگوں کا تجوید کے مطابق سادگی کے ساتھ قرآن کریم پڑھنا بہت اچھا ہے لیکن بعض لوگ بعد میں آنے والے ہیں وہ لوگ قرآن کریم پڑھنے میں بہت زیادہ تکلف سے کام لیں گے۔ جیسے تیر چلانے یا بنانے والے لوگ تیروں کو سیدھا کرنے میں تکلف سے کام لیا کرتے ہیں۔

یتعجلونہ ولا یتأجلونہ: یعنی وہ لوگ یہ سارے تکلفات اس لئے کریں گے تاکہ دنیا کے لوگ انہیں اچھا کہیں اور متأثر ہو کر دھن دولت سے خوب خوب نوازیں۔ جس کی وجہ سے آخرت میں ان لوگوں کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ (التعلیق: ۳۴/۳، مرقاۃ: ۶۱۷/۲)

قرآن کریم عربی لہجہ میں پڑھیں

{۲۱۰۳} وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ أَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَسَيَجِيْئُ بَعْدِيْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْآنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ، وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَأْنُهُمْ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ

شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَرَزِیْنٌ فِیْ کِتَابِہٖ۔

حوالہ: شعب الایمان للبیھقی: ۲/ ۵۴۰، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی ترک التعمق فیہ، حدیث نمبر: ۲۶۴۹۔ ولم یوجد رزین۔

حل لغات: لُحُوْن: جمع ہے لحن کی بمعنی سر، اصوات: جمع ہے صوت کی بمعنی آواز، العشق: عَشِقَ (س) عِشْقًا: بہت محبت کرنا، محبت میں حد سے بڑھ جانا، یرجعون: رَجَعَ (ض) رَجْعًا: واپس آنا، رَجَّعَ: (تفعیل) الصوت: حلق میں آواز گھلانا، النوح: ناح (ن) نَوْحًا: مردہ پر واویلا مچانا، حناجر: جمع ہے حنجرۃ کی بمعنی نرخرہ۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم قرآن کریم عربی سُر اور طرز میں پڑھو عشاق کے سُر اور اہل کتاب کے طرز سے بچو، عنقریب میرے بعد کچھ لوگ آئیں گے جو نوحے اور گانے کی طرح آواز بنا کر قرآن کریم پڑھیں گے، لیکن قرآن کریم ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، نیز ان کے دل اور ان کی قراءت سن کو خوش ہونے والوں کے دل فتنے میں مبتلا ہوں گے۔''

تشریح: اقرأوا القرآن بلحون العرب واصواتھا: یعنی قرآن کریم کو تجوید کے مطابق عربی لہجے میں پڑھے۔ انداز سادہ اختیار کرے۔ اس کے پڑھنے میں زیادہ تکلف سے کام نہ لے۔

وایاکم ولحون اھل العشق: یعنی قرآن کریم پڑھنے میں فساق اور فجار کے طرز کو اختیار نہ کرے۔

ولحون أھل الکتاب: یعنی قرآن کریم کی تلاوت میں یہود و نصاریٰ کے طرز کو نہ اپنائے۔ اس لئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''من تشبہ بقوم فھو منھم''

وسیجیء بعدی قوم الخ: یعنی بعد میں ایک قوم آنے والی ہے اس کے افراد قرآن کریم پڑھنے میں نوحہ کرنے والے اور گانا گانے والے کی طرح پرتکلف انداز میں قرآن کریم پڑھیں گے۔لیکن قرآن کریم ان کے حلق سے نیچے نہیں اتریگا۔یہ کنایہ عدم قبولیت سے ہے۔

مفتونۃ قلوبھم و قلوب الذین یعجبھم شانھم: یعنی پرتکلف انداز میں قرآن کریم پڑھنے والے اور اس انداز سے قرآن کریم پڑھنے سے خوش ہونے والوں کے قلوب فتنے میں مبتلا ہوں گے۔(التعلیق:۳۴/۳،مرقاۃ:۶۱۸/۲)

تلاوت قرآن میں حسن صوت کی اہمیت

{۲۱۰۴} وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا۔ ﴿رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ﴾

حوالہ: دارمی:۵۶۵/۲، کتاب فضائل القرآن، باب التغنی بالقرآن، حدیث نمبر:۳۵۰۱۔

حل لغات: اصوات: جمع ہے صوت کی بمعنی آواز،یزید: زَادَ (ض) زیادہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن کریم کو اپنی آواز سے زینت بخشو،اس لئے کہ اچھی آواز سے قرآن کریم کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔

تشریح: قرآن کریم اچھے سے اچھے انداز میں پڑھے۔

حسنوا القرآن بأصواتکم: یعنی اچھے سے اچھے انداز میں قرآن کریم پڑھ کر قرآن کریم کو زینت بخشے۔باقی تشریح پیچھے گذر چکی۔

015 BABun

حسن قراءت کا معیار

{۲۱۰۵} وَعَنْ طَاؤُسٍ مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ أَحْسَنُ صَوْتًا لِلْقُرْاٰنِ وَأَحْسَنُ قِرَآءَةً قَالَ مَنْ اِذَا سَمِعْتَهٗ يَقْرَأُ أُرِيْتَ اَنَّهٗ يَخْشَى اللّٰهَ قَالَ طَاؤُسٌ وَكَانَ طَلْقٌ كَذٰلِكَ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ۔

حوالہ: دارمی: ۲/۵۶۳، کتاب فضائل القرآن، باب التغنی بالقرآن، حدیث نمبر: ۳۴۸۹۔

حل لغات: الناس: جمع ہے انسان کی بمعنی آدمی، صوتاً: آواز جمع اصوات۔ یخشی: خَشِیَ (س) خَشِیَۃٌ: ڈرنا۔

ترجمہ: حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قرآن کے سلسلے میں کون شخص قراءت اور آواز میں اچھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ شخص اچھا ہے جس کو تم پڑھتے ہوئے دیکھو تو گمان ہو کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ طلق ایسے ہی تھے۔

تشریح: قال من اذا سمعتہ یقرأ الخ: یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سائل کے منشاء کے مطابق آواز اور طرز ادا پر دھیان نہ دے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑا قاری وہ ہے جو قرآن کریم پڑھتے ہوئے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔ یعنی خشیت الٰہی اور خوف الٰہی کے اثرات اس کے چہرے اور اعضاء وجوارح اور آواز سے جھلک رہے ہوں، اور اس کے پڑھنے سے تمہارے دل پر اثر ہو رہا ہو۔

قرآن کے بارے میں چند احکام

{۲۱۰۶} وَعَنْ عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

وَكَانَتْ لَهٗ صُحْبَةٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَآأَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوْا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ اٰنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَافِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تُعَجِّلُوْا ثَوَابَهٗ فَإِنَّ لَهٗ ثَوَابًا۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حوالہ: شعب الایمان للبیہقی: ۲/ ۳۵۰، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی ادمان تلاوتہ، حدیث نمبر: ۲۰۰۷۔

حل لغات: تتوسدو: توسّد (تفعل) الشی: کسی چیز کو تکیہ کی طرح رکھ کر سونا۔ افشوہ: أَفْشَا (افعال) پھیلانا، تدبروا: تدَبَّرَ (تفعل) غور وفکر کرنا۔

ترجمہ: حضرت عبیدہ الملیکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے راوی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے قرآن والو! قرآن کریم پر تکیہ مت لگاؤ۔ رات دن کما حقہ اس کی تلاوت کرو، اس کو پھیلاؤ، خوش آوازی سے پڑھو اور جو کچھ اس میں ہے اس پر غور وفکر کرو تا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ اور اس کا ثواب حاصل کرنے میں جلدی نہ کرو، اس لئے کہ یقینی طور پر اس کا ثواب ملے گا۔“

تشریح: و کانت لہ صحبۃ: یہ جملہ معترضہ ہے۔ یہ حضرت امام بیہقی کی طرف سے اضافہ ہے۔

یا اھل القرآن: یوں تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآن کریم کی قدر ومنزلت باقی رکھے، لیکن اہل قرآن کریم کی تخصیص اس لئے ہے کہ قرآن کریم کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں یہ لوگ خصوصی ذمہ دار ہیں۔

لاتتوسدوا القرآن: یعنی ایسا نہ کرے کہ قرآن کریم کو بطور تکیہ کے استعمال کرنے لگے۔ اس پر سہارا دینا، بیٹھنا، لیٹنا، اس کی طرف پاؤں پھیلانا، اس پر کوئی چیز رکھنا، اس کی طرف پیٹھ کرنا، سب حرام ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنے اور اس کے حقوق کی

ادائیگی سے غفلت نہ برتو۔

واتلوہ حق تلاوتہ: یعنی ترتیل وتجوید کے ساتھ ساتھ آدابِ تلاوت کو ملحوظ رکھ کر تلاوت کرے۔

من آناء اللیل والنھار: صبح شام جب بھی موقع ملے تلاوت کرے۔ مراد یہ ہے کہ کثرت تلاوت اور قرآن پڑھنے کا اہتمام کرے۔

وافشوہ: یعنی بلند آواز سے پڑھ کر، پڑھا کر عمل کے ذریعے سے یا طباعت کر کے قرآن کریم کو عام کرے۔

وتغنوہ: یعنی اچھے سے اچھے انداز میں قرآن کریم پڑھے۔

وتدبروما فیہ: یعنی جو قرآن کریم میں علوم ومعارف ہیں ان میں غور وفکر کرے۔

ولا تعجلوا ثوابہ فان لہ ثوابا: جیسا کہ دستور ہے کہ جس چیز کے ملنے پر آدمی کو یقین ہوتا ہے اس کے حصول میں جلدی نہیں مچایا کرتا ہے۔ ایسے ہی چونکہ یقینی طور پر قرآن کریم کے حقوق ادا کرنے کے سلسلے میں بدلہ ملنا ہی ہے۔ اس لئے جلد بازی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ یعنی دنیا میں اجر طلب نہ کرے بلکہ آخرت کے اجر وثواب پر نظر رکھے۔
(التعلیق: ۳/۳۵، مرقاۃ: ۲/۶۱۸، طیبی: ۴/۳۴۶)

016 BabuN

رقم الحدیث: ۲۱۰۷/تا ۲۱۱۸/

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيمِ ○

مشکوٰۃ شریف کے اکثر نسخوں میں یہاں صرف باب لکھ کر عنوان قائم کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ باب متعلقات قرآن کے بیان میں ہے، مگر بعض نسخوں میں اس موقع پر یہ عنوان لکھا ہوا ہے: ''باب اختلاف القرآن و جمع القرآن'' یعنی اختلافات قرأت ولغات اور قرآن جمع کرنے سے مراد کتابت قرآن یعنی اس کا مصحف میں لکھا جانا۔ (مظاہر حق جدید: ۶۷/ ۳)

﴿الفصل الاول﴾

اختلاف قرأت

{۲۱۰۷} وَعَنۡ عُمَرَ بۡنِ الۡخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنۡهُ قَالَ سَمِعۡتُ هِشَامَ بۡنَ حَكِيۡمِ بۡنِ حِزَامٍ يَقۡرَأُ سُوۡرَةَ الۡفُرۡقَانِ عَلٰى غَيۡرِ مَا اَقۡرَأُهَا وَكَانَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اَقۡرَأَنِيۡهَا فَكِدۡتُ أَنۡ أَعۡجَلَ عَلَيۡهِ ثُمَّ أَمۡهَلۡتُهٗ حَتّٰى انۡصَرَفَ ثُمَّ لَبَّبۡتُهٗ بِرِدَائِهٖ فَجِئۡتُ بِهٖ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَقُلۡتُ يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ! اِنِّيۡ

سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَأْتَنِيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسِلْهُ اِقْرَأْ فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِيْ اِقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ ﴿مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۴۷، باب انزل القرآن علی سبعة احرف، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۰۱۔ مسلم شریف: ۱/ ۲۷۲، کتاب فضائل القرآن، باب بیان القرآن انزل علی سبعة احرف، حدیث نمبر: ۱۱۸۔

حل لغات: الفرقان: فَرَقَ (ن) فُرْقًا و فُرْقَانًا: جدا کرنا، فکدت: افعال مقاربہ میں سے ہے۔ امهلته: مَهَلَ (ف) مَهْلًا: اطمینان سے کام کرنا۔ أَمْهَلَ (افعال) مہلت دینا، لببته: لَبَّ (ض، س) لَبًّا وَ لَبَابَةً: عقل مند ہونا، لَبَّبَ (تفعیل) گریبان پکڑ کر کھینچنا۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سورۂ بقرہ اس طریقے کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا جس طریقے کے مطابق میں پڑھتا ہوں، جو طریقہ مجھے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا ہے، قریب تھا کہ میں ان پر جھپٹ پڑوں لیکن پھر میں نے ان کو مہلت دی، یہاں تک کہ وہ فارغ ہو گئے، پھر میں نے ان کا گریبان پکڑ کر ان کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لا کر کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ان کو سورۂ فرقان اس طریقے کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا ہے جو طریقہ آپ نے مجھے سکھلایا ہے۔ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ان کو چھوڑ دو فرمایا پڑھو۔ تو انہوں نے اس کے مطابق پڑھا جو میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ تو جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے ہی نازل ہوا ہے۔ پھر مجھ سے کہا تم پڑھو۔ میں نے پڑھا۔ تو جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایسا ہی نازل ہوا ہے۔ بے شک یہ قرآن سات طریقے پر نازل ہوا ہے۔ ان میں سے جو

016 BabuN

طریقہ آسان ہو اس کے مطابق پڑھو۔

تشریح: ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف: یعنی یہ قرآن کریم ان ہی دو طریقوں کے مطابق نازل نہیں ہوا ہے۔ بلکہ قرآن کریم سات طریقوں پر نازل ہوا ہے۔ ان طریقوں میں سے جو طریقہ جس کے لئے آسان ہو اس طریقے کے مطابق پڑھے۔

یہ حدیث شریف متفق علیہ بلکہ جملہ صحاح ستہ میں موجود ہے۔ الا ابن ماجۃ (منذری)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث بالاتفاق متواتر ہے۔ تواتر امعنویا، اور بعض محدثین کہتے ہیں لفظاً بھی متواتر ہے اس لئے کہ یہ حدیث بایں الفاظ اکیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ لیکن حاکم کی ایک روایت میں بجائے "علی سبعۃ احرف" کے "علی ثلاثۃ احرف" ہے۔ اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ شروع میں تین کی اجازت دی گئی تھی۔ بعد میں سات تک کی اجازت دیدی گئی۔ اور انزال سے مراد حدیث شریف میں اجازت من الرسول ہی ہے۔ اس لئے کہ نزول تو قرآن کا لغت قریش پر ہوا تھا بعد میں اجازت کے ذریعے سے اس میں توسیع کی گئی۔

سبعۃ احرف کے معنی کی تحقیق

اس حدیث شریف میں بہت سی ابحاث ہیں۔ اوجز المسالک (ص: ۳۵۴/ ۲) میں حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے دس ذکر فرمائی ہیں۔ سب سے نازک اور اہم بحث اس میں تحقیق معنی کی ہے کہ سبعۃ احرف سے مراد کیا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں اکتالیس قول ہیں۔ جن میں سے اکثر مرجوح ہیں۔ زیادہ مشہور اور صحیح ان میں سے چار پانچ معنی ہیں۔

اول: ...... مشکل لایدری معناہ: کہ متشابہات میں سے ہے اس کے معنی مرادی معلوم نہیں ہیں۔ اس لئے کہ حرف تعدد معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ حرف ہجا (الف، با، تا وغیرہ) کلمہ، معنی، جہت، یہ پہلا قول ابن سعدان نحوی سے منقول ہے۔

016 BabuN

ثانی: ......تأدية المعنى باللفظ المترادف: یعنی سبع طرق وتعدد باعتبار الفاظ مترادفہ کے ہے ۔مثلا ''قل یا ایھا الکافرون، قل للذین کفرو، قل لمن کفر'' علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک شخص کو سورۂ دخان پڑھا رہے تھے جب اس میں یہ لفظ آیا ''ان شجرة الزقوم طعام الاثیم'' اس کی زبان سے ادا نہیں ہو رہا تھا وہ کہتا تھا ''طعام الیتیم'' اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اتستطیع ان تقول طعام الفاجر قال نعم قال فافعل'' یعنی تو ''طعام الفاجر'' ہی پڑھ لے ۔حافظ ابن عبد البر نے اس قول کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے ۔لیکن واضح رہے کہ اس معنی کے لئے ایک بڑا مضبوط بریگ ہے ۔وہ یہ جیسا کہ حافظ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے ''لکن الاباحة المذکورة لم یقع بالتشھی بل ذلک مقصور علی السماع من الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' یعنی یہ تعبیر باللفظ المترادف اپنے اختیار سے نہیں ہے کہ جہاں جی چاہے ایک لفظ کو دوسرے لفظ مترادف سے بدل دے بلکہ یہ موقوف ہے سماع پر یعنی اس لفظ مرادف کا حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہونا ضروری ہے ۔

ثالث: ...... سبعة احرف سے مراد سبع لغات ہے ۔دراصل عربی زبان بہت وسیع ہے، وہاں ہر قبیلے کی زبان ولغت الگ ہے ۔قبیلوں میں شاعر بھی الگ الگ ہیں جیسا کہ تم نے نحو کی کتابوں میں پڑھا ہوگا۔ ''علی لغة ھذیل۔علی لغة بنی طے۔علی لغة بنی تمیم وغیرہ۔'' اور یہ اختلاف لغات کبھی تو الفاظ مستعملہ کے لحاظ سے ہوتا ہے کہ ایک لفظ ہے اس کو ایک قبیلہ والے استعمال کرتے ہیں اور دوسرے نہیں کرتے اور کبھی یہ اختلاف اعراب کے اعتبار سے ہوتا ہے ۔اول کی مثال جیسے: تَابُوْت اور تابوہ ۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن پاک کے لئے جن حضرات کو منتخب فرمایا تھا ان میں تین قرشی تھے ۔سعید بن العاص، عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام ۔عبد اللہ بن الزبیر ۔اور ایک غیر قرشی زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر تمہارا آپس میں کسی قرأة

یالفظ میں اختلاف ہوجائے تو لغت قریش کو لے لینا۔اس لئے کہ نزول قرآن لغت قریش پر ہوا ہے۔چنانچہ ان حضرات کا اختلاف ہوا لفظ تابوت میں قرشی حضرات کہتے تھے کہ یہ لفظ تابوت ہے اور حضرت زید فرماتے تھے کہ تابوہ ہے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا گیا۔انہوں نے فرمایا: تابوت لکھو لغتِ قریش یہی ہے۔ (ترمذی شریف:۲/۱۳۸)

اور ثانی کی مثال جیسے "ان هذان لساحران" اس میں دو قرأتیں ہیں۔"ان هذين" (جو قواعد مشہورہ کے موافق ہے۔) اور "ان هذان" بعض قبائل میں تثنیہ تینوں حالات میں الف ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔اور اعراب تثنیہ کا تقدیری ہوتا ہے۔اس تیسرے معنیٰ پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ لغات عرب تو سات سے بہت زائد ہیں۔"واجيب عنه بان المراد افصحها"۔پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ سب لغات قبیلۂ قریش ہی کے بطون سے ہیں یا اس سے عام؟ "قيل كلها من بطون قريش۔" اور کہا گیا ہے کہ یہ سات لغات قبیلۂ مضر کی ہیں اور انہی کے منجملہ قریش بھی ہیں اور قبیلہ مضر کی وہ سات شاخیں یہ ہیں۔(۱) ہذیل۔(۲) کنانہ۔(۳) قیس۔(۴) ضبہ۔(۵) تیم الرباب۔(۶) اسد بن خزیمہ۔(۷) قریش۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ ہر کلمۂ قرآن سات طرح پڑھا جاتا ہے۔اس لئے کہ کہا گیا ہے قرآن میں کوئی کلمہ ایسا ہے ہی نہیں جو سات طرح پڑھا جاتا ہو۔"الا الشئ القليل مثل عبد الطاغوت" بلکہ یہ سات لغات پورے قرآن میں پھیلے ہوئے ہیں۔"فبعضه بلغة قريش وبعضه بلغة هذيل وبعضه بلغة هوازن وبعضه بلغة يمن۔"

رابع:......سبعۃ احرف سے قرأت سبعہ مشہورہ متواترہ مراد ہیں۔لیکن مکی بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان مشہور قرّاء کی قرأتیں جیسے نافع، عاصم وغیرہ یہی احرف سبعہ کا مصداق ہیں بالکل غلط ہے۔بلکہ قرأت سبعہ تو ان احرف سبعہ ہی میں کا ایک جز ہے۔ورنہ لازم آئے گا کہ ان قرأت سبعہ کے علاوہ جو قرأت دوسرے ائمہ سے منقول ہیں وہ قرآن نہ ہوں اور یہ قطعاً غلط

ہے اس لئے کہ جن ائمہ متقدمین نے قرأت میں تصنیفات لکھی ہیں جیسے ابوعبید قاسم بن سلام، ابوحاتم سجستانی، ابوجعفر طبری۔ان حضرات نے ان قرأت سبعہ کے علاوہ بھی اور بہت سی قرأت ان سے دوگنی چوگنی لکھی ہیں۔(پھر ان قرأت کو آپ کیا کہیں گے ان سب کا انکار لازم آئے گا۔) الدرالمنضود:۶۱۵ تا ۶۱۷/ ۲۔

اگرچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس شخص کو جاہل بتایا ہے جو یہ کہے کہ اس سے قرأت سبعہ مراد ہیں۔لیکن میرے(شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے) نزدیک اس قول کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرأت سبعہ سب کی سب محفوظ و مضبوط ہیں۔منقول و مروج ہیں۔جیسا کہ خود قرآن کہتا ہے:"انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" [حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔](آسان ترجمہ) اور اگر احرف سبعہ سے دوسرے معانی مراد لئے جائیں تو وہ سب قرأت محفوظ کہاں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جس پر انزال ہوا ہے وہ تو محفوظ ہے۔یعنی لغت قریش اور اسی کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

ہمارے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تقریر بخاری میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک راجح یہی ہے کہ اس سے قرأت سبعہ مراد ہیں۔

علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث شریف کو اسی معنی پر محمول کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تیس سال تک تمام قرأتوں کے اختلافات میں تدبر کرنے کے بعد یہ مطلب میرے ذہن میں آیا ہے کہ سبعۃ احرف سے سات طرح کا تغیر لفظی مراد ہے پھر انہوں نے ان تغیرات سبعہ کی تفصیل وتشریح فرمائی ہے جو حسب ذیل ہے۔

(۱)......حرکات میں تغیر ہو لیکن لفظ کی صورت اور معنی میں بالکل تغیر نہ ہو جیسے: بالبُخل اور بالبَخَل۔ القُدُس اور القُدْس۔یَحْسَبُ اور یَحْسِبُ۔

016 BabuN

(۲)......اعراب اور معنی میں تغیر ہو جائے لیکن صورت میں تغیر نہ ہو جیسے: قرأۃ متواترہ میں ''فتلقی آدم من ربہ کلمٰتٍ اور آدم من ربہ کلمٰتٌ۔''

(۳)...... حروف اور صورت میں تغیر ہو جائے لیکن معنی میں نہ ہو۔ جیسے: الصراط۔ السراط۔ بصطۃ۔ بسطۃ۔

(۴)......حروف اور معنی میں تغیر ہو جائے لیکن صورت میں نہ ہو۔ جیسے: تتلوا اور تبلوا۔ نُنْجِیْکَ اور نُنَحِّیْکَ۔

(۵)......حروف اور معنی اور صورت تینوں میں تغیر ہو جائے۔ جیسے: اشد منکم اور اشد منھم۔ ولا یأتِل اور ولا یتألّ۔ فاسعوا اور فَامْضُوْا۔

(۶)......تقدیم و تاخیر کا تغیر۔ جیسے: فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ اور فَیُقْتَلُوْنَ وَیَقْتُلُوْنَ۔

(۷)......حروف کی کمی اور زیادتی کا تغیر جیسے: واوصیٰ ووصی۔ والذکر والانثی۔ وما خلق الذکر والانثی۔

یہ ہے وہ سات طرح کا تغیر۔ اور رہے اصولی اختلافات جیسے اظہار اور روم اشمام اور ادغام تفخیم اور ترقیق مد اور قصر امالہ اور فتحہ تحقیق و تسہیل اور ابدال و نقل۔ سو ان میں لفظ اور معنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ صرف کیفیت میں تبدیلی ہوتی ہے۔ پس یا تو یہ تغیر ہی نہیں اگر ہے تو قسم اوّل میں داخل ہے۔

(ماخوذ از عنایات رحمانی: ۳۰۔ شرح شاطبیہ مصنفہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

لیکن حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ کی تقریر بخاری لامع الدراری: ۲۵۳/۳، میں لکھا ہے کہ اقرب یہ ہے اولاً قرآن کریم لغت قریش پر نازل ہوا پھر بعد میں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زیادتی طلب کی گئی اس پر اضافہ ہو گیا اور ایک سے زائد لغت پر پڑھنے کی

اجازت دیدی گئی۔اس اضافہ واجازت ہی کو مجازاً ''انزل'' سے تعبیر کردیا گیا۔اور اس سے قرأت سبعہ مراد نہیں بلکہ یہ قرأت تو لغت واحدہ ہیں اور ایک ہی لغت کے الفاظ مختلفہ میں کیا تیسیر ہوسکتی ہے؟ جب کہ مقصود اس سے تیسیر ہے۔

خامس: ...... یہاں ایک رائے ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ کی ہے وہ یہ کہ یہاں سبعۃ سے مراد تحدید نہیں ہے۔بلکہ تکثیر ہے۔(مشہور ہے کہ اکائیوں میں سات کا عدد اور دہائیوں میں ستر (۷۰) کا عدد بسا اوقات تکثیر کے لئے ہوتا ہے) اور یہ سبعۃ احرف جملہ معانی مذکورہ سابقہ کو شامل ہے۔یعنی یہ تعدد وجوہ اختلاف عام ہے خواہ لغات مختلفہ کے لحاظ سے ہو، خواہ قراۃ کی قرأت مختلفہ کے قبیل سے۔(جو کبھی مخارج حروف کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی مد وترخیم وترقیق وغیرہ صفات کے لحاظ سے) اور چاہے الفاظ مترادفہ کے لحاظ سے ہو غرض کہ یہ تمام صورتیں وشکلیں ''سبعۃ احرف'' کے مصداق میں داخل ہیں۔

ان قلت سمیعا علیما عزیزا حکیما یعنی اگر تم سمیعا علیما کے بجائے عزیزا حکیما پڑھ دو تو کچھ حرج نہیں۔

مسند احمد کی روایت میں ہے ''فان اللہ کذلک'' اللہ تعالیٰ ایسے ہی ہیں۔یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں۔ایک کی جگہ اگر دوسری آجائے تو کیا حرج ہے۔

مالم تختم آیۃ رحمۃ بعذاب او آیۃ عذاب برحمۃ۔یعنی مثلاً اگر رحمت کی آیت چل رہی ہو اور تم اس کو ''شدید العقاب'' پر لاکر ختم کردو، یا اگر عذاب کی آیت چل رہی ہو اور تم اس کو ''غفور رحیم'' پر لاکر ختم کردو تو یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اس سے تو نظم قرآن میں بھی خلل واقع ہوتا ہے اور معنی میں بھی تغیر پیدا ہوتا ہے۔منہل میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ گنجائش شروع میں تھی لیکن جب مصحف عثمانی میں موجودہ ترتیب قرآن پر اجماع ہوگیا تو پھر اب کسی کے لئے جائز نہ ہوگا کہ سمیع علیم کی جگہ عزیز حکیم قصداً کہے۔ہاں اگر بلا قصد تغییر زبان سے اس طرح صادر ہوجائے تو پھر کچھ حرج نہیں۔لم تبطل صلوتہ۔

اشکال مع جواب

اس پر ایک اشکال ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو کوشش فرما کر مختلف لغات میں تلاوت کی اجازت حاصل فرمائی تھی۔ امت پر تیسیر کے لئے۔ تو جب یہ تیسیر منصوص من الشارع ہوگئی تو پھر بعد والوں کو اس کے خلاف پر اجماع کرنا کیسے درست ہوگیا۔

جواب اس کا یہ ہوسکتا ہے کہ بے شک آپ کے زمانہ میں تو اس توسیع سے تیسیر حاصل ہوئی لیکن بعد میں اس توسیع نے جب عمومی اختلاف ونزاع کی شکل اختیار کرلی جو خلاف مقصود تھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مشورے سے باتفاق رائے ایک لغت پر استقرار ہوا جو کہ رافع نزاع ہو کر تسکین وتیسیر کا باعث ہوا۔ "وکان هذا الاستقرار والاجماع بالهام من الله تعالیٰ والقائه فکان خیرا محضاً" والله سبحانه تعالیٰ اعلم۔ (الدر المنضود: ۶۱۷/۲، التعلیق: ۳۶/۳، طیبی: ۳۴۸/۴)

ہر قراءت صحیح ہے

{۲۱۰۸} وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلاً قَرَأَ وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ خِلَافَهَا فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَ كِلَا كُمَا مُحْسِنٌ فَلَا تَخْتَلِفُوْا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا۔ ﴿رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ﴾

حوالہ: بخاری شریف: ۳۲۵/۱، باب مایذکر فی الاشخاص والخصومة بین المسلم، کتاب الخصومات، حدیث نمبر: ۲۳۴۷۔

016 BabuN

حل لغات: خِلَاف: ناموافقت، خَلَّفَ (تفعیل) ناموافقت کرنا، فھلکوا: هَلَکَ (ض، ف، س) هَلَاکًا: فنا ہونا، نیست و نابود ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک آدمی کو قرآن کریم پڑھتے ہوئے سنا، حالانکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے الگ پڑھتے ہوئے سنا تھا، میں نے اس شخص کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر بتایا، اتنے میں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار محسوس کئے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں صحیح پڑھتے ہو، اس لئے اختلاف نہ کرو، اس لئے کہ تم سے پہلے لوگ تھے وہ اختلاف کرکے ہلاک ہو گئے۔

تشریح: قرآن کریم کی جو مختلف قرأتیں مروی ہیں وہ سب صحیح اور درست ہیں۔ ان میں کسی کو جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

تجوید و قراءت کے سات طرق

{۲۱۰۹} **وَعَنْ** أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّي فَقَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلٰوةَ دَخَلْنَا جَمِيْعًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّ هٰذَا قَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ سِوَى قِرَاْءَةِ صَاحِبِهٖ فَأَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ فَحَسَّنَ شَأْنَهُمَا فَسُقِطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاقَدْ غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللّٰهِ فَرَقًا فَقَالَ لِيْ يَا أُبَيُّ أُرْسِلَ إِلَيَّ أَنِ اقْرَأِ الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ

016 BabuN

هَوِّنْ عَلٰی أُمَّتِیْ فَرُدَّ اِلَیَّ الثَّانِیَةَ اِقْرَءْهُ عَلٰی حَرْفَیْنِ، فَرَدَدْتُ اِلَیْهِ اَنْ هَوِّنْ عَلٰی اُمَّتِیْ فَرُدَّ اِلَیَّ الثَّالِثَةَ اِقْرَأْهُ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ وَلَکَ بِکُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُکَهَا مَسْأَلَةٌ تَسْأَلُنِیْهَا فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِیْ وَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِیَوْمٍ یَرْغَبُ اِلَیَّ الْخَلْقُ کُلُّهُمْ حَتّٰی اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۲۷۳/ ۲، کتاب فضائل القرآن، باب بیان القرآن انزل علی سبعۃ احرف، حدیث نمبر: ۸۲۰۔

حل لغات: المسجد: سجدہ گاہ، جمع مساجد: سَجَدَ (ن) سُجُوْدًا: سجدہ کرنا، عبادت کے لئے زمین پر پیشانی رکھنا، قضینا: قَضیٰ (ض) قَضاءً: پورا کرنا، ادا کرنا، غشینی: غَشِیَ (س) غَشْیًا: ڈھانکنا، علیہ بے ہوشی طاری ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں تھا اتنے میں ایک آدمی نے مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھی اور ایسی قراءت کی جو مجھے ناپسند لگی، پھر دوسرے آدمی نے داخل ہو کر اس آدمی سے الگ قراءت کی، جب ہم نے نماز پڑھ لی تو سب نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو میں نے کہا اس آدمی نے ایسی قراءت کی جو مجھے ناپسند لگی اور دوسرے آدمی نے داخل ہو کر اپنے ساتھی سے الگ قراءت کی، تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو پڑھنے کے لئے فرمایا، چنانچہ ان دونوں نے پڑھا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قراءت کی تحسین فرمائی، تو میرے دل میں تکذیب کا ایسا وسوسہ پیدا ہوا کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی ایسا وسوسہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ کیفیت دیکھی جو مجھ پر طاری تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر مارا تو میں پسینے سے تر بتر ہو گیا اور مارے گھبراہٹ کے (میری یہ حالت ہو گئی) گویا کہ میں اللہ کو دیکھنے لگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے ابی، مجھے پیغام بھیجا گیا کہ قرآن کو ایک لغت پر پڑھو تو میں نے جواب میں کہا: کہ میری امت پر آسانی کی جائے تو میرے

016 BabuN

پاس دوسرا پیغام آیا کہ اس کو دو لغت پر پڑھو، تو پھر میں نے جواب میں کہا: کہ میری امت پر آسانی کی جائے، تو میرے پاس تیسرا پیغام آیا کہ اس کو سات لغت پر پڑھو، اور آپ کے ہر پیغام کے بدلے میں، آپ کی ایک دعا ہے۔ اس لئے مجھ سے وہ دعائیں کیجئے تو میں نے کہا! اے اللہ! میری امت کو بخش دے، اے اللہ! میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لئے رکھ چھوڑی ہے جس دن تمام خلقت میری طرف متوجہ ہوگی حتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔

تشریح: فَحَسَّنَ شَأْنَهُمَا فَسُقِطَ فِي نَفْسِي: جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قراءتوں کی تحسین فرمائی تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں تکذیب کا وسوسہ پیدا ہوگیا۔ ایسا وسوسہ اور شبہ جو ایام جاہلیت میں بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو اس کو کسی خاص طریقے کے مطابق ہی پڑھنا چاہئے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی کلام کو کئی شخص کئی طریقوں سے پڑھیں اور ان سب کا پڑھنا درست بھی ہو۔ جب کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں طریقوں کی توثیق فرمائی تھی تو اس بنیاد پر ان کے دل میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب کا وسوسہ پیدا ہوگیا اور ایام جاہلیت کے شبہ سے بڑھ کر اس لئے تھا کہ ایام جاہلیت میں دل و دماغ ایمان پر یقین سے منور نہیں تھے۔ اس لئے اس حالت میں غفلت اور شک میں واقع ہونے کی وجہ سے بڑے سے بڑا شبہ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اب جب کہ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے دل و دماغ ایمان اور اسلام کی روشنی سے منور ہیں اور یقین ومعرفت کی دولت حاصل ہے تو یہ وسوسہ اور شبہ بھی بہت ہی زیادہ بڑا اور سنگین معلوم ہوا۔

نیز حالت کفر میں چونکہ غفلت تھی۔ اس لئے تمام شکوک وشبہات یقین کے درجے میں نہیں تھے بلکہ شک ہی کے درجے میں تھے۔ بخلاف حالت اسلام کے کیونکہ معرفت حاصل ہونے کے بعد دین کے سلسلے میں جو شبہ ان کے ذہن میں آیا وہ یقین کے درجے میں

016 BabuN

آیا۔اس لئے ایام جاہلیت کی بہ نسبت اس شبہ کو بڑا قرار دیا۔

ضَرَبَ فِيْ صَدْرِي: لیکن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ چونکہ افاضل اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے اور جو کچھ وسوسہ ان کے دل میں آیا تھا اختلاف قرأت کی وجہ سے وہ شیطان کی طرف سے ایک جھونکا تھا۔اس لئے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پر مارا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اطہر کی برکت پہنچی تو اس برکت کی بدولت ان کے سینے سے شک اور شبہ پسینے کے ساتھ نکلا اور وہ علم الیقین اور عین الیقین یعنی مشاہدہ اور حضور کے مقام پر پہنچے۔(طیبی: ۳۵۱/۴)

فسقط فی نفسی من التکذیب الخ: اس عبارت کی مذکورہ بالا تشریح علامہ طیبی اور ابن الملک رحمۃ اللہ علیہما کی تقریر کے مطابق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید میں "سقط" کا لفظ مجہول کے صیغے سے وارد ہے۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے:"ولما سقط فی ایدیهم ورأوا أنهم قد ضلوا" (اعراف: ۱۴۹) اور یہی قرأت متواترہ ہے۔لہٰذا روایت حدیث قرآن مجید کی آیت پر محمول ہوگی تاکہ دونوں میں مطابقت ہو۔(طیبی: ۳۵۱/۴)

قرآن مجید میں لفظ "فی ایدیهم" اور حدیث شریف میں "فی نفسی" اس میں بھی کوئی فرق نہیں دونوں کے معنیٰ ایک ہیں۔البتہ قرآن مجید کی بلاغت اعجازی ہے جس میں "نفس" کی تعبیر "أیدی" سے ہوئی ہے۔

اسی طرح "سقط" سین کے فتحہ کے ساتھ معروف بھی پڑھا گیا ہے۔معروف کی صورت میں اس کے معنیٰ "وقع" اور مجہول کی صورت میں "نَدِمَ تَحَيَّرَ" کے ہوں گے۔اب مجہول کی صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی قرأت کے انکار اور تکذیب کی وجہ سے میں ایسا شرمندہ ہوا کہ کبھی اس طرح نہ میں اسلام میں شرمندہ ہوا تھا اور نہ زمانہ جاہلیت میں۔

اور معروف کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کی قرأت کی تکذیب کی وجہ سے میرے دل کے اندر ایسی ندامت پیدا ہوئی کہ کبھی ایسی ندامت نہ اسلام میں آئی تھی اور نہ زمانہ جاہلیت میں۔اس لئے کہ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا شمار عقلاء کاملین میں ہوتا تھا۔ اور عاقل اس چیز کی تکذیب کرتا ہے جو عقل یا نقل کے منافی ہو اور ظاہر ہے کہ دونوں قرأتیں نہ عقل کے منافی ہیں اور نہ ہی نقل کے۔ کیونکہ دونوں قراءتوں کی تحسین سے کسی ایک کا فساد نہ عقلاً لازم آتا ہے اور نہ نقلاً۔ خصوصاً جب کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحت کی خبر دی۔ (مرقاۃ: ۶۲۱ / ۲)

تنبیہ: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا مطلب یہ ہوا کہ "فسقط فی نفسی من التکذیب" سے تکذیب فی النبوۃ مراد ہے اور ان ہی کی اتباع ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے اور یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تکفیر کے مترادف ہے۔ جب کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ عام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل اور بالخصوص قرأت کے فن میں سب سے اکمل تھے۔ اور مسلم اصول بھی یہی ہیں کہ اگر ایک عام مسلمان کے کلام میں ننانوے احتمالات ایسے ہوں جو کفر پر محمول ہوتے ہوں اور ایک احتمال اس کے خلاف ہو تب بھی اس پر ارتداد کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ چہ جائیکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت پر۔ لہٰذا تکذیب سے مراد ان دونوں آدمیوں کی ان کی قرأت میں تکذیب ہے۔ کیونکہ اختلاف قرأت نبوت میں شرک کرنے کا سبب نہیں بن سکتا۔ جب کہ وہ نبوت دلائل قطعیہ حقائق عقلیہ، دقائق نقلیہ اور معجزات ظاہرہ سے ثابت ہے اور چونکہ ان کا پڑھا ہوا قرآن ہی تھا اس لئے اس کی تکذیب حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ پر گراں گذری اور فرمایا: کہ یہ تکذیب ایام جاہلیت کی تکذیب سے بھی اشد تھی۔ کیونکہ اسلام لانے سے پہلے جو کچھ ہوا ہے وہ تو "الاسلام یهدم ما كان قبله" کے پیش نظر معاف ہے اور یہ تو اسلام لانے کے بعد ہوا ہے اور پھر خصوصاً قرآن مجید کے بارے میں۔

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی میری موافقت کی ہے اور یہی فرمایا ہے۔ (مرقاۃ: ۶۲۲ / ۲)

یقیناً ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ اچھی ہے۔ لیکن علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ سے بھی تکفیر ہرگز

لازم نہیں آتی۔ چنانچہ دیگر حضرات نے بھی یہی توجیہ فرمائی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے دل میں معاذ اللہ تکذیب نبوت نے استقرار پایا۔ بلکہ وہم اور ہاجس کی طرح ایک خیال غیر اختیاری غیر مستقر دل میں آیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مارنے کے ساتھ فوراً زائل ہوا تو ظاہر ہے کہ اس سے تکفیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکذیب کا وسوسہ تو پیدا ہوا لیکن اس کا اعتقاد نہیں تھا۔ اسی طرح قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے خیالات اور وساوس میں جب تک استمرار نہ ہو تو وہ قابل مؤاخذہ نہیں۔

اور ظاہر ہے کہ یہاں بھی استمرار نہیں بلکہ غیر مستمر غیر مستقر خیال تھا۔ جو غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے معفو عنہ ہے۔

اور علامہ نوویؒ نے بھی یہی توجیہ کی ہے۔ بلکہ انہوں نے تکذیب فی النبوۃ کی تصریح کی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: ”**وسوس لی الشیطان تکذیبا للنبوۃ اشد مما کنت علیه فی الجاھلیة لأنه فی الجاھلیة کان غافلا او متشککا فوسوس له الشیطان الجزم بالتکذیب**“

”کہ میرے دل میں شیطان نے نبوت کے بارے میں ”تکذیب“ جھٹلانے کا وسوسہ ڈالا جو جاہلیت کے زمانہ کی تکذیب سے زیادہ سخت تھا۔ کیونکہ اس وقت تو غفلت اور شک کی بنیاد پر وسوسہ تھا اور یہ یقین کے درجے میں آیا۔

اس کے بعد علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاضؒ اور علامہ مازری رحمۃ اللہ علیہما کے اقوال نقل فرمائے ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ وسوسہ شیطان کی طرف سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے دل میں ایک غیر مستقل اور غیر مستمر جھونکا تھا، اس لئے اس پر مؤاخذہ نہیں ہوتا جو کہ فوری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اطہر کے ذریعہ سے نکل گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے ہاتھ مارا کہ ان کا دل اس فاسد خیال سے پاک اور صاف ہو جائے۔ (نووی: ۲۷۳/۱، نفحات التنقیح: ۲۳۰/۳)

اختلاف قراءت اور دینی احکام

{۲۱۱۰} وَعَن ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقْرَأَنِیْ جِبْرِیْلُ عَلٰی حَرْفٍ فَرَاجَعْتُہٗ فَلَمْ أَزَلْ اَسْتَزِیْدُہٗ وَیَزِیْدُنِیْ حَتّٰی اِنْتَھٰی اِلٰی سَبْعَۃِ أَحْرُفٍ قَالَ ابْنُ شِھَابٍ بَلَغَنِیْ أَنَّ تِلْکَ السَّبْعَۃَ الْأَحْرُفَ اِنَّمَا ھِیَ فِی الْأَمْرِ تَکُوْنُ وَاحِدًا لَاتَخْتَلِفُ فِیْ حَلَالٍ وَّلَا حَرَامٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۴۶، باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۸۰۰۔ مسلم شریف: ۱/۲۷۳، کتاب فضائل القرآن، باب بیان القرآن انزل علی سبعۃ احرف، حدیث نمبر: ۸۱۹۔

حل لغات: حرف: حرف جمع حروف، فراجعتہ: رَجَعَ (ض) رُجُوْعًا: لوٹنا۔ رَاجَعَ (مفاعلت) لوٹانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے جبرئیل علیہ السلام نے ایک طریقے پر پڑھایا تو میں نے مراجعت کی اور میں اس پر زیادتی کا مطالبہ کرتا رہا اور وہ بھی زیادہ کرتے رہے یہاں تک کہ معاملہ سات طریق تک پہنچ گیا، ابن شہاب کہتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ سات طریقے امور شرعیہ میں ایک ہیں، حلال یا حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

تشریح: اقرأنی جبرئیل علی حرف: یعنی حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک طریقے پر قرآن کریم پڑھنے کی تعلیم کی۔

فراجعتہ: تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے مراجعت کی تاکہ اس پر زیادہ کیا جائے۔

فلم ازل استزیدہ الخ: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر زیادتی کا

مطالبہ کرتے رہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اس پر زیادہ کرتے رہے۔

حتی انتھی الی سبعة احرف: یعنی وہ مطالبہ اور اس پر زیادتی سات طریقے پر جا کر رکی اور اب قرآن کریم سات طریقے پر پڑھا جاتا ہے۔

قال ابن شهاب: ابن سے مراد ابن شہاب زہری ہیں جو بڑے پایہ کے عالم اور عظیم محدث ہیں۔

بلغنی أن تلک السبعة الاحرف الخ: یعنی یہ قرآن کریم کی مختلف قرأتیں لفظ کی ہیئت اور اس کی ظاہری حالت تک محدود ہیں۔ آیات قرآنیہ کے معانی اور مطالب پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ کہ بعض قرأت کے لحاظ سے ایک چیز حرام ہو اور دوسری قرأت کے لحاظ سے وہی چیز حلال ہو جائے۔ (التعلیق: ۳/۷۳، مرقاۃ: ۲/۶۲۳)

الفصل الثانی

سات حروف پر قرآن کریم کا ہونا

{۲۱۱۱} وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ لَقِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِبْرِیْلَ فَقَالَ یَا جِبْرِیْلُ اِنِّیْ بُعِثْتُ اِلیٰ اُمَّةٍ اُمِّیِّیْنَ مِنْھُمُ الْعَجُوْزُ وَالشَّیْخُ الْکَبِیْرُ وَالْغُلَامُ وَالْجَارِیَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِیْ لَمْ یَقْرَأْ کِتَابًا قَطُّ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلیٰ سَبْعَةِ اَحْرُفٍ۔ ﴿رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ﴾ وَفِیْ رَوَایَةٍ لِأَحْمَدَ وَأَبِیْ دَاؤُدَ قَالَ لَیْسَ مِنْھَا اِلَّا شَافٍ کَافٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِلنَّسَائِیِّ قَالَ اِنَّ جَبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ اَتَیَانِیْ فَقَعَدَ جِبْرِیْلُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَمِیْکَائِیْلُ عَنْ یَسَارِیْ فَقَالَ جَبْرِیْلُ اِقْرَأِ الْقُرْاٰنَ عَلیٰ حَرْفٍ قَالَ مِیْکَائِیْلُ اسْتَزِدْہُ حَتّٰی بَلَغَ سَبْعَةَ اَحْرُفٍ فَکُلُّ

016 BabuN

حَرْفٍ شَافٍ كَافٍ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۲۲/۲، ابواب القراءت، باب ماجاء ان القرآن انزل علی سبعة احرف، حدیث نمبر: ۲۹۴۴۔ مسند احمد: ۱۱۴/۵، ابو داؤد شریف: ۲۰۸/۱، ابواب الوتر، باب انزل القرآن علی سبعة احرف، حدیث نمبر: ۱۴۷۷۔ نسائی شریف: ۱۱۰/۱، کتاب الافتتاح، باب جامع ماجاء فی القرآن، حدیث نمبر: ۹۴۲۔

حل لغات: بعثت: بَعَثَ (ف) بَعْثًا: بھیجنا۔ العجوز: بوڑھیا جمع عَجَائِز۔ الشیخ: بوڑھا جمع شُیُوخ۔ الغلام: مزدور جمع غلمان۔ الجاریة: جاری کا مؤنث بمعنی باندی۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سے ملاقات کر کے کہا، اے جبرئیل! میں ایک ان پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں، ان میں بوڑھی، بڑے بوڑھے، بچے، بچیاں اور ایسے مرد ہیں جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی، جبرئیل علیہ السلام نے کہا اے محمد! بے شک قرآن سات طریقے پر نازل ہوا ہے، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام احمد اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا ان میں سے ہر قراءت شافی اور کافی ہے۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام آکر جبرئیل میرے دائیں جانب اور میکائیل میرے بائیں جانب بیٹھ گئے اور جبرئیل علیہ السلام نے کہا قرآن کریم کو ایک طریقے پر پڑھو تو میکائیل نے کہا اس پر زیادہ کیجئے، یہاں تک کہ وہ سات طریقے پر پہنچ گئے، ان میں سے ہر قراءت شافی کافی ہے۔

تشریح: انی بعثت الی امة امیین: یعنی میں ایسی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں جن میں بہت سے لوگ اچھی طرح تلاوت کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتے ہیں۔ جنہیں ایک ہی قرأت پر زور دیا جائے گا تو بڑا مشکل ہو جائے گا۔

منهم العجوز و الشيخ الكبير الخ: یعنی یہ قوم امی ہونے کے ساتھ ساتھ اس قوم میں بوڑھی عورتیں اور بوڑھے مرد ہیں۔ جو اپنی زبان کے موٹاپے کی وجہ سے ٹھیک سے قرآن کریم نہیں پڑھ

سکتے ہیں۔ایسے چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں ہیں جو اپنی تتلائی ہوئی زبان سے قرآن کریم کی قرأت پر قدرت نہیں پاسکتی ہیں۔نیز اس امت میں وہ بڑے جوان لوگ بھی ہوں گے جنہوں نے کبھی لکھنا پڑھنا سیکھا نہیں ہے۔تاہم عربی الفاظ کی ادائیگی کی قدرت ہے۔جو ایک لفظ کو اس طرح سے نہیں تو دوسری طرح سے ادا کر سکتے ہیں۔اس لئے ایسی قوم کا خیال کرتے ہوئے مزید سہولت دی جائے۔

یا محمد ان القرآن انزل علی سبعة احرف: یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات سن کر فرمایا: کہ قرآن کریم سات طرق پر نازل ہوا ہے یہ لوگ جس طریقے کو آسان سمجھیں اسی کو پڑھ سکتے ہیں۔

قال لیس منها الا شاف کاف: یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ ان میں سے ہر قرأت معانی اور مقصد کے بیان میں شافی اور اعجاز و بلاغت کے اظہار میں کافی ہے۔

جمع وتدوین قرآن

قرآن کریم چونکہ خالق کائنات کی آخری کتاب ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا مکمل انتظام فرمایا ہے۔عالم بالا میں تو اس کو لوح محفوظ اور بیت العزت میں محفوظ کیا اور زمین پر اس کی حفاظت دو طریقے سے کی گئی ہے۔(۱) صدری حفاظت۔اور (۲) تحریری حفاظت۔

اور قرآن کریم کو دوسری آسمانی کتابوں کے مقابلے میں اللہ رب العزت نے یہ امتیاز عطا فرمایا ہے کہ اس کی حفاظت قلم اور کاغذ سے زیادہ حفاظ کے سینوں سے کرائی ہے۔چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ارشاد ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا: "وأنزلت علیک کتاباً لا یغسله الماء" یعنی میں نے تم پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جسے پانی نہیں دھو سکے گا۔ (مسلم شریف: رقم الحدیث: ۲۸۶۵)

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عام کتابوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ دنیوی آفات کی وجہ سے ضائع ہو جاتی

ہیں۔ چنانچہ توراۃ، انجیل اور دوسرے آسمانی صحیفے اسی طرح نابود ہوگئے۔لیکن قرآن حکیم کو سینوں میں اس طرح محفوظ کردیا جائے گا کہ اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظے پر دیا گیا۔بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نزول قرآن کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی پڑھتے جاتے تھے تاکہ وحی قرآن محفوظ رہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

"لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ○ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ○" (سورۃ القیمة:۱۶)

[آپ! قرآن مجید کو جلدی سے یاد کرلینے کے خیال سے اپنی زبان نہ چلائیے؛ کیونکہ اس کو آپ کے سینے میں جمع کرنا اور پڑھوانا تو ہمارے ذمہ ہے۔]

اس آیت میں یہ بتادیا کہ عین نزول وحی کے وقت الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں۔اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایسا حافظہ پیدا فرمادے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے بھول نہیں سکیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہوکر سنتے تھے اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یاد ہوجاتا تھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو پہنچادیتے تھے۔اس طرح سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا۔حفظ قرآن کریم کا وعدہ دوسرے مقامات پر بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ" [(اے پیغمبر!) ہم تمہیں پڑھائیں گے، پھر تم بھولوگے نہیں۔] (آسان ترجمہ) (سورۃ الاعلیٰ:۶)

اسی طرح امت کے سینوں میں قرآن کریم کی حفاظت کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں موجود ہے: "بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ" [حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قرآن ایسی نشانیوں کا مجموعہ ہے جو ان لوگوں کے سینوں میں بالکل واضح ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا ہے۔] (آسان ترجمہ) (سورۂ عنکبوت:۴۹)

چونکہ قدرت الٰہی نے اس آخری کتاب کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا: "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" (حجر:۹)[حقیقت یہ ہے کہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔](آسان ترجمہ)

اس لئے نزول قرآن کریم کے لئے اولاً ایسی قوم کو منتخب فرمایا جو تمام اقوام کے مقابلے میں اپنی قوت حافظہ میں لاجواب تھی۔ ان کے سینے قومی واقعات اور قبائلی انساب کے خزانے تھے۔ جو ایک بار سینکڑوں اشعار کا قصیدہ سن لیتے تھے تو پورا قصیدہ دل و دماغ پر نقش ہو کر یاد ہو جاتا تھا۔ جس پر عرب کی تاریخ شاہد ہے اور چونکہ وہ امی قوم تھی تو ان کی ہر شنید کے باقی رکھنے کا مدار صرف حافظے پر تھا۔ ان کی اس جبلّی اور فطری قوت حافظہ کو اسلام اور قرآن نے اور جلاء بخشی اور اس میں کافی اضافہ ہوا اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا۔ بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انہیں قرآن کریم کی تعلیم دیں گے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرما دیتے تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے اور مسجد نبوی میں قرآن سیکھنے اور سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ تاکید فرمانی پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے۔ (مناھل العرفان فی علوم القرآن: ۱/۲۴۱، المبحث الثامن فی جمع القرآن)

چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بے شمار ایسے حضرات پیدا ہو گئے جن کو پورا قرآن کریم یاد تھا۔ جن میں سے بعض حفاظ کا نام "حافظ قرآن" کی حیثیت سے روایات میں محفوظ رہ گیا ہے اور بے شمار ایسے ہیں جن کو پورا قرآن یاد تھا لیکن اس حیثیت سے ان کا نام روایت میں محفوظ نہیں رہ سکا۔ اس بات کی شہادت اس سے ملتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حفاظ و قراء کی بڑی بڑی جماعتیں قبائل میں بھیجا کرتے تھے کہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں۔

چنانچہ صفر ۴ھ میں عامر بن مالک ابو براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر اہل نجد کی تعلیم قرآن کریم اور تبلیغ کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ستر قاریوں کو روانہ کیا اور ان کا امیر منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اس جماعت کا نام "سریة القراء" تھا۔ یہ حضرات عامر بن طفیل کی غداری سے بجز حضرت منذر بن محمد اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہما کے سب کے سب شہید کردیئے گئے۔ (فتح الباری:۷/۳۸۶، باب غزوۃ الرجیع و بئر معونة۔ وکذا علوم القرآن للعلامہ شمس الحق الافغانی: ۱۰۹)

غرض یہ کہ وہ کتاب جو عہد رسالت میں ہزاروں سینوں میں مکمل محفوظ ہو اور لاکھوں سینوں میں متفرق طور پر محفوظ ہو جس کی وضاحت سورۂ عنکبوت نے کی ہے: "بل هو آيات بينات في صدور الذين أوتوا العلم" (عنکبوت:۴۹) اور وہ کتاب جو مسلمانوں کے گوشت و پوست اور دل و دماغ میں پیوست ہو چکی ہو اور مشرق و مغرب میں ہر دور میں اس کے لاکھوں حفاظ موجود ہوں اور پھر سب کے محفوظات یکساں ہوں۔ ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہ ہو اس بے نظیر انتظام حفاظت کے ہوتے ہوئے جو انتظام کسی آسمانی یا انسانی کتاب کو حاصل نہیں ہوا۔ قرآن مجید کی حفاظت میں کسی شک اور تردد کے احتمال کا باقی رہنا ممکن نہیں۔

قرآن کریم کی تحریری حفاظت

اتقان میں مستدرک حاکم کے حوالہ سے منقول ہے کہ تحریری صورت میں قران مجید تین بار جمع ہوا۔

(۱)...... عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں۔

(۲)...... عہد صدیقی میں۔

(۳)...... عہد عثمانی میں۔

جمع نبوی اور صدیقی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اور جمع عثمانی

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور تینوں جمع کی نوعیت میں فرق ہے۔(الاتقان: ۵۷-۵۹ / ۱، النوع الثامن عشر فی جمعه)

عہد نبوی

عہد رسالت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاتب وحی کو یہ ہدایت فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے۔ چونکہ کاغذ عرب میں کمیاب تھا اور جمع قرآن کا مقصد قرآن کریم کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا تھا۔ اس لئے قرآن کریم کو مختلف اشیاء پر تحریر کیا گیا۔ کچھ سفید پتھروں کی تراشی ہوئی تختیوں پر۔ کچھ سفید چمڑے کے پارچوں پر کچھ کھجور کی شاخوں پر اور کچھ لکڑی کی ہموار تختیوں اور ہڈیوں پر۔ البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے ہیں۔

عہد صدیقی

عہد صدیقی میں جمع قرآن سے یہ مقصود تھا کہ قرآن مجید کو کتابی صورت میں یکجا جمع کیا جائے تاکہ متفرق قطعات میں سے کسی قطعے کے ضائع ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔

اس جمع کے محرک فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل فصل ثالث کی روایت میں تفصیل مذکور ہے۔

"وعن زید بن ثابت قال أرسل الیَّ ابوبکر مقتل أهل الیمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده الخ" (بخاری شریف: ۷۴۵ / ۲، باب جمع القرآن) [حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل یمامہ کے قتل کے موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو بلوایا، تو دیکھا ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں۔]

خلاصہ یہ ہے کہ جب جنگ یمامہ میں قراء شہید ہوگئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے

بلایااور فرمایا: کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا کہ یمامہ کی جنگ کی تیزی میں قراء قرآن شہید ہو گئے۔ اگر اور دو جنگوں میں بھی شہادت قراء کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو قرآن کریم کے اکثر حصوں کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا آپؓ حکم دیں کہ قرآن حکیم کو تحریری صورت میں جمع کیا جائے۔ میں نے کہا کہ ہم ایسا کام کیوں کریں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم اسی میں خیر ہے۔ آپؓ کا یہ مطالبہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کام کے لئے کھول دیا۔ یہ بات پہلے آ چکی ہے کہ قرآن مجید عہد نبوی میں تحریری صورت میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا۔ لیکن وہ کتابی اور اجتماعی شکل میں نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطالبہ اجتماعی اور کتابی شکل میں جمع کرنے کا تھا۔ اس لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ہم ایسا کیسے کر سکتے ہیں جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے مراد مجموعی کتابی صورت کی تدوین تھی۔ جس کی عہد نبوت میں ضرورت نہ تھی۔ لیکن عہد صدیقی میں ایسے احوال اور حادثات پیش آئے کہ ایسا کرنا ضروری ہوا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر مصلحت کھل گئی۔ اس لئے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ اس طرح یہ جمع کاغذ پر ہوا جو عہد نبوی میں نہ تھا۔ چنانچہ مؤطا امام مالکؒ میں سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "جمع ابوبکر القرآن فی القراطیس" [ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو کاغذ پر لکھوا کر جمع کیا۔] (مرقاۃ: ۴/۲۹۷)

اسی طرح مغازی موسیٰ بن عقبہؒ میں ہے:

"حتی جمع علی عھد ابی بکر فی الورق" یعنی [ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کاغذ پر لکھ کر جمع کیا گیا۔] (الاتقان: ۱/۵۹، النوع الثامن فی جمع القرآن و ترتیبہ)

عہد عثمانی

اور عہد عثمانی میں جمع قران کا مقصد قرآن کریم کو تلفظ کے اختلاف سے محفوظ رکھنا تھا۔ تاکہ

016 BabuN

اختلاف قرأت اور اختلاف طرز تلفظ سے فتنہ پیدا نہ ہو۔

اور فتنہ کا خطرہ اس لئے تھا کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا۔ ہر نئے علاقہ کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدین اسلام یا ان تاجروں سے قرآن کریم سیکھتے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی اور چونکہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا تھا اور مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مختلف قراءتوں کے مطابق سیکھا تھا۔ اس لئے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا۔ جس کے مطابق خود اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پڑھا تھا۔ اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا۔ جب تک لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ اس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن جب یہ اختلاف دور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات ان میں پوری طرح مشہور نہ ہوسکی کہ قرآن حکیم سات حروف پر نازل ہوا ہے تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے۔ بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے۔

ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے دوسرے سوائے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ کے جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کے لئے حجت بن سکے۔ کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دئے جائیں جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کون سی قرأت صحیح اور کون سی غلط ہے۔ اس کارنامے کو انجام دینے کے لئے حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ جب فتح آرمینیہ وآذربائیجان سے واپس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی

خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو اس قول سے مخاطب فرمایا:

"أَدْرِكْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ تَخْتَلِفُوْا اِخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى" (مناهل العرفان: ۱/۲۶۰)

[اس امت کو سنبھالو اس سے پہلے کہ ان میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف پیدا ہو۔]

اور یہ اس وجہ سے فرمایا: کہ وہاں انہوں نے لوگوں کے اختلاف کا مشاہدہ کیا تھا۔

اور لوگوں کے اختلاف کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی محسوس کیا۔ چنانچہ خود مدینہ طیبہ میں معلّموں اور متعلّموں میں اختلاف قرأت کا فتنہ پیدا ہونے لگا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا: کہ جب تم میں یہ اختلاف ہے تو دور کے شہر والوں میں اس سے زیادہ اختلاف کا اندیشہ ہے۔ فرمایا:

"انتم عندی تختلفون فمن نأى من الامصار أشد اختلافا" (مناهل العرفان: ۱/۲۵۶)

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے قرآن کریم کا وہ نسخہ منگوایا جو عہد صدیقی میں لکھا گیا تھا اور اس کے ذریعہ سے مصحف عثمانی تیار کیا۔ جس کی تحریر بنیادی طور پر چار حضرات کے سپرد کی گئی تھی۔ جن میں حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ، اور باقی تین حضرات عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص، اور عبدالرحمن بن الحارث قریشی رضی اللہ عنہم تھے۔

(مناہل العرفان: ۲۵۸/ انفحات التنقیح: ۲۳۳ تا ۲۳۷/ ۳)

قرآن کو گداگری کا ذریعہ نہ بناؤ

{۲۱۱۲} وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ مَرَّ عَلٰى قَاصٍّ يَقْرَأُ ثُمَّ يَسْأَلُ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَلْيَسْأَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَاِنَّهُ سَيَجِيْءُ أَقْوَامٌ يَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ، وَالتِّرْمِذِيُّ۔

حوالہ: مسند احمد: ۴/۴۳۲، ترمذی شریف: ۲/۱۱۹، ابواب فضائل القرآن، باب: ۲۰، حدیث نمبر: ۱۹۱۷۔

حل لغات: قاص: اسم فاعل ہے یعنی قصہ بیان کرنے والا، قَصَّ (ن) قَصصاً: بیان کرنا، فاسترجع: رَجَعَ (ض) رَجْعًا: لوٹنا، استرجع: (استفعال) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہنا۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ کسی قصہ گو کے پاس سے گذرے جو قرآن پڑھتا تھا، اس کے بعد سوال کرتا تھا۔ تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا پھر کہا میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو قرآن پڑھے تو اللہ ہی سے مانگے، اس لئے کہ عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کریں گے۔

تشریح: تلاوت قرآن کریم کے بعد چونکہ دعائیں قبول ہوتی ہیں اس لئے آدمی کو چاہئے کہ تلاوت کے بعد اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے۔ تلاوت کے بعد آدمی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے۔

یقرأ ثم یسأل: یعنی ایک آدمی قرآن کریم پڑھ پڑھ کر لوگوں سے بھیک مانگتا تھا۔

فاسترجع ثم قال الخ: اس قصہ گو کا یہ طریقہ چونکہ ٹھیک نہیں تھا اس لئے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھنے کے بعد فرمایا: کہ ایسے لوگوں کی بنیاد پر جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہدایت دی ہے کہ تلاوت قرآنِ کریم کے بعد تلاوت کرنے والے کو دین و دنیا جو کچھ مانگنا ہو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے۔ اس لئے کہ بہت جلد ایسے لوگ پیدا ہونے والے ہیں جو قرآن کریم کی تلاوت کے بعد لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کریں گے جو ایک بہت بری عادت ہے۔ اس سے پرہیز ضروری ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

دنیاوی منفعت کے لئے قرآن کریم کو وسیلہ بنانا

{۲۱۱۳} وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ يَتَأَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حواله: شعب الایمان للبیهقی: ۵۳۲/۲، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی ترک وقرأة لیتأکل به، حدیث نمبر: ۲۶۲۵۔

حل لغات: عظم: ہڈی جمع أعظم: عِظام۔ لحم: گوشت، جمع لِحَام ولحوم۔ لَحِمَ (س، ک) لَحْمًا لَحَامَةً: موٹا ہونا، جسم کا زیادہ گوشت والا ہونا۔

ترجمه: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص قرآن اس لئے پڑھے تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں سے کھائے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے میں ہڈی ہی ہڈی ہوگی اس پر گوشت نہ ہوگا۔“

تشریح: من قرأ القرآن یتأکل به الناس: یعنی قرآن کریم پڑھ کر لوگوں سے کھانا یا مال وغیرہ جمع نہ کرے۔ اس لئے کہ جو اس طرح کرے گا۔

قیامت کے دن اس کے لئے بڑی رسوائی ہے اس لئے کہ وہ اس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں پیش ہوگا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا نام ونشان نہ ہوگا۔ بلکہ صرف ہڈی ہی ہڈی ہوگی جس سے اس کا جرم ظاہر ہوگا جو بڑی رسوائی کا سبب ہوگا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ فضائل قرآن مجید

016 BabuN

میں تحریر فرماتے ہیں:

یعنی جو لوگ قرآن شریف کو طلب دنیا کی غرض سے پڑھتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم قرآن شریف پڑھتے ہیں اور ہم میں عجمی و عربی ہر طرح کے لوگ ہیں، جس طرح پڑھتے ہو پڑھتے رہو۔ عنقریب ایک جماعت آنے والی ہے، جو قرآن شریف کے حروف کو اس طرح سیدھا کریں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ یعنی خوب سنواریں گے ایک ایک حرف کو گھنٹوں درست کریں گے اور مخارج کی رعایت میں خوب تکلف کریں گے اور یہ سب دنیا کے واسطے ہوگا، آخرت سے ان لوگوں کو کچھ بھی سروکار نہ ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ محض خوش آوازی بے کار ہے جب کہ اس میں اخلاص نہ ہو، محض دنیا کمانے کے واسطے کیا جاوے۔ چہرہ پر گوشت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے اشرف الاشیاء کو ذلیل چیز کمانے کا ذریعہ کیا، تو اشرف الاعضاء چہرہ کو رونق سے محروم کر دیا جائے گا۔

مشائخ سے منقول ہے کہ جو شخص علم کے ذریعے سے دنیا کماوے اس کی مثال ایسی ہے کہ جوتے کو اپنے رخسار سے صاف کرے، اس میں شک نہیں کہ جوتا تو صاف ہو جاوے گا مگر چہرہ سے صاف کرنا حماقت کی منتہا ہے؛ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوا ہے: "أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ" الآية۔ (سورۂ بقرہ:۱۶) [یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی خریدی ہے، پس نہ ان کی تجارت کچھ نفع والی ہے اور نہ یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔]

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن شریف کی ایک سورت پڑھائی تھی، اس نے ایک کمان مجھے ہدیہ کے طور سے دی، میں نے حضور اقدس ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جہنم کی ایک کمان تو نے لے لی۔

اسی طرح کا واقعہ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق نقل کیا اور حضور اقدس ﷺ کا یہ جواب نقل کیا کہ جہنم کی ایک چنگاری اپنے مونڈھوں کے درمیان لٹکا دی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اگر تو چاہے کہ جہنم کا ایک طوق گلے میں ڈالے تو اس کو قبول کر لے۔

یہاں پہنچ کر میں ان حفاظ کی خدمت میں جن کا مقصود قرآن شریف کے مکتبوں سے فقط پیسہ ہی کمانا ہے، بڑے ادب سے عرض کروں گا کہ للہ اپنے منصب اور اپنی ذمہ داری کا لحاظ کیجئے۔ جو لوگ آپ کی بدنیتوں کے حملہ کی وجہ سے کلام مجید پڑھانا یا حفظ کرانا بند کرتے ہیں اس کے وبال میں وہ تنہا گرفتار نہیں۔ خود آپ لوگ بھی اس کے جواب دہ اور قرآن پاک کے بند کرنے والوں میں شریک ہیں۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اشاعت کرنے والے ہیں، لیکن درحقیقت اس اشاعت کے روکنے والے ہم ہی لوگ ہیں، جن کی بداطواریاں اور بدنیتیاں دنیا کو مجبور کر رہی ہیں کہ وہ قرآن پاک ہی کو چھوڑ کر بیٹھیں۔ علماء نے تعلیم کی تنخواہ کو اس لئے جائز نہیں فرمایا: کہ ہم لوگ اسی کو مقصود بنالیں۔ بلکہ حقیقتاً مدرسین کی اصل غرض صرف تعلیم اور اشاعت علم وقرآن شریف ہونے کی ضرورت ہے اور تنخواہ اس کا معاوضہ نہیں بلکہ رفع ضرورت کی ایک صورت ہے، جس کو مجبوراً اور اضطرار کی وجہ سے اختیار کیا گیا۔

بسم اللہ سورتوں کے درمیان فصل کا ذریعہ

{۲۱۱۴} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّوْرَةِ حَتّٰى يَنْزِلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۱۱۵، کتاب استفتاح الصلوۃ، باب من جهر بها، حدیث نمبر: ۷۸۸۔

حل لغات: لایعرف: عَرَفَ (ض) عَرْفًا پہنچانا، فصل: جدائیگی، جمع فصول: فَصَلَ (ض) فَصْلًا: جدا کرنا۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کے فصل کو نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ بسم اللہ الرحمن الرّحیم نازل ہو جاتی۔

تشریح: لا یعرف فصل السورۃ الخ: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں دو سورتوں کے درمیان فصل کا علم اس وقت ہوتا تھا جب "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"

نازل ہوجاتی تھی۔

یہ حدیث شریف وضاحت کے ساتھ ثابت کرتی ہے کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" قرآن کریم کی ایک آیت ہے جو دوسورتوں کے درمیان فرق وامتیاز کو ظاہر کرنے کے لئے نازل فرمائی گئی ہے۔جیسا کہ احناف کا مسلک ہے۔(التعلیق:۳/۳۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک واقعہ

{۲۱۱۵} وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُوْرَةَ يُوْسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَا هٰكَذَا اُنْزِلَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَقَرَأْتُهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنْتَ فَبَيْنَا هُوَ يُكَلِّمُهٗ اِذْ وَجَدَ مِنْهُ رِيْحَ الْخَمْرِ فَقَالَ أَتَشْرَبُ الْخَمْرَ وَتُكَذِّبُ بِالْكِتَابِ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حواله: بخاری شریف: ۷۴۸/۲، باب القراء من اصحاب النبیؐ، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۵۰۰۱۔ مسلم شریف: ۱/ ۲۷۰، کتاب فضائل القرآن، باب فضل استماع القرآن وطلب القرأة الخ، حدیث نمبر:۸۰۱۔

حل لغات: لقرأتها: قَرَأَ(ف) قراءة: پڑھنا، عهد: عہدزمانہ جمع عُهُوْد۔

ترجمه: حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حمص میں تھے، وہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ یوسف کی تلاوت کی، تو ایک آدمی نے کہا یہ آیت اس طرح نازل نہیں ہوئی ہے، تو عبداللہ نے کہا، خدا کی قسم! میں نے اس کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پڑھا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحسین کی، اچانک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بولنے والے شخص کے منھ سے شراب کی بومحسوس کی تو ابن مسعودؓ نے کہا تو شراب پیتا ہے اور کتاب اللہ کی تکذیب کرتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس پر حد جاری کی۔

تشریح: عن علقمة: حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے

016 BabuN

شاگرد رشید اور جلیل القدر تابعی ہیں۔ اپنے زمانے کے یہ بڑے محدث اور فقیہ رہے ہیں۔ ان کے شاگردوں میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ جیسے اکابر کا نام آتا ہے۔

فقرأ ابن مسعود: تو وہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۂ یوسف کی تلاوت کی۔

فقال رجل ما ھکذا انزلت: تو ایک آدمی نے حضرت ابن مسعود کی قراءت سن کر کہا کہ یہ سورت اس طریقے سے نازل نہیں ہوئی ہے۔

فقال عبد الله والله لقرأتها على عهد رسول الله: تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بات کو زیادہ مؤکد انداز میں پیش کرنے کی غرض سے فرمایا: کہ میں نے اس سورت کو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اس کو غلط قرار نہیں دیا ہے۔

فقال احسنت: بلکہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو میری تحسین فرمائی ہے۔

فبینا هو یکلمه اذ وجد منه ریح الخمر: اب فساد کی جڑ معلوم ہوئی کہ وہ تکرار کرنے والا شراب پی کر مدہوش تھا۔

فقال اتشرب الخمر و تکذب الکتاب: چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شرابی پر حد خمر جاری کر کے اس کا ہوش ٹھنڈا کر دیا۔

جمع قرآن کی تاریخ

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم یوں تو پورا لکھا ہوا تھا۔ لیکن کسی مصحف میں ایک جگہ نہ تھا۔ بلکہ متفرق طور پر لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ کچھ حصہ کسی کے پاس کھجور کی شاخوں پر کچھ حصہ کسی کے پاس پتھروں کے ٹکڑوں پر اور کچھ حصہ کسی کے پاس جھلی کے ٹکڑوں پر اور کچھ حصہ کسی کے پاس چوڑی ہڈیوں پر لکھا ہوا تھا۔ کیونکہ قران کریم جیسے جیسے نازل ہوتا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے کاتبوں سے مذکورہ بالا چیزوں میں سے جو چیز بھی دستیاب ہوتی اس پر قلم بند کرالیا

کرتے تھے۔آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن کریم کے ان متفرق حصوں کو یکجا جمع کیا۔لہٰذا یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ وہ اوراق کہ جن میں قرآن کریم لکھا ہوا ہو۔متفرق طور پر پائے جائیں اور پھر انہیں جمع کر دیا جائے۔

اسی طرح آج کل قرآن کریم سورتوں کی جس ترتیب کے ساتھ ہمارے سامنے ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورتوں کی ترتیب یہ نہیں تھی بلکہ سورتوں کی یہ ترتیب آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے عمل میں آئی ہے۔ہاں آیتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہی عمل میں آ گئی تھی۔اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام حسب موقع کوئی آیت لاتے تو یہ بھی فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت سے پہلے یا فلاں آیت کے بعد رکھا جائے۔چنانچہ لوح محفوظ میں بھی قرآن کریم آیتوں کی اسی ترتیب کے مطابق لکھا ہوا ہے۔وہاں سے قرآن کریم آسمان دنیا پر لایا گیا۔پھر وہاں سے حسب موقع اور حسب ضرورت حضرت جبرئیل علیہ السلام سورتیں اور آیتیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لاتے تھے۔حاصل یہ کہ نزول قرآن کی ترتیب وہ نہیں تھی جو موجودہ ترتیب تلاوت ہے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال رمضان میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مرتبہ پورے قرآن کا دور ترتیب نزول کے مطابق کیا کرتے تھے اور جس سال جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اس سال کے رمضان میں دو مرتبہ دور کیا۔

جمع قرآن کا واقعہ

{۲۱۱۶} وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَرْسَلَ اِلَيَّ اَبُوْبَكْرٍ مَقْتَلَ اَهْلِ الْيَمَامَةِ فَاِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهٗ قَالَ

أَبُوْبَكْرٍ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ وَإِنِّيْ اَخْشٰى أَنِ اسْتَحَرَّ الْقَتْلُ بِالْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبُ كَثِيْرٌ مِنَ الْقُراٰنِ وَإِنِّيْ أَرٰى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ قُلْتُ لِعُمَرَ كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ هٰذَا وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِذٰلِكَ وَرَأَيْتُ فِيْ ذٰلِكَ الَّذِيْ رَاٰى عُمَرُ قَالَ زَيْدٌ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَانَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاَجْمَعْهُ فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُوْنِيْ نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ اَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا اَمَرَنِيْ بِهٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئاً لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ أَبُوْبَكْرٍ يَرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِلَّذِيْ شَرَحَ لَهٗ صَدْرَ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْاٰنَ أَجْمَعُهٗ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰى وَجَدْتُ اٰخِرَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِيْ خُزَيْمَةَ الْاَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهٖ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ حَتّٰى خَاتِمَةِ بَرَائَةٍ فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِيْ بَكْرٍ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهٗ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۴۵، باب جمع القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۶۹۵۔

حل لغات: ارسل: أَرْسَلَ (افعال) بھیجنا، مقتل: قتل کی جگہ، جمع مَقَاتِل، قَتَلَ (ن) قَتْلًا قتل کرنا، استحر: حَرَّ (ن) حَرًّا: گرم ہونا، استحر (استفعال) سخت جنگ ہونا، اخشی: (خَشِيَ) خشية: ڈرنا، المواطن: جمع مَوْطِن کی بمعنی میدان جنگ، تأمر (ن) امرًا: حکم دینا، شَرَحَ (ف) شَرْحًا: کھولنا، لانتهمک: اتهم (افتعال) تہمت لگانا، فتتبع: تَبِعَ (س) تَبْعًا: پیچھے پیچھے چلنا، تَتَبَّعَ

(تفعل) تلاش کرنا، جبل: پہاڑ، جمع جبال۔ العسب: جمع ہے عَسِیْب بمعنی کھجور کی ٹہنی، اللخاف: جمع ہے لُخْفَۃٌ کی بمعنی سفید پتھر۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل یمامہ کی لڑائی کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے پاس بلاوا بھیجا۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان کے پاس موجود تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ عمرؓ نے میرے پاس آ کر کہا کہ قاریوں کی شہادت کا حادثہ یمامہ کے دن گرم ہوگیا۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اسی طرح مختلف جنگوں میں قاریوں کی شہادت ہوتی رہی تو قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ ضائع ہوجائے گا۔ اس لئے میری رائے ہے کہ آپؓ قرآن کریم جمع کرنے کا حکم دیں۔ میں نے عمرؓ سے کہا آپؓ اس چیز کو کیسے انجام دیں گے؟ جس کو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے۔ تو عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ (میری رائے) اچھی ہے اور عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے برابر اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا سینہ کھول دیا اور مجھے اس میں وہی مصلحت نظر آئی جو عمر نے دیکھی ہے، زید کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپؓ جوان اور عقل مند آدمی ہیں، ہم آپ کو متہم نہیں کرتے، آپ وحی لکھتے تھے، اس لئے آپؓ قرآن کو تلاش کیجئے اور جمع کیجئے۔ خدا کی قسم اگر ابو بکرؓ مجھے پہاڑوں میں سے کوئی پہاڑ منتقل کرنے کے لئے کہتے تو وہ کام اس سے بھاری نہ ہوتا جو انہوں نے جمع قرآن کے سلسلے میں حکم دیا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کہ آپ لوگ اس چیز کو کیسے انجام دیں گے؟ جسے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: خدا کی قسم (یہ میری رائے) اچھی ہے اور ابو بکرؓ مجھ سے برابر اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا سینہ کھول دیا جیسا کہ ابو بکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا۔ چنانچہ میں نے کھجور کی شاخوں سے اور سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کریم کو تلاش کر کے جمع کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ ابو خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا اور یہ حصہ میں نے ان کے علاوہ کسی کے پاس نہیں پایا۔ (وہ حصہ یہ ہے) لقد جاکم رسول من انفسکم: آخری سورۃ براءت تک، وہ صحیفے

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہے، یہاں تک ان کی وفات ہوگئی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی زندگی میں پھر حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس۔

تشریح: اس حدیث شریف میں حضرت زید بن ثابت جمع قرآن کا قصہ بیان فرما رہے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں قرآن کریم دو مرتبہ جمع کیا گیا ہے۔ایک عہد صدیقی میں دوسرا عہد عثمانی میں۔جمع صدیقی کا کچھ تذکرہ زیر بحث حدیث میں موجود ہے۔اسی طرح جمع عثمانی کی کچھ تفصیل پہلے گذر چکی ہے اور اگلی حدیث شریف میں بھی آرہی ہے۔مزید تفصیلات علوم القرآن کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔یہاں صرف حاصل اس موضوع کا پیش کیا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم کی حفاظت کا زیادہ تر دارومدار حفظ صدر پر تھا۔آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کریم یاد کرانے اور یاد رکھوانے کا حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا تھا۔ "لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ" نیز ارشاد ہے: "سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ۔ وَغیرهما من الآيات" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی جو قرآن کریم کی حافظ تھی۔لیکن حفظ صدر کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حفظ کتابت کا بھی اہتمام فرمایا۔جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو بلا کر وہ آیت پتھر، ہڈی، چمڑا یا کسی اور چیز پر لکھوا لیتے۔جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختلف اوقات میں کتابت وحی کا کام لیا کرتے تھے ان کی تعداد ملا علی قاری ؒ نے چوبیس نقل کی ہے۔(مرقاۃ:۵/۲۵)

ان میں سے اہم صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔اس کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کی مختلف سورتیں یا آیات لکھ کر اپنے پاس رکھی ہوئی تھی۔اس طرح سے عہد رسالت میں ہی قران کریم کی کتابت ہوگئی تھی۔لیکن اس زمانہ میں پورا قرآن لکھا ہوا یکجا جمع نہیں تھا۔مختلف چیزوں پر مختلف حصے لکھے ہوئے تھے۔زیادہ زور ضبط صدر پر تھا۔آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قران کریم کو مرتب شکل میں جمع نہ کرنے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

زمانہ میں ہر وقت نئی آیات کے نزول اور بعض آیات کے نسخ کا احتمال رہتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں مرتدین کے ساتھ مختلف جنگیں ہوئی ہیں ان میں سے ایک جنگ یمامہ بھی ہے۔ جو ۱۲ھ میں پیش آئی۔ جو مسیلمہ کذاب کے ساتھ لڑی گئی تھی۔ اس میں قرآن کریم کے حفاظ کی بہت بڑی تعداد سات سو افراد کی شہید ہوگئی۔ اس پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ اگر اسی طرح جنگوں کا سلسلہ چلتا رہا اور ان میں حفاظ وقراء شہید ہوتے گئے تو کہیں حفاظت قرآن خطرہ میں نہ پڑ جائے یہ خدشہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ قرآن کریم کو یکجا مرتب شکل میں جمع کرا دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہلے تو اس سلسلے میں تردد پیش آیا کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں۔ لیکن طویل گفتگو کرنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس کی ضرورت کے قائل ہوگئے۔ اس سلسلہ میں حضرات شیخین کی گفتگو کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس اقدام سے اس لئے ہچکچا رہے تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کام کو نہیں کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض خاص اسباب کی وجہ سے جمع قرآن نہیں فرمایا۔ اب اس وقت جمع قرآن کرنا منشائے رسالت کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔ اس کے بغیر آئندہ حفاظت قرآن مشکل ہوجائے گی۔ بعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کرلیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کے لئے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی لگا دیا تھا۔ اور اس کام کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو رہنما اصول بھی دیئے تھے ان کا اجمالی تذکرہ زیر بحث روایت میں اس طرح سے ہے: "فتتبعت القرآن اجمعه من العسب واللّخاف وصدور الرجال"۔ میں نے قرآن کی آیات کو کھجور کی شاخوں اور پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کیا۔

مطلب یہ ہے کہ کسی آیت کے ثبوت کے دو طریقے ہو سکتے تھے ایک یہ کہ وہ آیت لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہو اور اس کو تواتر کے ساتھ نقل کر رہے ہوں اور دوسرا یہ کہ وہ آیت لکھی ہوئی مل جائے اور اس کے سات یہ شہادت بھی مل جائے کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی۔ ثبوت آیت کے لئے پہلا طریقہ ہی کافی تھا لیکن انہوں نے ایک طریقہ پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ہر آیت کو اس وقت تک درج کیا ہے جب دونوں طریقوں سے اس کا ثبوت مل گیا یعنی وہ آیت لکھی ہوئی بھی مل گئی اور صدور رجال سے بھی۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں مجھے سورۂ براءت کی آخری دو آیتیں صرف حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ آیت ان کے علاوہ کسی اور کو یاد نہیں تھیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ لکھی ہوئی صرف ان کے پاس ملی ہے۔ یاد تو خود حضرت زید اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی تھی۔ یہ آیت بھی متواتر تھیں لیکن چونکہ یہ التزام کر رکھا تھا کہ صرف صدور رجال سے ثبوت پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔ خواہ یہ رجال کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لئے تلاش تھی کہ یہ آیت کسی کے پاس لکھی ہوئی بھی مل جائے اور آیات تو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس لکھی ہوئی مل گئیں۔ یہ آیت صرف ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس لکھی ہوئی ملیں۔

اس سے اگلی روایت میں جمع عثمانی کا اجمالی تذکرہ آ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی سہولت کے لئے قرآن کریم کو مختلف لغات پر پڑھنے کی اجازت دیدی گئی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک لوگوں میں اس اجازت کی وجہ سے طرح طرح کے اختلافات پیدا ہونے لگ گئے تھے، بعض لوگ اپنے ہی انداز قرأت کو سب سے بہتر خیال کرنے لگ گئے تھے۔ یہ صورت حال کسی قدر مدینہ میں بھی پائی جاتی تھی۔ لیکن دور دراز کے نئے مفتوح علاقوں میں اس قسم کے اختلافات زیادہ پائے جاتے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آرمینیا اور آذربائیجان کے علاقہ میں اس قسم کی صورت حال دیکھی تو واپس آ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس طرف توجہ دلائی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سب

لوگوں کو ایک قرأت پر متفق کرنے کا ارادہ فرمایا۔آپ ؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جمع کردہ مصحف جو ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھا منگوایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو دوبارہ جمع قرآن پر لگایا۔ان میں حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص، اور عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہم شامل تھے۔اس مقصد کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمع کردہ نسخہ جو حضرت ام حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھا۔منگوالیا گیا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس جماعت نے پوری تحقیق وتدقیق کے ساتھ قرآن کریم کا ایک نسخہ دوبارہ تیار کیا اس مرتبہ اس نئے نسخہ کا تقابل عہد صدیقی والے نسخہ کے ساتھ بھی کیا گیا اور مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لکھے گئے مختلف حصے جو موجود تھے ان کو دوبارہ جمع کیا گیا، اس مرتبہ سورۂ احزاب کی آیت "مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ" لکھی ہوئی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ملی۔ یہ نسخہ تیار کرنے کے بعد اس کی کئی نقلیں تیار کروا کے مختلف علاقوں میں بھیج دیئے گئے اور لوگوں کو انہیں مصاحف کے مطابق تلاوت کا پابند کردیا گیا۔اور ان کے علاوہ باقی مصاحف کو جلانے کا حکم دے دیا گیا۔ یہ جلانا اساءۃ ادب میں داخل نہیں کیونکہ یہ کام قرآن ہی کی حفاظت کے لئے کیا گیا تھا۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس کوشش سے امت ایک بہت بڑے فتنے سے محفوظ ہوگئی۔

جمع صدیقی اور جمع عثمانی میں بہت سے فرق ہیں۔مثلاً

ایک فرق یہ ہے کہ دونوں جمعوں کا محرک اور داعی اور مقصد الگ الگ تھا۔جمع صدیقی کا مقصد قرآن حکیم کو ایک جگہ کتابی شکل میں جمع کرنا تھا۔اور جمع عثمانی کا مقصد باقی لغات کو ختم کرکے صرف لغت قریش پر جمع کرنا تھا۔

دوسرا فرق جو اسی پر متفرع یہ ہے کہ عہد صدیقی میں قرآن کریم کو مختلف لغات پر پڑھنے کی اجازت برقرار رکھی گئی تھی۔عہد عثمانی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے یہ بات طے ہوئی تھی کہ مختلف لغات پر پڑھنے کی اجازت چونکہ ایک وقت اور عارضی ضرورت کی وجہ سے تھی۔اب اس اجازت کی

016 BabuN

ضرورت نہیں رہی بلکہ اس کے نقصانات ظاہر ہونے لگے ہیں اس لئے اب یہ اجازت ختم کردینی چاہئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں منشائے رسالت یہی تھا کہ ایسی صورت میں یہ اجازت ختم کردی جائے اس لئے اب صرف لغت قریش ہی باقی رہ گئی۔(اشرف التوضیح:۲/۲۷۴تا۲۷۱)

زمانۂ عثمان میں قرآن کی خصوصی اشاعت

{۲۱۱۷} وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلٰى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِىْ أَهْلَ الشَّامِ فِىْ فَتْحِ أَرْمِيْنِيَةَ وَاٰذ رِبِيْجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَأَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اِخْتِلَافُهُمْ فِى الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَدْرِكْ هٰذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوْا فِى الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَأَرْسَلَ عُثْمَانُ اِلٰى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلِىْ اِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِى الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا اِلَيْكِ فَأَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ اِلٰى عُثْمَانَ فَأَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوْهَا فِى الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّيْنَ الثَّلَاثِ اِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِىْ شَيْئٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَاِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوْا حَتّٰى اِذَا نَسَخُوْا الصُّحُفَ فِىْ مَصَاحِفَ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ اِلٰى حَفْصَةَ وَأَرْسَلَ اِلٰى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوْا وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِىْ كُلِّ صَحِيْفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُحْرَقَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِىْ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُ اٰيَةً مِنَ الْاَحْزَابِ حِيْنَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُبِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ

بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَأَلْحَقْنَاهَا فِيْ سُوْرَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۴۶، باب جمع القرآن، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۴۷۹۶۔

حل لغات: فافزع: فَزِعَ (ف) فَزَعًا: خوف کرنا، أَفْزَعَ (افعال) خوف دلانا، ننسخها: نَسَخَ (ف) نَسْخًا الكتاب: نقل کرنا، للرهط: تین سے لے کر دس مردوں تک کی جماعت جمع أرهط: افق: کنارہ جمع آفاق۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس وقت آئے جب وہ شام اور عراق کے درمیان آرمینیہ اور آذربائیجان سے جنگ کی تیاری میں تھے۔ (اس لئے) کہ لوگوں کی قراءت نے حذیفہؓ کو اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا۔ چنانچہ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، اے امیر المومنین! اس امت کی خبر لیجئے قبل اس کے کہ یہ لوگ کتاب اللہ میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کریں، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس خبر بھیجی کہ آپ وہ صحیفہ ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ ہم اس کو چند مصاحف میں نقل کرا کر اس کو آپؓ کے پاس بھیج دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے وہ صحیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبد اللہ بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا۔ چنانچہ ان حضرات نے اس کو صحیفوں میں نقل کرنا شروع کر دیا۔ نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش کے ان تینوں حضرات سے فرمایا: جب تم تینوں اور زید بن ثابت کے درمیان، قرآن کریم کے کسی لغت کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو اس کو قریش کے لغت میں لکھ دینا۔ اس لئے کہ قرآن کریم ان ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے، چنانچہ ان حضرات نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب ان حضرات نے اس صحیفے کو مصاحف میں نقل کر لیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صحیفے کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجنے

کے بعد نقل کئے گئے مصاحف کو دنیا کے ہر کونے میں بھیج دیا۔ اور اس کے علاوہ قرآن کے ہر مصحف یا صحیفے کو جلا دینے کا حکم دیا۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے بتایا کہ انہوں نے زید بن ثابت کو کہتے ہوئے سنا کہ جب ہم لوگ قرآن کریم نقل کر رہے تھے اس وقت مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں ملی جسے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا۔ جسے وہ تلاوت کرتے تھے، چنانچہ ہم نے اس کو تلاش کیا تو اس کو خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا۔ وہ آیت یہ ہے: «مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ» تو ہم نے یہ آیت اسی سورت میں ملا دی۔

تشریح: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے جو صحیفہ تیار ہوا تھا اسی مصحف کو سامنے رکھ کر اعلیٰ پیمانے پر ان چار نفری کمیٹی کو چند نسخے تیار کرنے کے لئے کہا۔ تاکہ اسلامی مملکت کی مرکزی جگہوں میں بھیجا جاسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی کام کیا کہ اس نقل شدہ مجموعہ کے علاوہ منتشر طور پر قرآن کریم کے جتنے نسخے تھے ان کو نظر آتش کروادیا۔ تاکہ بعد میں لوگ خلط ملط کی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

قدم علی عثمان وکان یغازی أهل الشام الخ: یعنی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس وقت ملاقات کی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آرمینیہ اور آذربائیجان سے جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ یہ لڑائی بڑی ہونے کی بنیاد فوج کی بھاری تعداد تھی۔ جس کی وجہ سے قرآن کریم کی قرأت کے سلسلے میں اختلاف رونما ہونے لگا۔ اور ہر آدمی اپنی قراءت کو دوسرے کی قراءت کے مقابلے میں عمدہ اور راجح قرار دینے لگا۔

سورۂ توبہ کے شروع میں تسمیہ کیوں نہیں

{۲۱۱۸} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَا حَمَلَكُمْ عَلىٰ أَنْ عَمَدْتُّمْ إِلىٰ الْأَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمَثَانِيْ

وَاِلٰی بَرَاءَۃَ وَھِیَ مِنَ الْمِئِیْنَ فَقَرَنْتُمْ بَیْنَھُمَا وَلَمْ تَکْتُبُوْا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَوَضَعْتُمُوْھَا فِی السَّبْعِ الطُّوَلِ مَاحَمَلَکُمْ عَلٰی ذٰلِکَ قَالَ عُثْمَانُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِمَّا یَأْتِیْ عَلَیْہِ الزَّمَانُ وَھُوَ یُنْزَلُ عَلَیْہِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ وَکَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَیْہِ شَیْئٌ دَعَا بَعْضَ مَنْ کَانَ یَکْتُبُ فَیَقُوْلُ ضَعُوْا ھٰؤُلَاءِ الْاٰیَاتِ فِی السُّوْرَۃِ الَّتِیْ یُذْکَرُ فِیْھَا کَذَا وَکَذَا فَاِذَا نَزَلَتْ عَلَیْہِ الْاٰیَۃُ فَیَقُوْلُ ضَعُوْا ھٰذِہٖ الْاٰیَۃَ فِی السُّوْرَۃِ الَّتِیْ یُذْکَرُ فِیْھَا کَذَا وَکَذَا وَکَانَتِ الْأَنْفَالُ مِنْ أَوَائِلِ مَانَزَلَتْ بِالْمَدِیْنَۃِ وَکَانَتْ بَرَاءَۃُ مِنْ اٰخِرِ الْقُرْاٰنِ نُزُوْلًا وَکَانَتْ قِصَّتُھَا شَبِیْھَۃً بِقِصَّتِھَا فَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَمْ یُبَیِّنْ لَنَا اَنَّھَا مِنْھَا فَمِنْ أَجْلِ ذٰلِکَ قَرَنْتُ بَیْنَھُمَا وَلَمْ أَکْتُبْ سَطْرَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَوَضَعْتُھَا فِی السَّبْعِ الطُّوَلِ۔ رَوَاہُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ۔

حوالہ: مسند احمد: ۱/۵۷، ترمذی شریف: ۲/۱۳۹، کتاب التفسیر، باب و من سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر: ۳۰۸۶۔ ابو داؤد شریف: ۱/۱۱۴، کتاب افتتاح الصلوۃ، باب من جھر بھا، حدیث نمبر: ۷۸۶-۷۸۷۔

حل لغات: حملکم: حَمَلَ (ض) حَمْلًا علی الامر: برانگیختہ کرنا، قرنتم: قَرَنَ (ض) قَرْنًا: ملانا، سطر: لکیر، لائن جمع سطور۔ الطول: لمبا جمع أَطْوَال۔ و طُوَل۔ یذکر: ذکر (ن) ذکرًا: دل میں یاد کرنا، ضعوا: وَضَعَ (ف) وَضْعًا: رکھنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کو سورۂ انفال اور برأت کو ایک جگہ رکھنے پر کس چیز نے آمادہ کیا حالانکہ وہ مثانی ہے اور مئین ہے۔ چنانچہ آپ ؓ نے دونوں کو ملا دیا اور ان دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور سورۂ توبہ کو لمبی سورتوں سے ملا دیا، اس پر آپ ؓ کو کس چیز نے آمادہ کیا؟

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جیسے جیسے وقت گزرتا تھا ویسے ویسے آیتوں والی سورتیں نازل ہوتی تھیں اور جب آنحضرت ﷺ پر کچھ نازل ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کاتبانِ وحی میں سے کسی کو بلا کر فرماتے کہ ان آیتوں کو اس سورت میں لکھ دو جس میں ایسا ذکر ہے، پھر جب کوئی دوسری آیت نازل ہوتی تو آنحضرت ﷺ فرماتے اس آیت کو اس سورت میں لکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔ اور سورۃ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے اور سورۃ برأت نزول کے اعتبار سے قرآن کا آخری حصہ ہے اور سورۃ انفال کے مضامین سورۃ برأت کے مضامین کے مشابہ ہیں اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی لیکن ہمارے لئے یہ واضح نہ ہوسکا کہ سورۃ توبہ انفال میں سے ہے یا نہیں؟ اسی وجہ سے میں نے ان دونوں کو ملا دیا ہے اور ان دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی ہے اور اس کو سات بڑی سورتوں کے ساتھ لکھ دیا ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے سورۃ انفال و براءۃ کی مصحف میں کتابت کے متعلق تین سوال کئے ہیں۔

(۱)......قرآن کریم کی جن سورتوں کی آیات سو (۱۰۰) یا اس سے زائد ہیں وہ مئین کہلاتی ہیں اور جن کی آیات اس سے کم ہیں وہ مثانی کہلاتی ہیں۔ اس اعتبار سے سورۃ براءت مئین میں سے ہے اور سورۃ انفال مثانی میں سے۔ سوال یہ ہے کہ مصحف عثمانی کی ترتیب میں سورۃ انفال کو جو مثانی میں سے ہے اس سورت کے ساتھ کیوں ملا دیا جو مئین میں سے ہے؟ ان دونوں میں ربط اور مناسبت ہونی چاہئے۔

(۲)......قرآن کریم کی ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ لکھی گئی ہے، سورۃ براءت کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ کیوں نہیں لکھی؟

(۳)......قرآن کریم کی پہلی سات لمبی سورتوں کو السبع الطوال کہا جاتا ہے یہ سورتیں بقرہ سے لے کر

سورۂ انفال تک بنتی ہیں سورۂ انفال کا شمار سبع طوال میں سے ہے۔ سورۂ براءت ان میں سے نہیں۔ حالانکہ سورۂ براءت زیادہ لمبی ہے اس کا شمار سبع طوال میں ہونا چاہئے تھا اور یہ اس صورت میں ہوتا جب کہ اس کو سورۂ انفال پر مقدم کیا جاتا۔ سورۂ انفال کو سورۂ براءت پر کیوں مقدم کیا گیا؟

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سوالوں کے جو جواب دیئے ہیں وہ بالترتیب یہ ہیں۔

(۱)...... پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ دونوں سورتوں کا مضمون ملتا جلتا ہے۔ "قصتها شبيهة بقصتها" لہٰذا دونوں کو اکٹھا رکھا گیا۔

(۲)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جب کوئی نئی آیت نازل ہوتی تو کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو بلا کر لکھوا لیتے اور انہیں یہ بھی فرما دیتے کہ یہ آیت فلاں سورت کی فلاں آیت کے ساتھ لکھ دو۔ جب کسی آیت کے ساتھ بسم اللہ بھی نازل ہوتی تو یہ دلیل ہوتی تھی اس بات کی کہ یہاں سے نئی سورت شروع ہو رہی ہے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کوئی بھی آیت نازل ہوتی تو اس کے بارہ میں دو احتمال ہوتے ایک یہ کہ وہ کسی سابقہ سورت کا جزء ہو دوسرا یہ کہ یہاں سے مستقل سورت شروع ہو رہی ہو۔ اگر کسی آیت سے پہلے بسم اللہ بھی نازل ہو جاتی تو دوسرا احتمال متعین ہو جاتا اور اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالتصریح فرما دیتے کہ اس کو فلاں سورت میں لکھ لو۔ تو پہلا احتمال متعین ہو جاتا ہے۔ سورۂ براءت کی ابتداء کے متعلق بھی یہی دونوں احتمال تھے۔ لیکن باقی آیت میں تو کسی ایک احتمال کی تعیین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی ہوگئی تھی۔ لیکن یہاں کوئی احتمال متعین نہیں ہوا یہ بھی متعین نہ ہوا کہ یہ مستقل سورت ہے کیونکہ بِسْمِ اللّٰهِ نازل نہیں ہوئی اور یہ بھی متعین نہ ہوا کہ سورۂ انفال کا جزء ہے کیونکہ جزئیت کی آنحضرت ﷺ نے تصریح نہیں فرمائی دونوں احتمال باقی رہے ہم نے بھی ان دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ نہیں لکھی۔ اور چونکہ مستقل سورت ہونے کا بھی احتمال تھا اس لئے دونوں سورتوں کے

016 BabuN

درمیان ایک سطر چھوڑ دی گئی۔

سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی اصل وجہ وہی ہے جو اس روایت سے معلوم ہورہی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہونا اور اس کی وجہ سے احتمال جزئیت کا بھی باقی رہ جانا۔ باقی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نازل نہیں ہوئی۔ اس میں مختلف حکمتیں بیان کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً بعض مفسرین نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ بسم اللہ امان کیلئے ہے اور سورۂ براءت میں عدم امان اور براءت کا اعلان ہے اس لئے اس موقع پر بسم اللہ نازل نہیں ہوئی؛ لیکن یہ محض حکمت ہے۔

(۳)...... تیسرے سوال کے دو جواب اس روایت سے سمجھ میں آتے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ سورۂ انفال مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے اور سورۂ براءت مدنی زندگی کے آخری دور میں۔ گویا سورۂ انفال ترتیب نزولی میں سورۂ براءت سے مقدم ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کسی فرمان کے بغیر ترتیب نزولی کو بدلا نہیں جاسکتا۔ اس لئے اسی ترتیب کو باقی رکھا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سورۂ براءت کے بارے میں اشتباہ تھا۔ سورۂ انفال کے جزء ہونے کا۔ اگر اس کو سورۂ انفال پر مقدم کردیتے اور بسم اللہ نہ لکھتے تو شبہ ہوتا سورۂ اعراف کے جزء ہونے کا۔ (اور بسم اللہ لکھتے تو بھی درست نہ ہوتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں بسم اللہ نہیں لکھوائی۔)

اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ سورتوں کی آیات کی ترتیب توقیفی اور سمعی ہے۔ قرآن کریم کی سورتوں کے بارہ میں راجح یہ ہے کہ ان کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔ جمہور کی رائے یہی ہے۔ (اشرف التوضیح: ۲۴۷ تا ۲۴۶ / ۲، التعلیق: ۴۳ / ۳، مرقاۃ: ۶۳۱ / ۲)

تتمہ ......از فضائل قرآن

کلام پاک کے ان سب فضائل اور خوبیوں کے ذکر کرنے سے مقصود اس کے ساتھ محبت پیدا کرنا ہے۔ اس لئے کہ کلام اللہ شریف کی محبت حق تعالیٰ شانہ کی محبت کے لئے لازم وملزوم ہے اور ایک کی محبت دوسرے کی محبت کا سبب ہوتی ہے، دنیا میں آدمی کی خلقت صرف اللہ جل شانہ کی معرفت کیلئے ہوئی ہے اور آدمی کے علاوہ سب چیز کی خلقت آدمی کے لئے۔

ابر و باد ومہ وخورشید وفلک درکارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ وفرمانبردار
شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

کہتے ہیں بادل وہوا، چاند وسورج، آسمان وزمین غرض ہر چیز تیری خاطر کام میں مشغول ہے تا کہ تو اپنی حوائج ان کے ذریعہ سے پوری کرے اور عبرت کی نگاہ سے دیکھے کہ آدمی کی ضروریات کے لئے یہ سب چیزیں کس قدر فرمانبردار ومطیع اور وقت پر کام کرنے والی ہیں اور تنبیہ کے لئے کبھی کبھی ان میں تخلف بھی تھوڑی دیر کے لئے کر دیا جاتا ہے۔ بارش کے وقت بارش نہ ہونا، ہوا کے وقت ہوا نہ چلنا، اسی طرح گرہن کے ذریعہ سے چاند، سورج، غرض ہر چیز میں کوئی تغیر بھی پیدا کیا جاتا ہے، تا کہ ایک غافل کے لئے تنبیہ کا تازیانہ بھی لگے۔ اس سب کے بعد حیرت کی بات ہے کہ تیری وجہ سے یہ سب چیزیں تیری ضروریات کے تابع کی جاویں اور ان کی فرمانبرداری بھی تیری اطاعت اور فرمانبرداری کا سبب نہ بنے اور اطاعت وفرمانبرداری کے لئے بہترین محبت ہے۔

"اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ" جب کسی شخص سے محبت ہو جاتی ہے عشق وفریفتگی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی اطاعت وفرمانبرداری طبیعت اور عادت بن جاتی ہے اور اس کی نافرمانی ایسی ہی گراں اور شاق ہوتی ہے جیسا کہ بغیر محبت کے کسی کی اطاعت خلافِ عادت وطبع ہونے کی وجہ سے بار ہوتی ہے، کسی

چیز سے محبت پیدا کرنے کی صورت اس کے کمالات و جمال کا مشاہدہ ہے، حواس خمسہ ظاہرہ سے ہو یا حواس باطنہ میں استحضار سے، اگر کسی کے چہرہ کو دیکھ کر بے اختیار اس سے وابستگی ہو جاتی ہے تو کسی کی دل آویز آواز بھی بسا اوقات مقناطیس کا اثر رکھتی ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

عشق ہمیشہ صورت ہی سے پیدا نہیں ہوتا، بسا اوقات یہ مبارک دولت بات سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ کان میں آواز پڑ جانا اگر کسی کی طرف بے اختیار کھینچتا ہے، تو کسی کے کلام کی خوبیاں، اس کے جوہر، اس کے ساتھ الفت کا سبب بن جاتی ہیں۔ کسی کے ساتھ عشق پیدا کرنے کی تدبیر اہل فن نے یہ بھی لکھی ہے کہ اس کی خوبیوں کا استحضار کیا جائے، اس کے غیر کو دل میں جگہ نہ دی جاوے، جیسا کہ عشق طبعی میں یہ سب باتیں بے اختیار ہوتی ہیں، کسی کا حسین چہرہ یا ہاتھ نظر پڑ جاتا ہے تو آدمی سعی کرتا ہے کوشش کرتا ہے کہ بقیہ اعضاء کو دیکھے تا کہ محبت میں اضافہ ہو قلب کو تسکین ہو، حالانکہ تسکین ہوتی نہیں۔ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کسی کھیت میں بیج ڈالنے کے بعد اگر اس کی آبپاشی کی خبر نہ لی گئی تو پیداوار نہیں ہوتی، اگر کسی کی محبت دل میں بے اختیار آ جانے کے بعد اس کی طرف التفات نہ کیا جاوے تو آج نہیں تو کل دل سے محو ہو جاوے گی، لیکن اس کے خدّ و خالِ سراپا اور رفتار و گفتار کے تصور سے اس قلبی بیج کو سینچتا رہے تو اس میں ہر لمحہ اضافہ ہوگا۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اس سبق کو بھلا دو گے فوراً چھٹی مل جاوے گی، جتنا جتنا یاد کرو گے اتنا ہی جکڑے جاؤ گے۔ اسی طرح کسی قابل عشق سے محبت پیدا کرنی ہو تو اس کے کمالات اس کی دل آویزیوں کا تتبع کرے، جوہروں کو تلاش کرے اور جس قدر معلوم ہو جاویں اس پر بس نہ کرے، بلکہ اس سے زائد کا متلاشی ہو کہ فنا

ہونے والے محبوب کے کسی ایک عضو کے دیکھنے پر قناعت نہیں کی جاتی، اس سے زیادہ کی ہوس جہاں تک کہ امکان میں ہو باقی رہتی ہے۔ حق سبحانہ وتقدس جو حقیقتاً ہر جمال وحسن کا منبع ہیں اور حقیقتاً دنیا میں کوئی بھی جمال ان کے علاوہ نہیں ہے، یقیناً ایسے محبوب ہیں کہ جن کے کسی جمال وکمال پر بس نہیں، نہ اس کی کوئی غایت، ان ہی بے نہایت کمالات میں سے ان کا کلام بھی ہے، جس کے متعلق میں پہلے اجمالاً کہہ چکا ہوں کہ اس انتساب کے بعد پھر کسی کمال کی ضرورت نہیں، عشاق کے لئے اس انتساب کے برابر اور کونسی چیز ہوگی۔؟

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

[اے پھول میں تجھ سے خوش ہوں اس لئے کہ تو کسی محبوب کی خوشبو رکھتا ہے۔]

قطع نظر اس سے کہ اس انتساب کو اگر چھوڑ بھی دیا جائے کہ اس کا موجد کون ہے اور وہ کس کی صفت ہے تو پھر حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس کو جو نسبتیں ہیں ایک مسلمان کی فریفتگی کے لئے وہ کیا کم ہیں، اگر اس سے بھی قطع نظر کی جاوے تو خود کلام پاک ہی میں غور کیجئے کہ کونسی خوبی دنیا میں ایسی ہے جو کسی چیز میں پائی جاتی ہے اور کلام پاک میں نہ ہو۔

دامانِ نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گل چین بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

[نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول بہت ہیں، تیری بہار کے پھول توڑنے والے کو دامن سے شکایت ہے۔]

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ اور بیتاب دل ایک

احادیث سابقہ کو غور سے پڑھنے والوں پر مخفی نہیں کہ کوئی بھی چیز دنیا میں ایسی نہیں جس کی طرف احادیث بالا میں متوجہ نہ کر دیا ہو اور انواعِ محبت وافتکار میں سے کسی نوع کا دلدادہ بھی ایسا نہ ہوگا کہ اسی رنگ میں کلام اللہ شریف کی افضلیت و برتری اس نوع میں کمال درجہ کی نہ بتلادی گئی ہو، مثلاً کلی اور اجمالی

016 BabuN

بہترائی جو دنیا بھر کی چیزوں کو شامل ہے، ہر جمال وکمال اس میں داخل ہے۔

حدیث نمبر: ۱؍سب سے پہلی نے کلی طور پر ہر چیز سے اس کی افضلیت اور برتری بتلادی، محبت کی کوئی سی نوع لے لیجئے، کسی شخص کو اسباب غیر متناہیہ میں سے کسی وجہ سے کوئی پسند آئے، قرآن شریف اسی کلی افضلیت میں اس سے افضل ہے۔ اس کے بعد بالعموم جو اسباب تعلق ومحبت ہوتے ہیں، جزئیات وتمثیل کے طور سے ان سب پر قرآن شریف کی افضلیت بتلادی گئی، اگر کسی کو ثمرات اور منافع کی وجہ سے کسی سے محبت ہوتی ہے تو اللہ جل شانہ کا وعدہ ہے کہ ہر مانگنے والے سے زیادہ عطا کروں گا۔

حدیث نمبر: ۲؍اگر کسی کو ذاتی فضیلت، ذاتی جوہر، ذاتی کمال سے کوئی بھاتا ہے تو اللہ جل شانہ نے بتلادیا کہ دنیا کی ہر بات پر قرآن شریف کو اتنی فضیلت ہے جتنی خالق کو مخلوق پر، آقا کو بندوں پر، مالک کو مملوک پر۔

حدیث نمبر: ۳؍اگر کوئی مال ومتاع حشم وخدم اور جانوروں کا گرویدہ ہے اور کسی نوع کے جانور پالنے پر دل کھوئے ہوئے ہے، تو جانوروں کے بے مشقت حاصل کرنے سے تحصیل کلام پاک کی افضلیت پر متنبہ کردیا۔

حدیث نمبر: ۴؍اگر کوئی صوفی تقدس وتقویٰ کا بھوکا ہے اس کیلئے سرگرداں ہے تو حضور اقدس ﷺ نے بتلادیا کہ قرآن کے ماہر کا ملائکہ کے ساتھ شمار ہے، جن کی برابری تقویٰ کا ہونا مشکل ہے کہ ایک آن بھی خلافِ اطاعت نہیں گذار سکتے۔

حدیث نمبر: ۵؍اگر کوئی شخص دوہرا حصہ ملنے پر افتخار کرتا ہے یا اپنی بڑائی اسی میں سمجھتا ہے کہ اس کی رائے دوراؤں کی برابر شمار کی جاوے تو اٹکنے والے کے لئے دوہرا اجر ہے۔

حدیث نمبر: ۶؍اگر کوئی حاسد بداخلاقیوں کا متوالا ہے، دنیا میں حسد ہی کا خوگر ہوگیا ہو، اس کی زندگی حسد سے نہیں ہٹ سکتی، تو حضور اقدس ﷺ نے بتلادیا کہ اس قابل جس کے مال پر واقعی حسد ہوسکتا ہے وہ حافظ قرآن ہے۔

حدیث نمبر: ۷/ا اگر کوئی فواکہ کا متوالا ہے، اس پر جان دیتا ہے، پھل بغیر اس کو چین نہیں پڑتا، تو قرآن شریف ترنج کی مشابہت رکھتا ہے۔

حدیث نمبر: ۸/ا اگر کوئی میٹھے کا عاشق ہے، مٹھائی بغیر اس کا گذر نہیں، تو قرآن شریف کھجور سے زیادہ میٹھا ہے، اگر کوئی شخص عزت و وقار کا دلدادہ ہے، ممبری اور کونسل بغیر اس سے نہیں رہا جاتا، تو قرآن شریف دنیا اور آخرت میں رفع درجات کا ذریعہ ہے۔

حدیث نمبر: ۹/ا اگر کوئی شخص معین و مددگار چاہتا ہے، ایسا جاں نثار چاہتا ہے کہ ہر جھگڑے میں اپنے ساتھی کی طرف سے لڑنے کو تیار رہے، تو قرآن شریف سلطان السلاطین ملک الملوک شہنشاہ سے اپنے ساتھی کی طرف سے جھگڑنے کو تیار ہے۔

حدیث نمبر: ۱۰/ا اگر کوئی نکتہ رس باریک بینیوں میں عمر خرچ کرنا چاہتا ہے اس کے نزدیک ایک باریک نکتہ حاصل کر لینا دنیا بھر کے لذات سے اعراض کو کافی ہے تو بطن قرآن شریف دقائق کا خزانہ ہے۔

حدیث نمبر: ۱۱/ا اسی طرح اگر کوئی شخص مخفی رازوں کا پتہ لگانا کمال سمجھتا ہے، محکمہ سی آئی ڈی میں تجربہ کو ہنر سمجھتا ہے عمر کھپاتا ہے، تو بطن قرآن شریف ان اسرار مخفیہ پر متنبہ کرتا ہے، جن کی انتہا نہیں، اگر کوئی شخص اونچے مکانات بنانے پر مر رہا ہے، ساتویں منزل پر اپنا خاص کمرہ بنانا چاہتا ہے تو قرآن شریف ساتویں ہزار منزل پر پہنچاتا ہے۔

حدیث نمبر: ۱۲/ا اگر کوئی اس کا گرویدہ ہے کہ ایسی سہل تجارت کروں جس میں محنت کچھ نہ ہو اور نفع بہت سا ہو جاوے، تو قرآن شریف ایک حرف پر دس نیکیاں دلاتا ہے۔

حدیث نمبر: ۱۳/ا اگر کوئی تاج و تخت کا بھوکا ہے اس کی خاطر دنیا سے لڑتا ہے، تو قرآن شریف اپنے رفیق کے والدین کو بھی وہ تاج دیتا ہے جس کی چمک دمک کی دنیا میں کوئی نظیر ہی نہیں۔

حدیث نمبر: ۱۴/ا اگر کوئی شعبدہ بازی میں کمال پیدا کرتا ہے آگ ہاتھ پر رکھتا ہے، جلتی دیا سلائی منہ میں رکھ لیتا ہے، تو قرآن شریف جہنم تک کی آگ کو اثر کرنے سے مانع ہے۔

حدیث نمبر:۱۵/ اگر کوئی حکام رسی پر مرتا ہے اس پر ناز ہے کہ ہمارے ایک خط سے فلاں حاکم نے اس ملزم کو چھوڑ دیا، ہم نے فلاں شخص کو سزا نہیں ہونے دی، اتنی سی بات حاصل کرنے کے لئے جج وکلکٹر کی دعوتوں اور خوشامدوں میں جان ومال ضائع کرتا ہے، ہر روز کسی نہ کسی حاکم کی دعوت میں سرگرداں رہتا ہے، تو قرآن شریف اپنے ہر رفیق کے ذریعہ ایسے دس شخصوں کو خلاصی دلاتا ہے جن کو جہنم کا حکم مل چکا ہے۔

حدیث نمبر:۱۶/ اگر کوئی خوشبوؤں پر مرتا ہے، چمن اور پھولوں کا دلدادہ ہے تو قرآن شریف بال چھڑ ہے۔

حدیث نمبر:۱۷/ اور اگر کوئی عطور کا فریفتہ ہے، حنائے مشکی میں غسل چاہتا ہو تو کلام مجید سراپا مشک ہے اور غور کرو گے تو معلوم ہو جاوے گا کہ اس مشک سے اس مشک کو کچھ بھی نسبت نہیں۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟

[دنیا کا آخرت سے کیا جوڑ۔]

کارِ زُلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند

[مشک کی خوشبو پھیلانا تیری زلفوں کا کارنامہ ہے، لیکن عاشقوں نے مصلحۃً چین کے ہرن پر اس کی تہمت لگا دی۔]

حدیث نمبر:۱۸/ اگر کوئی جوتہ کا آشا ڈر سے کوئی کام کر سکتا ہے، ترغیب اس کے لئے کارآمد نہیں، تو قرآن شریف سے خالی ہونا گھر کی بربادی کے برابر ہے۔

حدیث نمبر:۱۹/ اگر کوئی عابد افضل العبادات کی تحقیق میں رہتا ہے اور ہر کام میں اس کا متمنی ہے کہ جس چیز میں زیادہ ثواب ہو اسی میں مشغول رہوں تو قراءتِ قرآن افضل العبادات ہے اور تصریح سے بتلا دیا کہ نفل نماز روزہ، تسبیح وتہلیل وغیرہ سب سے افضل ہے۔

حدیث نمبر:۲۰/ بہت سے لوگوں کو حاملہ جانوروں سے دلچسپی ہوتی ہے، حاملہ جانور قیمتی داموں میں

خریدے جاتے ہیں،حضور اقدس ﷺ نے متنبہ فرمادیا اور خصوصیت سے اس جزو کو بھی مثال میں ذکر فرمایا کہ قرآن شریف اس سے بھی افضل ہے۔

حدیث نمبر: ۲۱/اکثر لوگوں کو صحت کی فکر دامن گیر رہتی ہے، ورزش کرتے ہیں، روزانہ غسل کرتے ہیں، دوڑتے ہیں، علی الصبح تفریح کرتے ہیں، اسی طرح سے بعض لوگوں کو رنج وغم، فکر وتشویش دامن گیر رہتی ہے، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمادیا کہ سورۂ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے اور قرآن شریف دلوں کی بیماری کو دور کرنے والا ہے۔

حدیث نمبر: ۲۲/لوگوں کو افتخار کے اسباب گذشتہ افتخارات کے علاوہ اور بھی بہت سے ہوتے ہیں، جن کا احاطہ مشکل ہے، اکثر اپنے نسب پر افتخار ہوتا ہے، کسی کو اپنی عادتوں پر، کسی کو اپنی ہر دلعزیزی پر، کسی کو اپنے حسن تدبیر پر، حضور اقدس ﷺ نے فرمادیا: کہ حقیقتاً قابل افتخار جو چیز ہے وہ قرآن شریف ہے اور کیوں نہ ہو کہ درحقیقت ہر جمال وکمال کو جامع ہے۔ ع

آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حدیث نمبر: ۲۳/اکثر لوگوں کو خزانہ جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے، کھانے اور پہننے میں تنگی کرتے ہیں، تکالیف برداشت کرتے ہیں اور ننانوے کے پھیر میں ایسے پھنس جاتے ہیں جس سے نکلنا دشوار ہوتا ہے، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمادیا کہ ذخیرہ کے قابل کلام پاک ہے، جتنا دل چاہے آدمی جمع کرے کہ اس سے بہتر کوئی خزینہ نہیں۔

حدیث نمبر: ۲۴/اسی طرح اگر برقی روشنیوں کا آپ کو شوق ہے، آپ اپنے کمرہ میں دس قمقمے بجلی کے اس لئے نصب کرتے ہیں کہ کمرہ جگمگا اٹھے، تو قرآن شریف سے بڑھ کر نورانیت کس چیز میں ہو سکتی ہے۔

حدیث نمبر: ۲۵/اگر آپ اس پر جان دیتے ہیں کہ آپ کے پاس ہدایا آیا کریں، دوست روزانہ کچھ نہ کچھ بھیجتے رہا کریں۔ آپ توسیع تعلقات اسی کے خاطر کرتے ہیں، جو دوست آشنا اپنے باغ کے پھلوں میں آپ کا حصہ نہ لگائے، تو آپ اس کی شکایت کرتے ہیں، تو قرآن

شریف سے بہتر تحائف دینے والا کون ہے کہ سکینہ اس کے پاس بھیجی جاتی ہے، پس آپ کے کسی پر مرنے کی اگر یہی وجہ ہے کہ وہ آپ کے پاس روزانہ کچھ ندرانہ لاتا ہے تو قرآن شریف میں اس کا بھی بدل ہے۔

حدیث نمبر:۲۶/اور اگر آپ کسی وزیر کے اس لئے ہر وقت قدم چومتے ہیں کہ وہ دربار میں آپ کا ذکر کر دے گا کسی پیش کار کی اس لئے کوشامد کرتے ہیں کہ وہ کلکٹر کے یہاں آپ کی کچھ تعریف کر دے گا، یا کسی کی آپ اس لئے چاپلوسی کرتے ہیں کہ محبوب کی مجلس میں آپ کا ذکر کر دے، تو قرآن شریف احکم الحاکمین محبوبِ حقیقی کے دربار میں آپ کا ذکر خود محبوب وآقا کی زبان سے کراتا ہے۔

حدیث نمبر:۲۷/اگر آپ اس کے جویاں رہتے ہیں کہ محبوب کو سب سے زیادہ مرغوب کیا چیز ہے کہ اس کے مہیا کرنے میں پہاڑوں سے دودھ کی نہر نکالی جائے تو قرآن شریف کی برابر آقا کو کوئی چیز بھی مرغوب نہیں۔

حدیث نمبر:۲۸/اگر آپ درباری بننے میں عمر کھپارہے ہیں، سلطان کے مصاحب بننے کے لئے ہزار تدبیر اختیار کرتے ہیں، تو کلام اللہ شریف کے ذریعہ آپ اس بادشاہ کے مصاحب شمار ہوتے ہین، جس کے سامنے کسی بڑے سے بڑے کی بادشاہت کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

حدیث نمبر:۲۹/تعجب کی بات ہے کہ لوگ کونسل کی ممبری کے لئے اور اتنی سی بات کے لئے کہ کلکٹر صاحب شکار میں جاویں تو آپ کو بھی ساتھ لے لیں، آپ کس قدر قربانیاں کرتے ہیں، راحت وآرام جان ومال نثار کرتے ہیں، لوگوں سے کوشش کراتے ہیں، دین اور دنیا دونوں کو برباد کرتے ہیں، صرف اس لئے کہ آپ کی نگاہ میں اس سے آپ کا اعزاز ہوتا ہے، تو پھر کیا حقیقی اعزاز کے لئے حقیقی حاکم وبادشاہ کی مصاحبت کے لئے واقعی درباری بننے کے لئے آپ کو ذراسی توجہ کی بھی ضرورت نہیں؟ آپ اس نمائشی اعزاز پر عمر خرچ کیجئے، مگر خدارا اس عمر کا تھوڑا سا حصہ عمر دینے والے کی خوشنودی کے

016 BabuN

لئے بھی تو خرچ کیجئے، اسی طرح اگر آپ میں چشتیت پھونک دی گئی ہے اور ان مجالس بغیر آپ کو قرار نہیں تو مجالس تلاوت اس سے کہیں زیادہ دل کو پکڑنے والی ہیں اور بڑے سے بڑے مستغنی کے کان اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔

حدیث نمبر: ۳۰/و۳۱/ اسی طرح اگر آپ آقا کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں تو تلاوت کیجئے۔

حدیث نمبر: ۳۲/ اور اگر آپ اسلام کے مدعی ہیں، مسلم ہونے کا دعویٰ ہے تو حکم ہے حضرت نبی کریم ﷺ کا کہ قرآن شریف کی ایسی تلاوت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، اگر آپ کے نزدیک اسلام صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری سے بھی آپ کے اسلام کو کوئی سروکار ہے تو یہ اللہ کا فرمان ہے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اس کی تلاوت کا حکم ہے۔

حدیث نمبر: ۳۳/ اگر آپ میں قومی جوش بہت زور کرتا ہے، ترکی ٹوپی کے آپ صرف اس لئے دلدادہ ہیں کہ وہ آپ کے نزدیک خالص اسلامی لباس ہے، قومی شعار میں آپ بہت خاص دلچسپی رکھتے ہیں، ہر طرح اس کے پھیلانے کی آپ تدبیر اختیار کرتے ہیں، اخبارات میں مضامین شائع کرتے ہیں، جلسوں میں ریزولیوشن پاس کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جس قدر ممکن ہو قرآن شریف کو پھیلاؤ۔

بے جا نہ ہوگا اگر میں یہاں پہنچ کر سر برآوردگان، قوم کی شکایت کروں کہ قرآنِ پاک کی اشاعت میں آپ کی طرف سے کیا اعانت ہوتی ہے اور یہی نہیں بلکہ خدارا ذرا غور سے جواب دیجئے کہ اس کے سلسلہ کو بند کرنے میں آپ کا کس قدر حصہ ہے، آج اس کی تعلیم کو بے کار بتلایا جاتا ہے، اضاعت عمر سمجھا جاتا ہے، اس کو بے کار دماغ سوزی اور بے نتیجہ عرق ریزی کہا جاتا ہے، ممکن ہے کہ آپ اس کے موافق نہ ہوں لیکن ایک جماعت جب ہمہ تن اس میں کوشاں ہے تو کیا آپ کا سکوت اس کی اعانت نہیں ہے؟ مانا کہ آپ اس خیال سے بے زار ہیں، مگر آپ کی اس بے زاری نے کیا فائدہ دیا۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہوجائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

آج اس کی تعلیم پر بڑے زور سے اس لئے انکار کیا جاتا ہے کہ مسجد کے ملانوں نے اپنے ٹکڑوں کے لئے دھندا کر رکھا ہے، گویا عامۃً نیتوں پر حملہ ہے، جو بڑی سخت ذمہ داری ہے اور اپنے وقت پر اس کا ثبوت دینا ہوگا۔ مگر میں نہایت ہی ادب سے پوچھتا ہوں کہ خدارا ذرا غور تو کیجئے کہ ان خود غرض ملانوں کی ان خود غرضیوں کے ثمرات آپ دنیا میں کیا دیکھ رہے ہیں اور آپ کی ان بے غرضانہ تجاویز کے ثمرات کیا ہوں گے اور نشر و اشاعت کلام پاک میں آپ کی ان مفید تجاویز سے کس قدر مدد ملے گی؟ بہر حال حضور اقدس ﷺ کا ارشاد آپ کے لئے قرآن شریف کے پھیلانے کا ہے، اس میں آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ اس ارشادِ نبوی کا کس درجہ امتثال آپ کی ذات سے ہوا اور ہو رہا ہے۔

دیکھئے ایک دوسری بات کا بھی خیال رکھیں، بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم اس خیال میں شریک نہیں تو ہم کو کیا، مگر اس سے آپ اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا تھا: "أَنَهْلَكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ؟ قَالَ: نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخُبُثُ" [کیا ہم ایسی حالت میں ہلاک ہو جاویں گے کہ ہم میں صلحاء موجود ہوں؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ہاں! جب خباثت غالب ہو جاوے۔]

اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ایک گاؤں کے الٹ دینے کا حکم فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس میں فلاں بندہ ایسا ہے کہ جس نے کبھی گناہ نہیں کیا، ارشاد ہوا کہ صحیح ہے، مگر یہ میری نافرمانی ہوتے ہوئے دیکھتا رہا اور کبھی اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑا۔

درحقیقت علماء کو یہی امور مجبور کرتے ہیں کہ وہ ناجائز امور کو دیکھ کر ناگواری کا اظہار کریں، جس کو ہمارے روشن خیال تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں، آپ حضرات اپنی اس وسعت خیالی اور وسعتِ اخلاق پر مطمئن نہ رہیں کہ یہ فریضہ صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں، ہر اس شخص کے ذمہ ہے جو کسی ناجائز بات کا وقوع دیکھے اور اس پر ٹوکنے کی قدرت رکھتا ہو، پھر نہ ٹوکے۔ بلال بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معصیت جب

016 BabuN

مخفی طور سے کی جاتی ہے تو اس کا وبال صرف کرنے والے پر ہوتا ہے، لیکن جب کھلم کھلا کی جاوے اور اس پر انکار نہ کیا جاوے تو اس کا وبال عام ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ تاریخ کے دلدادہ ہیں، جہاں کہیں معتبر تاریخ پرانی تاریخ آپ کو ملتی ہے آپ اس کے لئے سفر کرتے ہیں، تو قرآن شریف میں تمام ایسی کتب کا بدل موجود ہے، جو قرونِ سابقہ میں حجت و معتبر مانی گئی ہے۔

حدیث نمبر: ۳۴/ اگر آپ اس قدر اونچے مرتبے کے متمنی ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ کی مجلس میں بیٹھنے اور شریک ہونے کا حکم ہو تو یہ بات بھی صرف کلام اللہ شریف میں ہی ملے گی۔

حدیث نمبر: ۳۵/ اگر آپ اس قدر کاہل ہیں کہ کچھ کر ہی نہیں سکتے تو بے محنت بے مشقت اکرام بھی آپ کو صرف کلام اللہ شریف میں ملے گا کہ چپ چاپ کسی مکتب میں بیٹھے بچوں کا کلام مجید سنے جائیے اور مفت کا ثواب لیجئے۔

حدیث نمبر: ۳۶/ اگر آپ مختلف الوان کے گرویدہ ہیں، ایک نوع سے اکتاجاتے ہیں قصے کہیں احکام، اور کیفیت تلاوت میں کبھی پکار کر پڑھیں اور کبھی آہستہ۔

حدیث نمبر: ۳۷/ اگر آپ کی سیہ کاریاں حد سے متجاوز ہیں اور مرنے کا آپ کو یقین بھی ہے، تو پھر تلاوتِ کلام پاک میں ذرا بھی کوتاہی نہ کیجئے کہ اس درجہ کا سفارشی نہ ملے گا اور پھر ایسا کہ جس کی سفارش کے قبول ہونے کا یقین بھی ہو۔

حدیث نمبر: ۳۸/ اسی طرح اگر آپ اس قدر باوقار واقع ہوئے ہیں کہ جھگڑالو سے گھبراتے ہیں، لوگوں کے جھگڑے کے ڈر سے آپ بہت سی قربانیاں دے جاتے ہیں، تو قرآن شریف کے مطالبہ سے ڈریئے کہ اس جیسا جھگڑالو آپ کو نہ ملے گا۔ فریقین کے جھگڑے میں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی طرف دار ہوتا ہے، مگر اس کے جھگڑنے میں اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور ہر شخص اسی کو سچا بتلائے گا اور آپ کا کوئی طرف دار نہ ہوگا۔

حدیث نمبر: ۳۹/ اگر آپ کو ایسا رہبر درکار ہے اور اس پر آپ قربان ہیں کہ جو محبوب کے گھر تک پہنچا

016 BabuN

دے تو تلاوت کیجئے۔اور اگر آپ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں جیل خانہ نہ ہو جائے،تو ہر حالت میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر چارہ نہیں۔

حدیث نمبر:۴۰/اگر آپ علوم انبیاء حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے گرویدہ وشیدائی ہیں تو قرآن شریف پڑھئے اور جتنا چاہے کمال پیدا کیجئے۔اسی طرح اگر آپ بہترین اخلاق پر جان دینے کو تیار ہیں تو بھی تلاوت کی کثرت کیجئے۔

حدیث نمبر:۴۱/اگر آپ کا مچلا ہوا دل ہمیشہ شملہ اور منصوری کی چوٹیوں ہی پر تفریح میں بہلتا ہے اور سو جان سے آپ ایک پہاڑ کے سفر پر قربان ہیں تو قرآن پاک مشک کے پہاڑوں پر ایسے وقت میں تفریح کراتا ہے کہ تمام عالم میں نفسانفسی کا زور ہے۔

حدیث نمبر:۴۲/اگر آپ زاہدوں کی اعلیٰ فہرست میں شمار چاہتے ہیں اور رات دن نوافل سے آپ کو فرصت نہیں تو کلام پاک سیکھنا سکھانا اس سے پیش پیش ہے۔

حدیث نمبر:۴۳ و ۴۴/اگر دنیا کے ہر جھگڑے سے آپ نجات چاہتے ہیں ہر مخمسہ سے آپ علیٰحدہ رہنے کے دلدادہ ہیں تو صرف قرآن پاک ہی میں ان سے مخلصی ہے۔

حدیث نمبر:۴۵/اگر آپ کسی طبیب کے ساتھ وابستگی چاہتے ہیں تو سورۂ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے۔

خاتمہ.........ازفضائل قرآن

حدیث نمبر:۱/اگر آپ کی بے نہایت غرضیں پوری نہیں ہوتیں تو کیوں روزانہ ''سورۂ یٰسٓ'' کی تلاوت آپ نہیں کرتے۔

حدیث نمبر:۲/اگر آپ کو پیسہ کی محبت ایسی ہے کہ اس کے بغیر آپ کسی کے بھی نہیں،تو کیوں روزانہ ''سورۂ واقعہ'' کی تلاوت نہیں کرتے۔

حدیث نمبر:۳/اگر آپ کو عذابِ قبر کا خوف دامن گیر ہے اور آپ اس کے متحمل نہیں تو اس کے لئے

کلام پاک میں نجات ہے۔

حدیث نمبر: ۴/اور اگر آپ کو کوئی دائمی مشغلہ درکار ہے کہ جس میں آپ کے مبارک اوقات ہمیشہ مصروف رہیں تو قرآن پاک سے بڑھ کر نہ ملے گا۔

حدیث نمبر: ۵/مگر ایسا نہ ہو کہ یہ دولت حاصل ہونے کے بعد چھن جاوے کہ سلطنت ہاتھ آنے کے بعد پھر ہاتھ سے نکل جانا زیادہ حسرت وخسران کا سبب ہوتا ہے اور کوئی حرکت ایسی بھی نہ ہو جائے کہ نیکی برباد گناہ لازم۔

حدیث نمبر: ۶/و ۷/وَمَا عَلَیْنَا اِلاَّ الْبَلاَغُ۔

مجھ سا ناکارہ قرآن پاک کی خوبیوں پر کیا متنبہ ہو سکتا ہے، ناقص سمجھ کے موافق جو ظاہری طور پر سمجھ میں آیا ظاہر کر دیا، مگر اہل فہم کے لئے غور کا راستہ ضرور کھل گیا، اس لئے کہ اسبابِ محبت جن کو اہل فن نے کسی کے ساتھ محبت کا ذریعہ بتلایا ہے، پانچ چیز میں منحصر ہیں:

اول: اپنا وجود کہ طبعاً آدمی اس کو محبوب رکھتا ہے۔ قرآن شریف میں حوادث سے امن ہے، اس لئے وہ اپنی حیات و بقا کا سبب ہے۔

دوسرے: طبعی مناسبت جس کے متعلق اس سے زیادہ وضاحت کیا کر سکتا ہوں کہ کلام صفت الٰہی ہے اور مالک ومملوک آقا و بندہ میں جو مناسبت ہے وہ واقفوں سے مخفی نہیں۔

ہست رب الناس را با جانِ ناس
اتصالے بے تکیف و بے قیاس

لوگوں کے رب کو لوگوں کی جان سے ایسا تعلق ہے جس کی حالت کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سب سے ربط آشنائی ہے اسے
دل میں ہر اک کے رسائی ہے اسے

تیسرے: جمال۔

چوتھے: کمال۔

پانچویں: احسان۔

ان ہر سہ امور کے متعلق احادیث بالا میں اگر غور فرمائیں گے تو نہ صرف اس جمال وکمال پر جس کی طرف ایک ناقص الفہم نے اشارہ کیا ہے اقتصار کریں گے بلکہ وہ خود بے تردد اس امر تک پہنچیں گے، کہ عزت وافتخار، شوق وسکون، جمال وکمال، اکرام واحسان، لذت وراحت، مال ومتاع غرض کوئی بھی چیز ایسی نہ پاویں گے جو محبت کے اسباب میں ہو سکتی ہے۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ نے اس پر تنبیہ فرما کر قرآن شریف کو اسی نوع میں اس سے افضل نہ ارشاد فرمایا ہو۔ البتہ حجاب میں مستور ہونا دنیا کے لوازمات میں سے ہے، لیکن عقلمند شخص اس وجہ سے کہ لیچی کا چھلکا خاردار ہے اس کے گودہ سے اعراض نہیں کرتا اور کوئی دل کھویا ہوا اپنی محبوبہ سے اس لئے نفرت نہیں کرتا کہ وہ اس وقت برقعہ میں ہے، پردہ کے ہٹانے کی ہر ممکن سے ممکن کوشش کرے گا اور کامیاب نہ بھی ہو سکتا تو اس پردہ کے اوپر ہی سے آنکھیں ٹھنڈی کرے گا، اگر اس کا یقین ہو جاوے کہ جس کی خاطر برسوں سے سرگرداں ہوں وہ اسی چادر میں ہے، ممکن نہیں کہ پھر اس چادر سے نگاہ ہٹ سکے۔ اسی طرح کلام پاک کے ان فضائل ومناقب اور کمالات کے بعد اگر وہ کسی حجاب کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتے، تو عاقل کا کام نہیں کہ اس سے بے توجہی اور لاپرواہی کرے۔ بلکہ اپنی تقصیر اور نقصان پر افسوس کرے اور کمالات میں غور کرے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر قلوب نجاست سے پاک ہو جاویں، تو تلاوتِ کلام اللہ سے کبھی بھی سیری نہ ہو۔

ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیس برس میں میں نے کلام پاک کو مشقت سے پڑھا اور بیس برس سے مجھے اس کی ٹھنڈک پہنچ رہی ہے۔ پس جو شخص بھی معاصی سے توبہ کے بعد غور کرے گا کلام پاک کو ''آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری'' کا مصداق پائے گا۔

ہماری اہم مطبوعات

نمبر	نام	نمبر	نام
۱	خطبات محمود ۳؍جلدیں	۳۰	شاہد قدرت
۲	حیات محمود (سوانح) مکمل ۲؍جلدیں	۳۱	مسلک علمائے دیوبند اور حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم
۳	تربیت الطالبین	۳۲	حقوق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم
۴	ترجمہ عمل الیوم واللیلۃ اردو	۳۳	صلوۃ وسلام مع احکام حج
۵	محمود الاعمال	۳۴	افریقہ وخدمات فقیہ الامتؒ
۶	تحفۂ اسکوٹ لینڈ	۳۵	اسباب مصائب اور ان کا علاج
۷	ملفوظات فقیہ الامت ۳؍جلدیں	۳۶	آلات تصوف
۸	معاشرت پر ایک نظر	۳۷	وصف شیخ
۹	تذکرۃ الاحباب، بعد وفات قطب الاقطاب	۳۸	نغمۂ توحید
۱۰	رفع یدین اور قرأۃ فاتحہ خلف الامام	۳۹	ذکر محمود (یعنی مختصر سوانح حضرت فقیہ الامت)
۱۱	آسان فرائض	۴۰	غیر مقلدین کا اصلی چہرہ
۱۲	نعت محمود، وصف محبوب صلی اللہ علیہ وسلم	۴۱	عقائد الشیعہ
۱۳	ارمغان اہل دل (کلام محمود)	۴۲	کام کی باتیں
۱۴	معمولات یومیہ مع شجرۂ مبارکہ	۴۳	تذکرہ رفیق الامتؒ
۱۵	وصف شیخ	۴۴	خطبات رفیق الامتؒ ۲؍جلدیں
۱۶	لطائف محمود	۴۵	تذکرہ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ
۱۷	غیر مقلدیت	۴۶	تذکرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
۱۸	ردشیعیت	۴۷	حیات ابرار
۱۹	مناقب النعمان (امام ابوحنیفہؒ)	۴۸	مسنون ومقبول دعائیں
۲۰	سرکاری سودی قرضے	۴۹	سلوک واحسان
۲۱	اسباب لعنت	۵۰	اصول حدیث منظوم نافع (ترجمہ تشریح)
۲۲	اسباب غضب	۵۱	اصول حدیث منظوم نافع
۲۳	مکتوبات فقیہ الامت ۳؍جلدیں	۵۲	جناب گرونانک جیؒ اور اسلام (ہندی)
۲۴	آئینۂ مرزائیت	۵۳	جناب گرونانک جیؒ اور اسلام (اردو)
۲۵	رضاخانیت	۵۴	تذکرہ سلطان ٹیپو شہید
۲۶	حقیقت حج	۵۵	تقلید کی شرعی حیثیت
۲۷	حدود اختلاف	۵۶	غیر مقلدین ایک تعارف
۲۸	گلدستۂ سلام بدرگاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم	۵۷	الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح (۱۰؍جلدیں)
۲۹	مشائخ احمد آباد	۵۸	فتاویٰ محمودیہ ترتیب جدید (۳۱؍جلدیں)